خواتین کے لیے صاف ستھرا تفریحی ادب

ماہنامہ

آنچل

کراچی

جنوری 2020

Naeyufaq.com

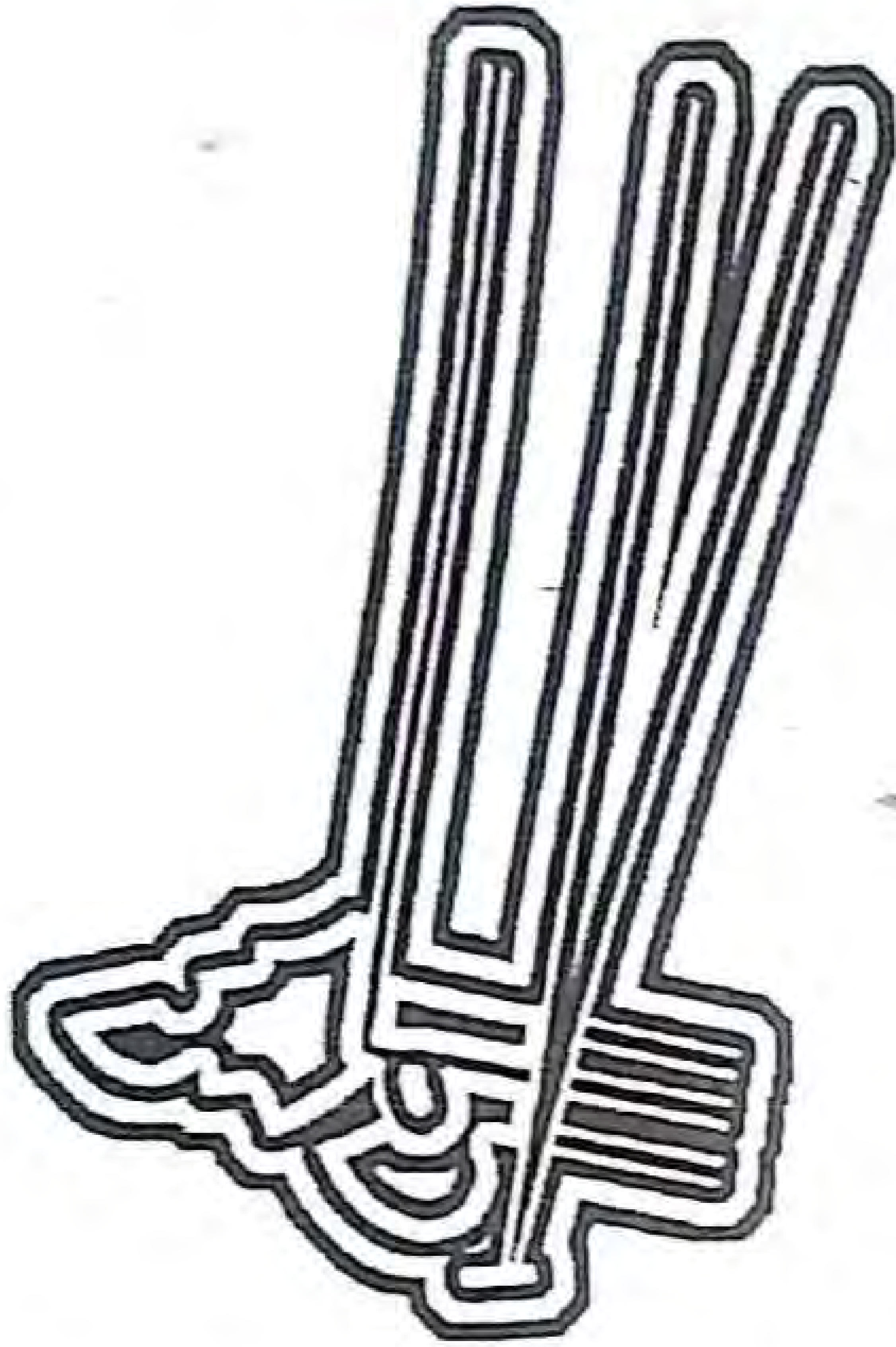
سالِ نو مبارک

ماہنامہ آنچل کراچی

جلد	41
شمارہ	10
جنوری	2020



اشتہارات اور دیگر معلومات
0300-8264242





سرورق: جمائما ...... عکاسی: موسیٰ رضا

مستقل سلسلے

ہم سنگ آنچل

رقیہ ناز

س: آپ کے نزدیک سب سے حسین دور کون سا تھا؟
ج: میرے دیکھنے میں میرا ہی نہیں دنیا کے اسی فیصد لوگوں کا سب سے حسین دور بچپن کا ہی ہوتا ہے، کسی بات کی کوئی ٹینشن نہیں ہوتی، ہر کوئی اپنا لگتا ہے، لڑائی جھگڑے ہو بھی جائیں تو تھوڑی دیر بعد پھر مل کے بیٹھ جاتے ہیں۔
س: کیسی طالب علم تھیں صرف پڑھائی پر توجہ دی یا غیر نصابی سرگرمیوں میں بھی حصہ لیا؟
ج: اللہ کا شکر ہے اچھی طالب علم تھی، ہمارے اسکول میں غیر نصابی سرگرمیاں بہت کم ہوتی تھیں جو ہوتی تھیں ان میں ضرور حصہ لیتی تھی۔
س: کون سا مضمون سخت ناپسند تھا؟
ج: تمام مضامین یکساں تھے، لیکن فزکس سے بہت چڑ تھی، یہ سمجھ نہیں آتی تھی شاید میں نے کبھی سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی تھی۔
س: آپ اپنے کسی استاد سے متاثر ہیں؟
ج: یوں تو تمام ٹیچرز ہی اچھے ملے تھے، لیکن ٹیچر نجمہ اور سلمٰی بہت اچھی تھیں آئی ریئلی مس یو۔
س: پابندیاں صلاحیتوں کو متاثر کرتیں ہیں یا سنوارنے میں مدد دیتی ہیں؟
ج: ہر انسان کی زندگی میں پابندیاں ہوتیں ہیں اور ہونی بھی چاہئیں، ورنہ پتا کیسے چلے گا کہ ہم نے کب اور کہاں اپنی حد پار کردی ہے، لیکن بے جا پابندیاں بھی انسان کی شخصیت کو مسخ کردیتی ہیں۔
س: حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کا اہتمام کرتی ہیں؟
ج: حقوق اللہ میں تو کبھی کبھی کوتاہی ہو ہی جاتی ہے گناہ گار بندے ہیں لیکن حقوق العباد میں کبھی کوتاہی نہیں کرتی میرا دل کرتا ہے کہ تمام غریب امیر ہوجائیں لیکن انسانیت قائم رہے۔
س: اپنی شخصیت کو کس طرح بیان کریں گی آپ میں کیا خوبیاں خامیاں ہیں؟
ج: میرے لیے یہ سوال زندگی کا مشکل ترین سوال مجھے اپنی اٹھارہ سال کی زندگی میں آج تک اپنی شخصیت مکمل طور پر سمجھ نہیں آئی۔ اگر کوئی مجھے ڈانٹ دے تو مجھے رونا آجاتا ہے۔ جو دل میں ہوتا ہے وہی زبان پر بھی ہوتا ہے۔ منافقت سے سخت نفرت ہے سب سے بڑی خامی ہر ایک پر اعتبار کرلیتی ہوں بولتی بہت زیادہ ہوں جو عادت مجھے بھی بہت بری لگتی ہے۔
س: غم اور خوشی میں آپ کا کیا ردعمل ہوتا ہے؟
ج: نہ جانے کیوں مجھے اکثر غم کے موقع پر صبر سا آجاتا ہے اور دل بار بار یہی کہتا ہے کہ اللہ جو کرتا ہے ہماری بہتری کے لیے کرتا ہے۔ میں سنگ دل بالکل نہیں ہوں، میں تو ایموشنل سین دیکھ کر رو پڑتی ہوں۔ خوشی کے موقع پر آنسو خود بخود چھلک جاتے ہیں اور رونے لگ جاتی ہوں۔ یہ سوچ کر کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس خوشی کے قابل سمجھا اور مجھے یہ خوشی عطا کی۔
س: کن باتوں سے خوف آتا ہے؟
ج: اللہ کے عذاب سے بہت خوف آتا ہے اور اپنے کہیں بچھڑ نہ جائیں اس پر بہت خوف آتا ہے۔
س: کس مقام پر پہنچنا چاہتی ہیں؟
ج: یہ تو تقدیر پر منحصر ہے کہ وہ مجھے کہاں لے جاتی ہے، کیونکہ میرا بھروسہ تقدیر پر ہے۔
س: گھر میں فیصلے کون کرتا ہے؟
ج: گھر میں فیصلہ امی ابو ہی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کا سایہ ہم پر سلامت رکھے آمین۔
س: آپ اپنے آج کو گزشتہ کل سے بہتر بنانے کے لیے کیا کرتی ہیں۔
ج: میں اپنے آج کو بہتر بنانے کے لیے گزشتہ کل میں کی گئی غلطیاں درست کرنے کی کوشش کرتی ہوں کیونکہ

کوشش کرنے کا صلہ ضرور ملتا ہے۔

س: اپنی کامیابیوں اور ناکامیوں سے کیا سیکھا؟

ج: اپنی کامیابی سے سکھایا نہیں یہ پتا نہیں ہاں یہ ضرور سوچتی ہوں کہ اللہ کو یقیناً میری کوئی بات پسند آئی ہوگی جو یہ کامیابی ملی اور ناکامی جب تک نہ ملے تو کامیابی کی قدر کیسے ہوگی ناکامی سے گھبرا کر بیٹھ جانا بہتر نہیں بلکہ اپنی ناکامی کو کامیابی کی سیڑھی بناؤ۔

س: خود پر کتنی توجہ دیتی ہیں؟

ج: لوجی یہ کیا پوچھلیا مجھ ہی سے اس معاملے میں بالکل اناڑی ہو، اسی بات سے اندازہ لگالو کہ کہیں جانا ہو تو میں بھائیوں سے بھی پہلے تیار ہوجاتی ہوں کیونکہ مجھے بن سنور کے رہنے میں الجھن ہوتی ہے۔ مست ملنگ رہنے میں ایزی فیل ہوتا ہے۔

س: ملکی حالات سے باخبر رہنے کے لیے کون سا ذرائع استعمال کرتی ہیں؟

ج: ملکی حالات جاننے کے لیے نیوز پیپر از دی بیسٹ۔

س: ایسی کون سی ایجاد ہے جس کے بغیر زندگی ادھوری ہے؟

ج: میری زندگی ایجادات پر منحصر نہیں ہے ہر چیز کے بغیر جی سکتی ہوں، لیکن مجھے آنچل اور شاعری کے بنا زندگی ادھوری لگتی ہے۔

س: مہمانوں کی خاطر تواضع میں مصروف ہوں ایسے میں چوہلیا کاکروچ آجائے تو؟

ج: کاکروچ تو مار لوگی لیکن چاہا آجائے تو رونے لگ جاؤں گی، کیونکہ مجھے تو پلاسٹک کے سانپ، اور بچھو وغیرہ سے بھی بہت ڈر لگتا ہے۔ ایک بار ہوا یہ کہ میں آٹھویں میں پڑھتی تھی میں باہر پانی پینے گئی تو میری فرینڈ علینہ نے میرے بیگ میں نقلی سانپ رکھ دیا، میں واپس آئی اور بک نکالنے لگی تو وہ میرے ہاتھ میں آ گیا اور زور زور سے رونے لگی ہماری کلاس میں بوائز بھی تھے سب ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہوگئے جب میں مسلسل روتی رہی تو دوستوں نے چپ کروایا اور معافی مانگی آج بھی یہ واقعہ یاد آتا ہے تو ہنسی آتی ہے۔

س: مہمانوں کے جانے کے بعد کوئی تبصرہ کرتی ہیں؟

ج: جی بالکل نہیں خوشی ہوتی ہے کہ اللہ میاں آج خوش تھے ہم سے اسی لیے مہمان بھیج دیے۔

س: باتونی لوگوں سے کس طرح جان چھڑاتی ہیں؟

ج: باتونی لوگوں کے ساتھ باتونی بن کے جان چھڑاتی ہوں ہاہاہا، باتونی تو میں بہت ہوں لیکن فون پر بات کرتے ہوئے کنفیوز ہوجاتی ہوں۔

س: وطن کے لیے کیا سوچتی ہیں؟

ج: وطن کے لیے سوچتی تو بہت ہوں، کبھی کبھی لگتا ہے کہ ہمارا ملک آزاد تو ہے لیکن اس میں رہنے والے لوگ اب بھی غلامی کی زندگی جی رہے ہیں، ہمارے حکمران رشوت خور بن گئے ہیں آنکھوں سے خواب چھیننے والے پورے کرنے والے نہیں، میرا بس چلے تو کشمیر کو آزاد کروا دوں اور تمام غریب لوگوں کی غربت کے اندھیرے ختم کردوں اور ایک نئی صبح ہو جس کا سورج ہر اندھیرا مٹاتا جائے۔ آئی لو یو مائی پاکستان۔

س: زندگی کا خوب صورت لمحہ یا کوئی ایسا لمحہ جس کی منتظر ہیں؟

ج: زندگی کا خوب صورت ترین لمحہ وہ تھا جب مجھے کانٹا لگا تو میرے ساتھ میرے بڑے بھائی بھی رونے لگ گئے تھے۔ تب مجھے احساس ہوا جو بظاہر مجھ سے لڑتے ہیں وہ مجھ سے کتنی محبت کرتے ہیں۔ منتظر تو ان لمحوں کی جب میں اور میری پوری فیملی اللہ تعالیٰ کے گھر کے سامنے ہوں گے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کی زیارت نصیب ہوگی کربلا اور شام جائیں گے اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اپنے اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کی زیارت نصیب فرمائے آمین۔

تمہارے ساتھ چلنے کی اجازت چھن گئی جب سے
کوئی بھی ساتھ چلتا ہے تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں



قسط نمبر 40

اقرأ صغیر احمد

شکستہ خواب و شکستہ پا ہوں مجھے دعاؤں میں یاد رکھنا
میں آخری جنگ لڑ رہا ہوں مجھے دعاؤں میں یاد رکھنا
ہوائیں پیغام دے گئی ہیں مجھ کو دریا بلا رہا ہے
میں بات ساری سمجھ گیا ہوں مجھے دعاؤں میں یاد رکھنا

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

نوفل آفس میں شعوانہ بیگم سے ملنے کے بعد عجیب مشکل سے دوچار ہوجاتا ہے۔ ایک غصہ اور جنوں کی کیفیت میں مبتلا وہ کافی دیر سڑکوں پر گاڑی گھمانے کے بعد گھر لوٹتا ہے تو بھی اس کا دل اضطراب کا شکار رہتا ہے اس کی بکھری حالت زرقا بیگم کو تشویش میں مبتلا کردیتی ہے۔ انشراح بھی اس کی حالت دیکھ کر گھبرا جاتی ہے ایسے میں زرقا بیگم اسے سنبھالنے کی کوشش کرتی ہیں اور اسے اصرار کرکے دوا کھلا دیتی ہیں۔ شعوانہ کے اچانک آفس آنے پر وہ بھی ششدر ہوجاتی ہیں کہ اب یہ عورت ان کی زندگی میں کیا طوفان لانا چاہتی ہے۔ عمرانہ کو مدثر کے ہمراہ صالحہ کو دیکھ کر شدید نقصان کا احساس ہوتا ہے کہ وہ آج تہی دامن کھڑی ہیں جبکہ مدثر تو اپنی زندگی میں بے حد مگن اور مسرور نظر آتے ہیں۔ اپنی اس کیفیت کو وہ سب سے چھپانا چاہتی ہیں لیکن زیدان کے گریز کو سمجھ جاتا ہے۔ ایسے میں وہ زید کے سامنے سودہ کے خلاف خوب زہر اگلتی ہیں لیکن وہ خاموشی سے انہیں دل کا بوجھ ہلکا کرنے دیتا ہے لیکن اندر ہی اندر ماں کا رویہ اور بدگمانیاں اسے کسی طوفان کا پیش خیمہ لگتی ہیں۔ شاہ زیب اپنا رشتہ طے ہوجانے پر بے حد مسرور نظر آتا ہے۔ عمرانہ اور رضوانہ بیگم کے تعلقات بھی پھر سے بحال ہوجاتے ہیں اور عروہ بھی اپنے دل کو زید کی یادوں سے آزاد کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ نوفل طبیعت سنبھل جانے پر آفس آتا ہے تو شعوانہ کے شوہر فیضان کو آفس میں دیکھ کر مزید پریشان ہوجاتا ہے۔ ہارٹ اٹیک کے بعد شعوانہ کو اپنی زندگی کا بھروسا نہیں رہتا جب ہی وہ جلد از جلد نوفل سے ملنے کی کوشش جاری رکھتی ہیں۔ فیضان شعوانہ کے سابقہ رویے کی معافی مانگتے نوفل کو عکرمہ کا حوالہ دیتا ہے لیکن نوفل اتنی جلدی معاف کردینے کی صفت اپنے اندر نہیں رکھتا اس کا بیزار رویہ فیضان کو واپس لوٹ جانے پر مجبور کردیتا ہے لیکن شعوانہ پھر بھی ہار ماننے پر آمادہ نظر نہیں آتی اور ایک دن اچانک زرقا بیگم سے ملنے کے لیے پہنچ جاتی ہیں۔ زرقا بیگم شعوانہ کو روبرو دیکھ کر حیرت سے گنگ رہ جاتی ہیں۔

(اب آگے پڑھیے)



انشراح اپنی دھن میں وہاں آتی ہے اور وہاں ماما کے ساتھ ایک بے حد حسین عورت کو دیکھ کر چونک کر رک جاتی ہے۔ اس عورت کو زار وقطار روتے ہوئے دیکھ کر وہ الجھن کا شکار ہوتی ہوئی بولی۔

''آئم سوری...... مجھے معلوم نہیں تھا یہاں گیسٹ موجود ہیں۔''

''کوئی بات نہیں بیٹا۔'' ماما کے ساتھ ساتھ انہوں نے بھی سکون کا سانس لیا وگرنہ وہ سمجھ رہی تھیں کہ نوفل آ گیا ہے اور اس کا آنا گویا قیامت کا آنا ثابت ہوتا۔ شعوانہ آنسو صاف کرنے لگیں۔

''میں جا رہی ہوں نانی کو کال کرنی ہے۔'' انشراح کو ان کے درمیان بیٹھنا نامناسب محسوس ہوا تو وہ بہانے سے کہتی ہوئی وہاں سے نکل گئی۔

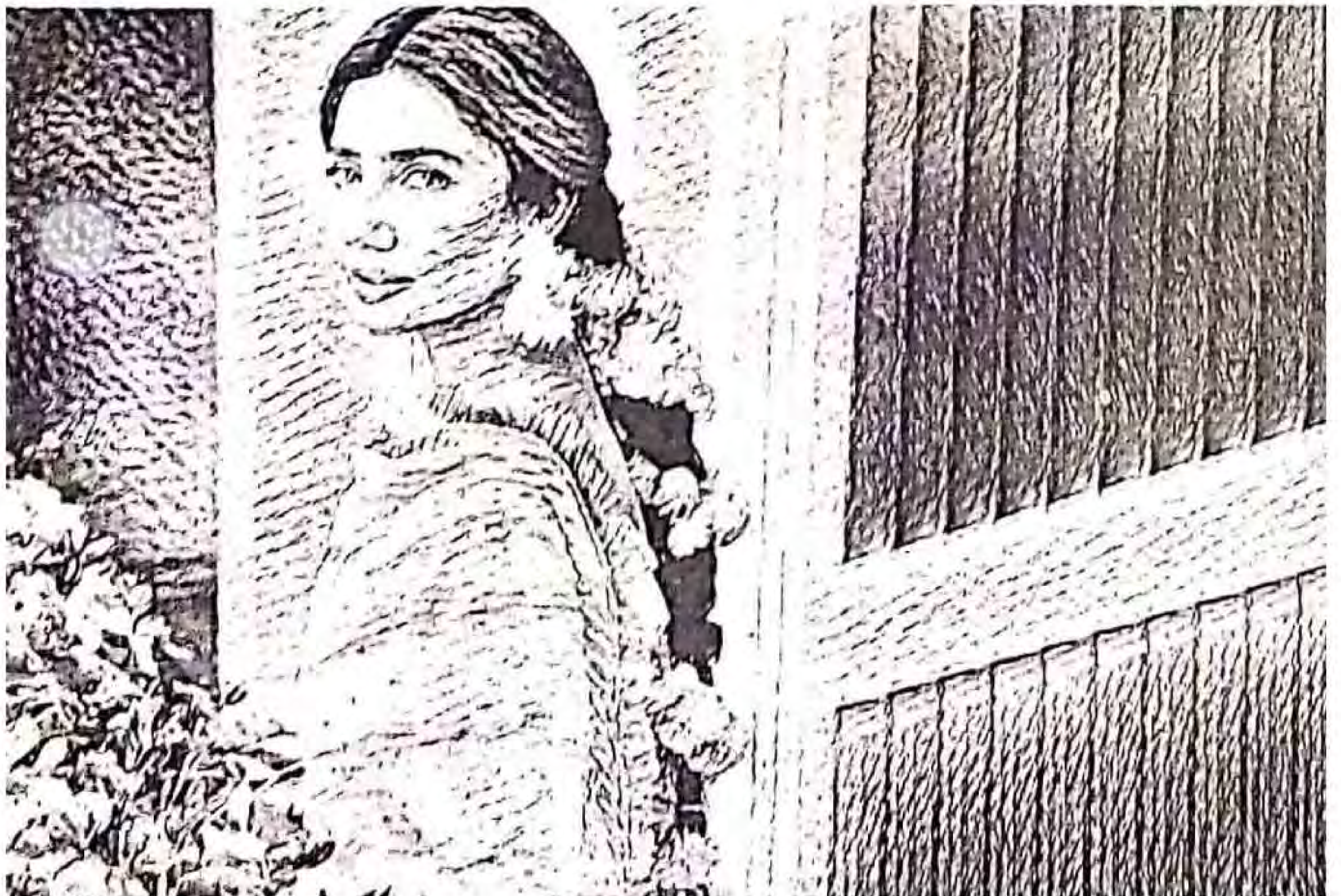
''یہ بچی کون ہے؟'' انہوں نے استفسار کیا۔

''میری رشتہ دار ہے۔'' سمجھ نہیں آیا اس کا تعارف کس طرح کرائیں۔

''آپ کی رشتہ دار ہے اور حیران کن طور پر اس کی مشابہت اس خاندان کے لوگوں سے کتنی ملتی ہے۔ میں سمجھی حمرہ کی بیٹی ہے یوسف بھائی سے ملتے جلتے خدوخال ہیں قدرے مشابہت ہے ان میں۔'' وہ خاصی حیران تھیں۔

''ہوں...... کبھی کبھی ایسا ہوتا بھی ہے دراصل یوسف سے رشتہ میری فیملی کا بہت قریبی ہے سو اثر آ ہی جاتا ہے رشتوں میں۔'' جھوٹ بولنا ان کی مجبوری تھی جو بے حد مشکل لگ رہا تھا۔

''بھابی آپ سے میری التجا ہے پلیز...... آپ ہی نوفل کو راضی کر سکتی ہیں وہ آپ کی بات کبھی نہیں ٹالیں گے ان سے کہیں مجھے معاف کر دیں میں بہت بے سکون ہوں۔ عکرمہ سے میں بدنصیب معافی نہ مانگ سکی۔ مجھے احساس ہوا تو وقت گزر چکا تھا لیکن ایک عرصہ بیت گیا مجھے پُرسکون نیند سوئے ہوئے۔ شکم سیری بھی میری ختم ہو گئی ہر شے مجھ سے روٹھ گئی ہے۔'' ان کی آواز پھر بھرانے لگی تھی۔



"عکرمہ کو چھوڑ کر جانے کے بعد مجھے محسوس ہوا شوہر بیوی کی ڈھال ہوتا ہے بلاشبہ میرے شب و روز لاپروائی و لاعلمی میں گزر رہے تھے مجھے ان باپ بیٹے کی پروا نہیں تھی مگر پھر بھی نکاح میں ہونے کی وجہ سے وہ میرا سائبان تھے۔ ان سے طلاق لینے کے بعد تو میں کسی کٹی پتنگ کی مانند ہوگئی تھی۔ کچھ سال اسی خمار میں گزرے اور جب خمار اترنے لگا تو معلوم ہوا میں کب تک اس طرح در بدر بھٹکتی رہوں گی پھر سوچا کہ اب بس میں کسی ایک کی ہو کر رہوں گی۔" وہ بولتے ہوئے چند ثانیے رکیں۔

"بس..... اس فیصلے نے میری اوقات مجھے سمجھادی۔ وہ مرد جو میرے حسن کی تعریفیں کرتے نہ تھکتے تھے میری اس خواہش پر اس طرح مجھ سے بدک کر بھاگنے لگے گویا مجھے کوئی موذی مرض لاحق ہوگیا ہو۔ کوئی بھی مجھ سے شادی کرنے پر آمادہ نہ تھا' الٹا مجھے طعنوں و گالیوں سے نواز رہے تھے۔ سب کی زبان ایک سے بڑھ کر ایک تھی۔ تب مجھے احساس ہوا کل میں چراغِ خانہ تھی تو کسی کی ہمت نہ تھی ایک لفظ کہنے کی آج شمعِ محفل بن کر میں نے اپنے گھر کو ہی آگ لگادی ہے۔ کتنے عرصے اس سوگ و صدمے میں رہی تھی۔ عکرمہ کی موت کا بہت سال قبل مجھے علم ہوچکا تھا مگر ان دنوں میں ایلیس کے کہے پر چل رہی تھی اور کوئی ملال بھی نہ ہوا تھا اور جب زمین پر قدم پڑے تو معلوم ہوا وہ زمین میرے لیے دلدل بن کر رہ گئی ہے۔"



عمرانہ نے جان بوجھ کر ان کی گفتگو سنی تھی' لمحے بھر کو ان کا ضمیر بیدار ہوا کہ وہ اتنی اچھی لڑکی کے ساتھ زیادتی کر رہی ہیں۔ کوئی دوسری لڑکی اس کی جگہ ہوتی تو خوب زید کے کان بھرتی اور ان ماں بیٹے کے درمیان فساد ڈلوانے کی سعی کرتی جبکہ وہ تو ان کی حمایت لے رہی تھی مگر دل میں جو سودہ کے خلاف ازلی بیر تھا وہ اس کی اچھائی پر بازی لے گیا اور وہ یہ سوچ کر کھولنے لگیں کہ زید نے سودہ کی محبت میں کس طرح ماں کا رویہ محسوس کیا اور نہ صرف محسوس کیا بلکہ سودہ کے سامنے بھی تفکر کا اظہار کردیا تھا اور زید نے ایسا کر کے ان کی توہین کی تھی۔ وہ سوچتی ہوئی وہاں سے مائدہ کے کمرے میں آگئیں۔ وہ ماں کا بگڑا مزاج دیکھ کر ان کے قریب بیٹھتی ہوئی بولی۔

"کیا ہوا مما موڈ آف لگ رہا ہے؟"

"میں بالکل خلاف تھی سودہ اور زید کی شادی کے تم نے زبردستی مجھے بلیک میل کر کے ان کی شادی کرائی۔ اب دیکھ لو میرا بیٹا میرے ہاتھوں سے نکل گیا ہے' اسی دن کا ڈر تھا مجھے۔" وہ سخت غصے میں اس سے مخاطب ہوئیں۔

"بھائی ایسا نہیں کرسکتے..... کیا ہوا ہے بتائیں تو سہی؟" وہ ان کا ہاتھ تھام کر نرمی سے استفسار کرنے لگی تو وہ اس کو پوری بات بتاتی چلی گئیں اور وہ چپ کی چپ رہ گئی۔

"اب جواب دو مجھے' تمہیں سانپ کیوں سونگھ گیا ہے۔ یہی دن دیکھنے کے لیے بھائی کی شادی اس فتنی سے کرائی تھی کہ وہ ماں کے سامنے اٹھ کھڑا ہو آج یہ بات ہوئی ہے کل کو دیکھنا کیا کیا ہوتا ہے یہاں۔" عمرانہ نے تلخی سے کہا۔

"مرے مما بھائی نے ایسی کوئی بات نہیں کی آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ اول بھائی کبھی بھی آپ کے خلاف کوئی بات نہیں کرسکتے اور بھابی کو میں اچھی طرح جانتی ہوں وہ آپ کی بہت عزت کرتی ہیں۔" مائدہ نے انہیں قائل کرنے کی کوشش کی جو کہ بیکار ثابت ہوئی۔

"او ہو بھئی کل تک سودہ، سودہ کرتی تھیں آج بھابی، بھابی کرتے تمہاری زبان نہیں تھکتی۔ وہ وقت بھول گئی جب تم اس کی صورت سے بھی نفرت کرنے لگی تھیں۔" وہ منہ بنا کر بولیں۔

"افسوس کرتی ہوں اس وقت پر جب بھابی سے نفرت کرنے لگی تھی' نہ جانے کس طرح سے میں عروہ اور عفرا کی باتوں

میں آ گئی تھی ورنہ سودہ کل میری بہترین دوست وکزن تھی اور آج بے مثال بھابی ہیں۔" اس کے لہجے میں ستائش ومحبت تھی۔وہ چڑ کر گویا ہوئیں۔

"ہونہہ...... جادوگرنی ماں کی جادوگرنی بیٹی ہے وہ۔زید کے ساتھ ساتھ اس نے تمہیں بھی اپنے جادو کی لپیٹ میں لے لیا ہے۔"

"مگر اس ان جادو آتا تو وہ سب سے پہلے آپ پر جادو کرتیں آپ کو جادو کی لپیٹ میں لیتیں، یہ صرف آپ کا وہم ہے مما اور کچھ نہیں۔"

"میں بھی بے وقوف کس سے سر پھوڑ رہی ہوں تم تو ہو ہی ان کی چمچی۔تمہیں صرف ان کی حمایت لینی آتی ہے اور کچھ نہیں۔"

"مما پلیز...... جو کچھ آپ سوچتی ہیں وہ سب غلط ہے۔آپ اپنی سوچ بدل کیوں نہیں لیتیں۔وقت کے ساتھ ساتھ سب میں تبدیلی آ جاتی ہے۔اپنے گھر کی خوشیوں کے لیے خود کو بدلنا پڑتا ہے مما۔" مائدہ نے نرمی سے ان کو سمجھانے کی کوشش کی تھی۔



زرقا بیگم بار بار مضطرب انداز میں گھڑی کی جانب دیکھ رہی تھیں۔ان کو خدشہ تھا کہ کسی بھی پل نوفل آ جائے گا اور ایک لمحہ بھی شعوانہ کی موجودگی کو یہاں برداشت نہیں کرے گا کہ اس کی نفرت اس عورت کے لیے بے پناہ تھی۔جبکہ وہ ایک تسلسل سے اپنی داستان حیات سنائے جا رہی تھیں اور زرقا بیگم مجبوراً سب سن رہی تھیں۔

"اس دلدل سے میں جتنی جلدی نکلنے کی سعی کرتی اتنی ہی تیزی سے وہ زمین مجھے اپنے اندر کھینچتی رہی تھی۔جن کو میں نے اپنا سمجھا تھا وہ غیروں سے بڑھ کر غیر ثابت ہوئے تھے۔رفتہ رفتہ مجھے معلوم ہوتا رہا کہ میں نے کیا کھویا اور کیا پایا۔عزت کھو کر ذلت پائی تھی میں نے تو پھر عکرمہ کی محبت وچاہت کی قدر آئی تھی۔مجھے معلوم ہوا تھا محبت اس نے کی تھی میری ہر زیادتی اور بے راہ روی کو وہ معاف کرتا رہا تھا اور میں اس کو کمزور مرد سمجھتی رہی تھی اور جلد ہی مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ وہ دنیا کا طاقت ور ترین مرد تھا۔کتنی مردانگی،صبر وحوصلہ،استقامت سے وہ مجھے برداشت کرتا رہا تھا کوئی دوسرا مرد ہوتا تو وہ پہلے دن ہی مجھے گھر سے باہر نکال دیتا۔میرے چہرے پر کالک مل کر دنیا میں رسوا کر دیتا مگر......" عکرمہ کو یاد کرتے ہوئے وہ ایک بار پھر سسکنے لگیں۔

"یہ اس کی محبت ہی تو تھی جو تم نے اس کے اعتماد کو پارہ پارہ کر دیا تھا اور اب سب کھو کر ہوش آیا بھی تو کس کام کا۔" زرقا بیگم کی نگاہوں میں بھی دکھ کی نمی اتر آئی تھی۔

"بس بھابی کچھ قسمت میں بھی برائی ہوتی ہے، کچھ طرز عمل کی بھی مار پڑتی ہے۔میں نے عکرمہ کو چھوڑا، نوفل کو بیٹا نہیں سمجھا پھر میرے پاس کچھ بھی نہ رہا حتیٰ کہ میرے بھائی اور بھاوج نے مجھ سے قطع تعلق کر لیا۔سنا ہے ساریہ کی شادی کر کے گھر داماد بنا لیا ہے اور آسٹریلیا شفٹ ہو گئے ہیں یہاں سے۔ہمیشہ کے لیے جاتے ہوئے بھی انہوں نے مجھے اس قابل نہ سمجھا کہ ایک بار میرے سر پر ہاتھ رکھ کر مجھے معاف کر دیتے۔میرا کوئی بھی نہیں ہے،میں بالکل تنہا رہ گئی ہوں۔فیضان خان میرے والد کے دوست ہیں، ایک بار ان سے ملاقات ہوئی تھی تو انہوں نے میری تنہائی کا سبب پوچھا پھر میں نے پوری سچائی کے ساتھ ان کو اپنی کہانی سنا دی تھی۔جس کو سن کر انہوں نے مجھے شادی کی آفر کی تھی اولاد ان کی تھی نہیں، ان کی بیوی کئی سال قبل دنیا چھوڑ چکی تھی ان کو سہارے کی ضرورت تھی اور مجھے بھی پھر ان کے پاس دولت وآسائش موجود تھی اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ مجھے میری خامیوں سمیت قبول کرنے کو تیار تھے لیکن سچ بتاؤں کہ مجھے خود مردوں سے

چڑ ہوگئی تھی مگر اس دنیا میں عورت کا سہارا صرف مرد ہی بن سکتا ہے۔ یہی سوچ کر میں نے فیضان کی عمر رسیدگی کی پروانہ کرتے ہوئے ان کا ہاتھ تھام لیا تھا۔" وہ گہرا سانس لے کر چپ ہوگئیں۔

"درست فیصلہ کیا تھا تم نے' تنہا عورت کے لیے یہ معاشرہ گدھ ثابت ہوتا ہے اب تمہیں وہاں خوش رہنا چاہیے۔" انہوں نے صدق دل سے کہا۔

"یہ میرے اختیار میں نہیں ہے' میرا دل نوفل کو پکارتا ہے' میری بیدار ممتا کو نوفل کی ضرورت ہے' میرے اندر کی ماں تڑپ رہی ہے اور یہ تڑپ اس وقت تک برقرار رہے گی جب تک وہ میرے سینے سے نہیں لگتے۔"

"دعا کرو شعوانہ اللہ نوفل کے دل میں بھی ایسی ہی محبت پیدا کردے۔" ان کا موم سا دل پگھلنے لگا تھا۔

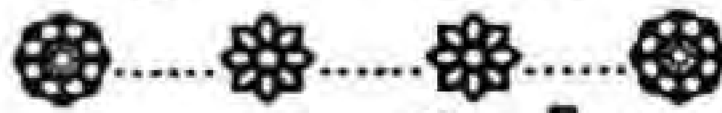
"اللہ کے بعد آپ ہی میرا سہارا ہیں بھابی۔ میں جانتی ہوں وہ آپ کی بات کبھی نہیں ٹالتے۔ ماں سے بڑھ کر آپ کی عزت کرتے ہیں۔" وہ کسی بھکارن کی مانند دامن پھیلائے ان سے بھیک مانگ رہی تھیں اور زرقا بیگم کو سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کریں۔

"آپ کی خاموشی سے بھابی میں کیا اخذ کروں؟ کیا آپ میری ہیلپ نہیں کریں گی' کیا میں یونہی تڑپتی ہوئی واپس چلی جاؤں گی؟" ان کے جھکے ہوئے سر اور خاموشی کو دیکھ کر وہ پُرسوز لہجے میں بولیں۔

"مجھے سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں کس طرح نوفل کو تمہاری طرف راغب کروں۔ تم سے مل کر جو ان کی حالت ہوئی تھی وہ میں بھول نہیں سکی ہوں اب تک۔"

"آپ ان کو اپنی محبت کا واسطہ دیں۔"

"محبت کو امتحان کس طرح بناؤں' وہ مجھ سے بھی بدگمان ہوجائیں گے اور میں ڈرتی ہوں کہیں یہ بدگمانی ان کو غلط راہ پر نہ لے جائے۔" بلآخر دل کا ڈر وہ زبان پر لے آئیں تو چند لمحے ان کے درمیان خاموشی محیط ہوگئی تھی۔ شعوانہ کو احساس ہوا وہ ٹھیک کہہ رہی ہیں ان سے بدظنی نوفل کے لیے زہر قاتل نہ ثابت ہو یہ سوچ کر وہ دل پر جبر کرکے اٹھ گئی تھیں۔



جنید کی مما سخت مزاج اور سرد مہر مزاج کی مالک تھیں۔ کئی ماہ بعد جنید کے ڈیڈی کے ہمراہ بزنس ٹور سے واپس آئیں تو اس کی دادی کے ساتھ کچھ گفٹس لے کر اپنی بہو سے ملنے چلی آئی تھیں۔ نازک و خوب صورت مائدہ ان کو پسند تو بہت آئی تھی مگر وہ تعریف سے زیادہ تنقید کو پسند کرتی تھیں سو مائدہ کے سیاہ فراک سوٹ کو ناپسندیدگی سے دیکھتی ہوئیں منہ بنا کر گویا ہوئیں۔

"توبہ...... اس خوشی کے موقع پر بھی یہ ماتمی رنگ کوئی پہنتا ہے بھلا آپ سب ماشاءاللہ سلجھی ہوئی سمجھدار خواتین ہیں آپ میں سے کسی نے بھی نہیں سمجھایا کہ خوشی کے موقعہ پر سیاہ رنگ نہیں پہنتے۔" وہ وہاں موجود عمرانہ، زمرد، صوفیہ اور بوا سے مخاطب ہوئیں۔

"نہیں ایسی بات نہیں ہے ہم نے خیال نہیں کیا۔ ہم ایسی توہم پرستی میں نہیں پڑتے پھر یہ کلر مائدہ کے فیورٹ کلرز میں شامل ہے۔" صوفیہ نے بلاتمہید سیدھی و کھری بات کی۔

"توہم پرستی کی نہیں یہ سینس کی بات ہے۔ جو ہر کسی میں نہیں ہوتا۔" عمرانہ کی نگاہیں ان کے بھاری بھرکم دمغرور وجود کا جائزہ لے رہی تھیں جو تکبرانہ تنقیدی انداز میں گفتگو کرنے کی عادی لگ رہی تھیں۔

"آپ کوکنگ کرلیتی ہیں؟" وہ مائدہ سے مخاطب ہوئیں۔

"بہوؤں کو کوکنگ کرنا لازمی آنا چاہیے۔ ملازمین کے ہاتھوں کے کھانوں میں کوئی ٹیسٹ ہی نہیں ہوتا اور مجھے تو الرجی

ہوتی ہے ملازموں کے ہاتھوں کے پکے کھانوں سے۔" وہ آہستہ آہستہ مشروب کے سپ لیتی ہوئی کہہ رہی تھیں۔ مائدہ نے گھبرا کر ماں کی طرف دیکھا کہ وہ تو چائے تک تیار کرنا نہیں جانتی تھی کیونکہ عمرانہ کو اس کا کام کرنا ناپسند تھا۔

"چلیں اچھا ہوا آپ نے بتادیا اب ہم اپنی مائدہ کو کچن کے ہر کام میں طاق کردیں گے آپ کو کوئی شکایت نہیں ہوگی۔"

"آپ کا مطلب ہے مائدہ کو کوکنگ کرنی نہیں آتی؟" وہ تنقیدی لہجے میں کہتی ہوئی صوفیہ کے بعد مائدہ کو دیکھنے لگیں۔

"ہمیں کبھی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی مائدہ سے کوکنگ کرانے کی۔"

"اچھا پھر تو آپ کی بیٹی کو بھی کوکنگ نہیں آتی ہوگی۔"

"سودہ بٹیا تو ہر کھانا پکانے میں ماہر ہیں۔ پاکستانی بھی اور غیر ملکی بھی اور کھانا بھی ایسا پکاتی ہیں کہ کھانے والا انگلیاں چاٹتا رہ جاتا ہے۔" صوفیہ کے بولنے سے قبل ہی بوا بول اٹھیں۔

"ہوں...... یہ تو دیکھنے سے ہی سگھڑ اور سلیقہ مند لگ رہی ہیں۔" ان کو پہلی نگاہ میں ہی سودہ بے حد پسند آئی تھی۔ سودہ کو اندر آتے ہوئے وہ پسندیدہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔

"بہو کے معاملے میں آپ کا انتخاب بہت لاجواب ہے مسز مدثر۔" عمرانہ بول کچھ نہ سکیں صرف جبراً مسکرا کر رہ گئیں۔ پہلی بار ان کو معلوم ہوا تھا کہ بیٹی کی ساس سے مسکرا کر بکواس سننا کتنا مشکل کام ہوتا ہے۔

"کھانا لگ گیا ہے ممانی جان۔" وہ زمرد بیگم سے گویا ہوئی اور زمرد بیگم کی ہمراہی میں وہ سب کھانے کے کمرے کی جانب بڑھ گئی تھیں۔ معاً جنید کی دادی قصداً پیچھے رک کر عمرانہ سے ان کا ہاتھ پکڑ کر گویا ہوئی۔

"میری بہو کی باتیں دل پر مت لینا یہ ایسی ہی باتیں کرتی ہے مگر دل کی بہت اچھی ہے۔ پہلی ملاقات ہے ناں ملتی رہے گی تو پھر اس کی اچھائیوں کا آپ کو معلوم ہوگا کہ منزہ کتنی سوئٹ نیچر کی ہے۔" وہ کہہ کر آگے بڑھ گئیں اور عمرانہ گہرا سانس لے کر ان کے پیچھے چل دی تھیں کہ اصل میں تو ان کا اس نک چڑھی وگھمنڈی عورت کی شکل پر تھوکنے کو بھی دل نہ چاہ رہا تھا۔

کھانے کے دوران بھی ان کی زبان کتر کتر چلتی رہی اور عمرانہ کی نگاہیں بار بار مائدہ کے چہرے پر اٹھ رہی تھیں جہاں سراسیمگی، خجالت وگھبراہٹ کے سوائے کوئی اور تاثر نہیں ابھر رہا تھا۔ کھانے کے بعد وہ اوپر چلی آئی تھیں اور ایک ایک جگہ کا بڑا باریک بینی سے جائزہ لیتی رہی تھیں۔ دادی نیچے ہی رہ گئی تھیں اور ان کے ساتھ آنے کی وجہ ان کو اب سمجھ میں آئی تھی جب انہوں نے کافی پیتے ہوئے سرسراتے لہجے میں کہا۔

"سنا ہے مدثر صاحب نے دوسری شادی کی ہوئی ہے اور ان کی رہائش بھی دوسری بیوی اور بیٹے کے ہمراہ ہے۔ وہ آپ کے پاس قیام پزیر بھی نہیں ہیں تو ان کی دوسری شادی کرنے کی کیا وجہ ہے؟" سوال نہیں تھا ایک ہتھوڑا تھا جو ان کے سر پر لگا تھا۔ وہ چند ثانیے تو گم صم ہوکر رہ گئیں۔ ان کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ وہ اس طرح کی منہ پھٹ و پُراعتماد عورت ہوں گی۔

"مائنڈ مت کیجیے گا مسز مدثر...... ایکچوئلی جنید میری اکلوتی اولاد ہے اور اب ہماری نسل جنید سے ہی آگے بڑھے گی ہماری غیر موجودگی میں مماجان نے یہ پرپوزل آپ لوگوں کو دیا تھا۔"

"کیا آپ یہاں رشتہ کرکے خوش نہیں ہیں؟" وہ بات قطع کرکے بولیں۔

"ارے ایسی بات نہیں ہے جنید کی خوشی ہماری خوشی ہے دراصل میں جانتی ہوں بیٹی ماں کے نقش قدم پر ہی چلتی ہے

مائدہ بھی آپ کو ہی آئیڈلائز کرتی ہوں گی آپ نے ایسی کیا غلطی کی ہے جو سوکن آ گئی آپ پر۔ مرد اگر کسی دوسری عورت کی طرف راغب ہوتا ہے تو اس میں بیوی کی ہی کوئی کمزوری ہوتی ہے۔'' عمرانہ کے منہ میں بھرا کافی کا گھونٹ زہر جیسا بن گیا تھا۔ منزہ بیگم کی باتیں کسی تیز دھار تلوار کی مانند ان کو کاٹ رہی تھیں اور اس سوال نے تو ان کو گنگ کر دیا تھا۔

''چلیں پھر نیکسٹ ٹائم آپ سے باتیں ہوں گی فہد کی کال آ رہی ہے شوفر آیا ہوگا۔'' وہ ان کی حالت سے بے خبر اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔



''نانو کی کال تھی ماما...... وہ لوگ آج رات کی فلائٹ سے آ رہی ہیں۔'' انشراح خوشی خوشی وہاں آ کر گویا ہوئی۔

''اچھا پھر آپ چلی جائیں گی بیٹا؟'' وہ مسکراتے ہوئے ایک دم ہی سنجیدہ ہو کر کہنے لگیں تو وہ بھی سنجیدہ ہو گئی۔

''آپ تو خاصی دکھی ہو گئی ہیں ماما۔'' وہ ہکا بکا رہ گئی۔

''اس تھوڑے سے ٹائم میں آپ نے اتنی محبت دی کہ آپ کی جدائی کا خیال ہی مجھے بے کل کیے دے رہا ہے' کس طرح رہوں گی میں؟''

''آپ بھی وہاں مجھ سے ملنے آیئے گا' میں بھی آپ سے ملنے آتی رہوں گی لیکن میں آپ کو مس بے حد کروں گی۔ بہت یاد آئیں گی آپ۔'' ان کی محبت نے انشراح کو بھی اپنا گرویدہ کر لیا تھا۔

''یوسف آ جائیں ایبٹ آباد سے میں پھر آپ کو ہمیشہ کے لیے اس گھر میں لانے کی پلاننگ کرتی ہوں' آپ کے بنا یہ گھر کاٹ کھانے کو دوڑنے لگے گا۔'' ان کا لہجہ ممتا سے بھرپور تھا اور ساتھ ہی شوخ بھی۔ وہ سر جھکا کر رہ گئی تب ہی لاؤنج کے اندرونی حصے سے نکل کر نوفل باہر آیا تھا۔

''ابھی میرا شادی کرنے کا دور دور تک ارادہ نہیں ہے ماما۔ آپ پاپا سے بات مت کیجیے گا وہ بلاوجہ پریشان ہوں گے۔'' اس کے لہجے میں بلا کی سرد مہری و سنجیدگی تھی۔ انشراح نے کنکھیوں سے اسے دیکھا وہ اس کو بالکل نظرانداز کر رہا تھا اور انشراح کو سخت توہین کا احساس ہونے لگا تھا۔

''کیوں بیٹا؟ اس وقت آپ جس ٹینشن کا شکار ہیں۔ ایسے کڑے وقت میں آپ کو انشراح کی بے حد ضرورت ہے جو ہم سفر کے روپ میں آپ کے ساتھ ہو' آپ کی تنہائی مجھے ٹینس کیے رکھتی ہے۔'' وہ آگے بڑھ کر اس سے متفکر انداز میں گویا ہوئیں۔

''سوری...... میں خود کو ابھی اس قابل نہیں پاتا۔ کسی کو سہارا دینے کی ہمت ہے نہ کسی کا سہارا لینا چاہتا ہوں۔'' اس کا انداز حتمی تھا اس لمحے ملازمہ ایک والٹ لے کر وہاں آئی۔

''بیگم صاحبہ آج جو مہمان آئی تھیں وہ یہ بھول گئی ہیں۔'' وہ ایک چھوٹا والٹ تھا جو بڑے پرس کے ساتھ آویزاں ہوتا ہے اور شاید وہ والٹ وہاں گر گیا تھا۔

''ٹھیک ہے جاؤ۔'' وہ والٹ لیتی ہوئیں آہستگی سے گویا ہوئیں اور اس لمحے انشراح نے ان کے چہرے پر واضح طور پر تذبذب دیکھا تھا۔

''کون آیا تھا؟'' وہ سرسری لہجے میں گویا ہوا اور زرقا بیگم سوچ رہی تھیں کہ ایک جھوٹ کی خاطر اور کتنے جھوٹ بولنے ہوں گے۔ شعوانہ اپنی خواہش بیان کر کے جا چکی تھی۔ وقت نے اس کو اپنے دل کی تمام باتیں کرنے کی مہلت دی تھی کیونکہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ نوفل آفس وقت سے کچھ تاخیر سے واپس لوٹا تھا اس نے بتایا تھا کہ وہ کسی وجہ سے لیٹ ہو گیا ہے البتہ وجہ نہ بتائی تھی کہ موڈ بری طرح سے آف تھا۔ چینج کر کے آنے کے بعد وہ وسیع و عریض لاؤنج کے اس حصے میں

لائٹس آف کر کے صوفے پر نیم دراز تھا جس کی خبر انشراح کو نہ تھی۔

"کس سوچ میں گم ہوگئی ہیں خیریت تو ہے ماما؟" وہ ان کو خاموش دیکھ کر اپنی بات دہراتا ہوا بولا۔

"وہ..... ایک پرانی شناسا خاتون تھیں اتفاقاً یہاں آ گئی تھیں۔"

"اچھا..... تم جاکر اپنا سامان ریڈی کرو شوفر تمہیں لے جائے گا۔" نوفل سر جھکائے کھڑی انشراح سے سپاٹ لہجے میں گویا ہوا۔

"آپ اپنا سارا سامان سمیٹ لیں پہلے سامان گھر پر چھوڑ کر پھر ایئر پورٹ جایئے گا بلکہ میں بھی آپ کے ساتھ چلتی ہوں۔"

"آپ کہاں جائیں گی ماما۔ اس کو ہی جانے دیں آپ کی طبیعت پہلے ہی بہتر نہیں ہے لانگ ڈرائیو ہے آپ تھک جائیں گی۔" نوفل کے اجنبی لہجے میں ماں کے لیے اپنائیت ابھر آئی تھی جبکہ انشراح کے لیے وہی بیگانگی تھی۔

"آپ ریڈی ہوں میں دیکھتی ہوں ہمت کروں گی ساتھ جانے کی۔" انشراح ان کی بات سن کر سر ہلاتی ہوئی چلی گئی اور جاتے ہوئے اس کی آنکھوں میں در آنے والی نمی ذنوں سے ہی پوشیدہ نہ تھی۔

"کیا ہوگیا ہے نوفل؟ یہ فعل کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے کہ تم خود تکلیف میں ہوں تو دوسروں کو بھی تکلیف میں مبتلا رکھیں۔" انہوں نے اس کو سرزنش کرنا ضروری سمجھا۔

"جو انسان دیتا ہے وہی پاتا ہے اس نے بھی تکلیفوں اور زحمتوں کے علاوہ کچھ نہیں دیا..... بدلے میں اسے بھی یہی سب ملے گا۔" کسے کوئی شرمندگی وملال نہ تھا۔

"میری خاطر آپ کو اپنا رویہ بدلنا ہوگا جن سے محبت کرتے ہیں ان کو دکھ دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔"

"میں آپ کی خاطر خود کو بدلنے کی سعی ضرور کروں گا آپ پریشان نہ ہوں پہلے مجھے بتائیں اس عورت سے میں کس طرح پیچھا چھڑاؤں۔ آج ایک مرد اس کے حوالے سے میرے پاس آیا تھا کہ اس کو معاف کردوں۔" وہ ان کو ساتھ لیے صوفے پر بیٹھ گیا اور فیضان خان سے ملاقات کی تمام گفتگو دہرائی۔ وہ دم بخود سنتی رہیں۔

"میں کس طرح معاف کردوں اس کو جس کی وجہ سے میری زندگی میں غم ہی غم ہیں۔ بچپن کے بعد لوگ جوانی کی بہاروں کو ساتھ پاتے ہیں اور میں نے بچپن سے ہی بڑھاپے کو قریب پایا ہے۔ خزاؤں نے میرا ساتھ نہیں چھوڑا۔ اس عورت کا کام صرف مانگنا ہے کل ڈیڈی سے طلاق مانگی تھی اور آج مجھ سے معافیاں مانگ رہی ہیں سچ ہے یہ جو لوگ دینا نہیں جانتے وہ صرف مانگتے ہی رہتے ہیں اور مانگتے مانگتے مرجاتے ہیں۔" نوفل کا لہجہ بے حد سفاک تھا زرقا بیگم کا دل اس کی باتیں سن کر لرز اٹھا مگر وہ خاموش بیٹھی رہ گئی تھیں۔



زندگی خاک نہ تھی خاک اڑاتے گزری
تجھ سے کیا کہتے تیرے پاس جو آتے گزری
دن جو گزرا تو کسی یاد کی رو میں گزرا
شام آئی تو کوئی خواب دکھاتی گزری
اچھے وقتوں کی تمنا میں رہی عمر رواں
وقت ایسا تھا کہ بس ناز اٹھاتے گزری
زندگی نام ادھر ہے کسی سرشاری کا

اور ادھر دور سے بس اک آس لگاتے گزری

شعوانہ آنکھیں بند کیے تکیوں سے ٹیک لگائے نیم دراز تھیں۔ زرقا بیگم کے یہاں سے واپسی پر دل بوجھل و بے کل ہوکر رہ گیا تھا۔ اس دہلیز پر قدم رکھتے ہوئے ان کا دل دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ ان کو وہ وقت یاد آ رہا تھا جب وہ دلہن بنی عکرمہ کے سنگ اس دہلیز سے گزری تھیں۔ عکرمہ کے والدین نے صدقے کے طور پر ہر قیمتی سے قیمتی نعمت غریبوں میں تقسیم کی تھیں۔ مہمانوں کا جم غفیر تھا اور ان کے خوشیوں بھرے قہقہوں، روشنیوں سے ہر شے جگمگا رہی تھی۔ عکرمہ کے انگ انگ سے مسرتوں کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں۔ چہرہ چاند کی مانند چمک رہا تھا۔ میرون و گولڈن خوب صورت شیروانی سوٹ اور کلے میں وہ ہم رنگ کھسے پہنے اپنی بھرپور وجاہت کے ساتھ کسی ریاست کے شہزادے لگ رہے تھے۔ وہ بھی سرخ و سنہری زرتار مہنگا غرارہ اور ڈھیروں جیولری میں سجی سنوری دوآتشہ حسن کے ساتھ شہزادی لگ رہی تھیں۔ ان کی شادی و ولیمہ غرض ہر رسم بڑی دھوم دھام سے ہوئی تھی۔ مدتوں لوگوں نے مثالیں دی تھیں ان کا کپل بھی بے حد پسند کیا جاتا تھا۔ ان کی حسین ترین جوڑی دور دور تک مشہور تھی۔ عکرمہ ان کے حسن پر پروانہ وار نثار تھے گھر والے بھی ان کو ہاتھوں ہاتھ لیتے تھے۔ وہ ورلڈ ٹور پر ہنی مون کے لیے گئے تھے۔ وہ اس کے حسن سے بے حد مرعوب تھے۔ اس کے سونے کے بعد بھی وہ ان کو محبت سے تکتے رہتے تھے اتفاقاً ان کی آنکھ کھل جاتی تو وہ کہتیں۔

"اتنا ٹائم ہوگیا آپ سوئے نہیں ابھی تک؟"

"نیند ہی نہیں آئی، شادی کے بعد سے نیند نہیں آتی ہے۔"

"کیوں نیند نہیں آتی ہے؟ یہ بھی کوئی بات ہے بھلا۔"

"جب سے تم میری زندگی میں آئی ہو میں خوف زدہ رہنے لگا ہوں ایک دھڑکا سا لگا رہتا ہے مجھے۔" اس وقت وہ بے حد پریشان تھے وہ اٹھ کر بیٹھ گئی تھیں۔

"کیسا دھڑکا...... کیسا ڈر و خوف ہے آپ کو عکرمہ؟"

"تم مجھے چھوڑ کر تو نہیں جاؤ گی ناں؟" وہ ان کے ہاتھ تھام کر بولے تھے۔

"نامعلوم کیوں میں یہ سوچنے لگا ہوں اگر ایسا کبھی ہوا تو میں مر جاؤں گا تمہارے بغیر جینا موت جیسا ہی ہوگا۔" وہ بے حد جذباتی ہو رہے تھے۔

"رات کے اس پہر کیسی منحوس باتیں کر رہے ہیں آپ۔ میں بھلا کیوں جاؤں گی اور کہاں جاؤں گی۔ حد ہوتی ہے فضول گوئی کی بھی۔ پلیز اب خود بھی سوئیں اور مجھے بھی سونے دیں ورنہ سارا دن میرے سر میں درد رہے گا۔" وہ سر جھٹک کر سو گئی تھیں اور وہ بھی پھر مسکراتے ہوئے ان کا ہاتھ تھام کر سو گئے تھے۔

عکرمہ نے ان سے محبت کی تھی دونوں بھائیوں سے چھوٹا ہونے کے باعث وہ گھر بھر کے لاڈلے و چہیتے تھے۔ ان کے حوالے سے شعوانہ کو بھی ایسی ہی اہمیت و محبت ملی تھی کوئی روک ٹوک نہ تھی ہر طرح آزادی ہی آزادی تھی۔ عکرمہ اپنے دوستوں سے بھی شعوانہ کو ملواتے تھے ان کے دوست تعریفیں کرتے اور وہ پھولے نہ سماتے تھے۔ اس بات سے بے خبر کہ یہ تعریف و ستائش شعوانہ کو خود پسند و خود پرست بنا رہی ہیں۔ اپنے حسن کے زعم میں وہ پہلے ہی مبتلا تھیں پھر ان باتوں نے شعوانہ کا دماغ ساتویں آسمان پر پہنچا دیا تھا۔ شروع شروع میں وہ عکرمہ کے ساتھ دعوتوں میں جاتی پھر رفتہ رفتہ تنہا بھی جانے لگی تھیں۔ عکرمہ کی موجودگی میں احتیاط و اخلاق کو ملحوظ خاطر رکھ کر ملنے والے ان کے دوست و احباب شعوانہ کے چلن کے مطابق ملنے لگے تھے۔

جب کسی عورت کو تعریف کی لت لگ جائے تو وہ اس کی مزید شیدائی ہو جاتی ہے اور اس تعریف کے حصول کو حاصل

کرنے کے لیے کئی دیگر برائیوں میں لگ جاتی ہے اور وہ بھی لگ گئی تھیں۔ ہر عورت شعوانہ نہیں ہوتی نہ ہر مرد عکرمہ ہوتا ہے۔ شعوانہ جیسی عورت ایسی گالی جسے ہر مرد اپنی زبان سے ادا کرنے میں فخر محسوس کرتا ہے۔ اگر عورت اپنے حسن کی داد مانگنے لگے تو وہ شعوانہ بن جاتی ہے اور بیوی پر حد درجہ اعتماد کرنے والے، مرد بے جا آزادی دینے والے مرد عکرمہ کی طرح خالی ہاتھ رہ جاتے ہیں۔

''بیگم صاحبہ..... صاحب آ گئے ہیں کھانا لگا دوں؟'' ملازمہ نے خیالات کے اس تسلسل کو توڑا تو وہ چونک کر سیدھی ہوئیں۔

''صاحب کو کہو یہاں آ جائیں اور تم کھانا یہیں لے آؤ۔'' ملازمہ کے جانے کے بعد فیضان خاصے تھکے ہوئے سے وہاں داخل ہوئے۔

''آج آپ نے واپسی پر خاصی دیر کر دی..... کہاں تھے آپ؟'' ان کے قریب بیٹھنے پر وہ استفسار کرنے لگیں۔

''نوفل سے ملنے اس کے آفس گیا تھا۔'' انہوں نے دھماکہ خیز انکشاف کیا۔



''توبہ..... یہ عورت تھی کہ چلتی پھرتی طنز دلکوار کی دھار تھی۔ ہر ایک کی کھوج، ہر ایک کے لیے تجسس اور تو اور سیاہ رنگ کو ہی طنز کا نشانہ بنا دیا کہ ماتمی کلر ہے۔ خوشی کے موقع پر نہیں زیب تن کیا جاتا' اب ان کو کون بتائے کہ پرسوں جو ہم ولیمہ کی دعوت میں گئے تھے وہاں دلہن و دلہا دونوں نے ہی سیاہ لباس زیب تن کیا ہوا تھا کسی نے کوئی اعتراض نہ اٹھایا نہ ہی کوئی حادثہ پیش آیا وہاں اللہ کے حکم سے۔'' بوا جو مشکل سے زبان دانتوں تلے دبائے بیٹھی تھیں ان کے جانے کے بعد کانوں کو ہاتھ لگاتی ہوئیں کہنے لگیں۔

''ٹھیک کہہ رہی ہیں بوا آپ۔ بڑا شوق تھا ہمیں جنید کی مما سے ملنے کا' کب سے انتظار میں تھے کہ وہ آئیں تو ان سے ملاقات ہو لیکن وہ جنید اور اس کی دادی تو بہت خوش مزاج اور ملنسار ہیں جبکہ منزہ ان سے بالکل ہی الٹ طبیعت کی مالک ہیں۔ بہت ہی تنقیدی طبیعت پائی ہے۔ بلا کی منہ پھٹ ہیں' ذرا بھی اچھا تاثر نہیں قائم ہوا ان کا۔'' صوفیہ بھی کھل کر گویا ہوئیں۔ اس وقت صرف بوا اور وہ بیٹھی تھیں۔

''ان کی ایسی باتیں سن کر کون کہہ سکتا ہے کہ وہ ملکوں ملکوں گھومنے والی پڑھی لکھی عورت ہیں۔ ان سے زیادہ تو معمولی تعلیم یافتہ عورتیں بہت قابل اور خوش مزاج ہوتی ہیں جنہیں بات کرنے کا طریقہ سلیقہ تو ہوتا ہے۔''

''میں تو کل ہی بھابی زمرد سے کہوں گی کہ مائدہ کو کچن کے کام سکھانا شروع کر دیں۔ میں تو سودہ کے نکاح کے بعد سے پھونک پھونک کر قدم رکھنے لگی ہوں۔ عمرانہ بھابی کا کیا بھروسا کب کون سی بات بری لگ جائے اور نشانہ میری بچی کو بننا پڑے۔ میں یہ سوچ کر کچھ نہیں کہتی۔'' ادھر بوا اور صوفیہ گفتگو کر رہی تھیں تو دوسری طرف مائدہ سودہ سے اپنی پریشانی کا اظہار کر رہی تھی۔

''جنید کی مما میری سوچ سے بالکل الٹ ثابت ہوئی ہیں' بہت ہی سیلفش اور بدلحاظ عورت ہیں۔ ان کو یہ سینس ہی نہیں ہے کہ کیسی گفتگو کی جاتی ہے۔ کسی کا خیال ہی نہیں کیا حتیٰ کہ تائی اور مما وغیرہ کو بھی خوب باتیں سنا دیں۔ مروت و لحاظ جیسے اوصاف ان کو چھو کر بھی نہیں گزرے۔''

''چھوڑو نا' کیوں دل برا کر رہی ہو ٹھیک ہو جائے گا سب۔'' حسب عادت سودہ نے اس کو دلاسا دیا مگر وہ غصے میں تھی۔

''مجھے نہیں لگتا وہ ٹھیک ہوں گی' مما کا رویہ آپ کے ساتھ درست ہوا آج بھی ویسا ہی ہے جلاتا ہوا سلگاتا ہوا۔''

"مائدہ یہ کیا کہہ رہی ہو یہاں ان کا کیا ذکر؟" اس نے تعجب خیز لہجے میں پوچھا۔
"اس کو مکافات عمل کہتے ہیں۔ مما کا عمل' ان کا طرز عمل ہے پھر بھی مما سے زیادہ خراب ایٹی ٹیوڈ نہیں ہے۔ مما نے تو کئی بار آپ پر ہاتھ بھی اٹھایا' ہے ان کی کرنی مجھے بھرنی پڑے گی بھابی۔" وہ خاصی افسردہ و غمگین ہو رہی تھی۔ منزہ بیگم نے اس کی ساری خوشیوں پر سوالیہ نشان لگا دیے تھے' ایک ملاقات میں چودہ طبق روشن کر دیے تھے۔ مستقبل کی تمام خوشیاں آج خوش فہمیاں دکھائی دے رہی تھیں۔
"پلیز تم اس منفی سوچ سے باہر نکلو' ایک ملاقات کافی نہیں ہوتی کسی کے بارے میں رائے قائم کرنے کے لیے۔ ہوسکتا ہے وہ کسی پرابلم کا شکار ہوں یا تم کو پرکھنا چاہ رہی ہوں۔" سودہ نے تسلی دینا چاہی۔
"ہونے کو کچھ بھی ہوسکتا ہے مگر میرا دل کہہ رہا ہے مما کا برتاؤ میرے آگے آنا شروع ہو گیا ہے۔ ان کا کیا میں بھگت رہی ہوں۔" وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رونے لگی۔
"مائدہ...... مائدہ پلیز سنبھالوں خود کو' ایسا کچھ نہیں ہوا' سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں زید کو کہوں گی وہ جنید سے بات کریں گے۔ اس کی مما اور ڈیڈی کو پورے اعزاز و افتخار سے تمہیں یہاں سے لے جانا ہوگا۔" وہ اسے گلے لگا کر بولی۔
"جنید کیا سائیڈ لے گا میری...... وہ خود ان سے ڈرتا ہے۔ دادی کی ہمت نہیں ہے ان کے آگے بولنے کی۔ دیکھا نہیں آج آپ نے وہ ان کی ہر بات پر منہ بند کیے بیٹھی رہی تھیں۔"
"اوہ...... جو ہوگا دیکھا جائے گا تم روؤ تو مت۔" سودہ اس کے آنسو صاف کرتی ہوئی گویا ہوئی معاً قدموں کی آواز آئی۔
"ارے تم رو رہی ہو۔ کیا ہوا میری جان؟" اسی لمحے عمرانہ وہاں آئیں اور سودہ کو اس کے آنسو صاف کرتے دیکھ کر تیزی سے آ کر اس کو گلے لگایا۔ مائدہ پھر رونے لگی تھی۔
"تم چائے لے کر آؤ میں ہوں اس کے پاس۔" انہوں نے سودہ سے کہا۔
"سودہ نے کچھ کہا ہے تمہیں؟" وہ اس کے جانے کے بعد پوچھنے لگیں۔
"نہیں وہ کیا بولیں گی' آپ کے سامنے جنید کی مما نے کتنی انسلٹ کی ہے' کیا کیا نہیں کہا انہوں نے۔"
"تم اس دو کوڑی کی عورت کی باتوں پر رو رہی ہو ہونہہ...... ایسی عورت پر لعنت بھیجو۔ وہ اس قابل نہیں ہے جس کے لیے آنسو بہائے جائیں۔" وہ اس کو قریب بیٹھا کر منہ بناتی ہوئی بولیں۔
"مما آپ کو معلوم ہے یہ سب میرے ساتھ کیوں ہوا؟" مائدہ نے ان کو دیکھ کر پوچھا۔
"وہ پاگل عورت ہے...... میں جنید سے بات کروں گی تم فکر مت کرو۔"
"کوئی فائدہ نہیں ہے مما' یہ مکافات عمل ہے جو آپ بھابی کے ساتھ کر رہی ہیں اب وہی سلوک میرے ساتھ بھی ہونے لگا ہے۔"
"دماغ درست نہیں ہے تمہارا جو ایسی باتیں کر رہی ہو۔ یہ سودہ تمہیں میرے خلاف بھڑکا رہی ہے' اس طرح کی باتیں کرتے ہے' میں پوچھتی اس سے۔" وہ ایک دم غصے سے بھڑک اٹھیں۔



جہاں آرا اور بالی نے اس کو بالکل بدلا ہوا پایا تھا۔ وہ بے حد خاموش رہنے لگی تھی' کھوئی کھوئی سی ارد گرد سے بے خبر اور ایک بڑی تبدیلی اس میں یہ بھی آئی تھی کہ وہ تنہا رہنے سے گھبرانے لگی تھی۔
"ہمارے جانے کے بعد تم نے ایک بار بھی روشن آپی سے بات نہیں کی کتنی کالز کی تھیں انہوں نے تم کو ایک بار تو بات

کرلیتیں۔"
"تمہیں معلوم تو ہے کہ میں ان سے بات نہیں کرتی۔" اور یہ بات وہ بھی اچھی طرح جانتی ہیں۔
"تم غصہ اب تھوک بھی دو۔ اپنے ڈیڈی کو تم نے معاف کردیا ہے' مما کو بھی معاف کردو۔" بالی نے اس کے قریب بیٹھی ہوئے کہا۔
"ڈیڈی نے مجھے تسلیم کیا ہے' مانا ہے کہ میں ان کی بیٹی ہوں وہ ماننا دور کی بات ایک بار بیٹی کہہ کرپکارنے پر بھی راضی نہیں ہیں۔ میں ایسی سنگ دل عورت کو کس طرح معاف کرسکتی ہوں۔" اس کے لہجے میں ایک درد سا ابھرا اور آنکھیں نم ہونے لگیں۔
"تم بہت زیادہ سیریس رہنے لگی ہو انشی۔ تمہیں ہوا کیا ہے جو تم مسکرانا، ہنسنا دباتیں کرنا سب بھول گئی ہو اس بارش کی رات کیا ہوا تھا؟ اس رات کے بعد سے ہی میں نے تمہیں بدلتے دیکھا ہے۔" بالی کی بات جاری تھی کہ جہاں آرا وہاں آ کر گویا ہوئیں۔
"شاپنگ کرنے چلنا ہے فٹافٹ ریڈی ہوجاؤ۔ دونوں ٹائم دیکھو کیسا بھاگ رہا ہے ویز لے کر آئے ہوئے ایک ہفتے سے زائد دن گزر گئے ہیں اور ابھی تک شاپنگ کوئی ڈھنگ کی نہیں ہوئی۔" وہ باری باری دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے عجلت میں بولیں۔
"چلو اب اٹھ بھی جاؤ دیر ہورہی ہے' واپس بھی آنا ہے۔"
"آپ جانتی ہیں شاپنگ کرنا مجھے سخت بورنگ کام لگتا ہے۔" انشراح نے منہ بنا کر کہا۔
"تمہیں ساتھ تو چلنا پڑے گا تنہا رہ کر کیا کروگی؟"
"میں تنہا کیوں رہوں گی بالی جو ہے میرے پاس۔" اس نے فوراً بالی کا ہاتھ تھاما۔
"ارے پھر مجھ سے تنہا شاپنگ کس طرح ہوگی اگر بالی ساتھ نہ گئی تو۔" انہوں نے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔
"مسز سہیل کو ساتھ لے جائیں' ان کو بھی آپ کی طرح ہی شاپنگ کا کریز ہے آپ ان کے ساتھ بور نہیں ہوں گی بہت باتونی ہیں وہ۔" بالی جو اسلام آباد سے واپسی کے بعد اس سے یہ پوچھ پوچھ کر تھک گئی تھی کہ وہ اتنی بدلی بدلی کیوں ہے اور وہ ٹال کررہ جاتی تھی اس وقت اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ اب چھپا نہ سکے گی سو جہاں آرا کو اس نے مشورہ سوچ کر دیا تا کہ وہ بالی کو تنہائی میں ساری بات تفصیل سے بتا سکے۔
"کہہ تو ٹھیک ہی رہی ہو تم۔ وہ بھی میری طرح پورے مال کا چکر لگا کر پھر خریداری کرتی ہیں۔ اس طرح معلوم ہوجاتا ہے سب سے بہتر چیز کہاں ہے اچھا پھر میں جارہی ہوں' ملازمہ کام ختم کرکے جائے تو گیٹ بند کرلینا۔ ایک بار کی چوٹ کافی ہے جو قسمت سے بچ گئے۔" وہ کہتی ہوئی چلی گئیں اور بالی نے نوٹ کیا کہ اس کے چہرے پر عجیب سے خوف کی پرچھائیاں رقصاں تھیں۔
"بالی ملازمہ گئی نہیں ہے کیا ابھی؟" اس کی آواز لرزاں تھی۔
"کچن صاف کرکے جائے گی مگر تم اتنی خوف زدہ کیوں ہورہی ہو؟" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر گھبرا کر گویا ہوئی۔
"اللہ کے واسطے پہلے جا کر اس ملازمہ کو گھر سے نکالو یہ لوگ بے حد خطرناک ہوتے ہیں' بہت ظالم و بے رحم دل کے مالک ہوتے ہیں۔" اس کی نگاہوں میں وہ مناظر یکے بعد دیگرے گھومنے لگے تھے۔ وہ بے ساختہ ہی ہذیانی انداز میں چیخنے لگی تو بالی بھاگ کر ملازمہ کو بھیج کر واپس آئی۔
"میں نے ملازمہ کو بھیج دیا ہے اب گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ اس کے قریب آ کر گویا ہوئی۔

''تمہیں نہیں معلوم میرے ساتھ ان دونوں نے کتنا بھیانک سلوک کیا تھا۔نوفل نے تمہیں اور نانی کو اس لیے نہیں بتایا تھا کہ تم لوگ وہاں پریشان ہو گے۔'' وہ اس سے لپٹ کر ایک ایک بات اس کو بتاتی چلی گئی۔اس کے آنسوؤں کے ساتھ ساتھ بالی کی آنکھیں بھی برسنے لگی تھیں۔

''یا اللہ! ایسے حیوان نما لوگوں کو موت آجائے۔کتنا برا کیا اس چوکیدار کے بچے اور اس کی چالاک بیوی نے اگر میرے سامنے آجائیں تو میں ان کا حشر بگاڑ دوں' ان کو بھی ایسی ہی اذیت دوں جیسی انہوں نے تمہیں دی۔شکلوں سے بے ضرر نظر آنے والے کیسے بے رحم لوگ تھے وہ۔'' اس نے بڑی محبت سے اس کو گلے لگاتے ہوئے گلوگیر لہجے میں کہا۔

''یہ سب میری غلطی تھی' مجھے سب نے کتنا سمجھایا تھا کہ ملازموں پر بھروسا نہ کروں' نوفل اور ماما نے کس قدر اصرار کیا تھا کہ میں ان کے ساتھ رہوں مگر دماغ اس وقت ٹھکانے پر نہ تھا' کوئی بھی مجھے مخلص اور اپنا نہ لگتا تھا تو پھر قدرت نے بھی مجھے اپنے و پرائے کی تمیز سکھانے کا ارادہ کر لیا اور وہ سبق بھی ایسا سکھایا کہ ہمیشہ یاد رہے گا۔'' وہ آنسو صاف کرتی ہوئی بیڈ پر بیٹھ گئی۔

''نوفل بھائی کا کیا حال ہوا تھا تمہاری حالت دیکھ کر؟ وہ غصے سے پاگل ہو گئے ہوں گے۔وہ خراب موسم کی پروانہ کرتے ہوئے یہاں آئے تھے۔'' بالی نے پُرتجسس انداز میں پوچھا۔

''ہاں اس وقت وہ میری حالت دیکھ کر دیوانہ سا ہو گیا تھا۔اس کی کوشش سے وہ دونوں دوسرے دن ہی پکڑے بھی گئے تھے' سزا ان کو بھی کم نہ ملی تھی مگر سزا سے میں بھی نہ بچ سکی تھی۔'' انشراح نے گہری سانس لے کر کہا تھا۔



مائدہ نے لاکھ کوشش کی ان کو یقین دلانے کی کہ سودہ نے ایسی کسی بھی رائے کا اظہار نہیں کیا بلکہ وہ اس کی دلجوئی میں لگی ہوئی تھی۔اس کو بہلا رہی تھی مگر وہ عمرانہ ہی کیا جو دل میں آئی بات کو جھٹلا کر کسی اور کی مان لیں' اپنی رائے سے دستبردار ہو جائیں' سمجھوتہ و خیر خواہی کا جذبہ خصوصاً سودہ کے لیے ان کے دل میں پیدا ہو ہی نہیں سکتا تھا۔سودہ چائے لے کر آئی تو ماحول بدل چکا تھا عمرانہ کسی گھائل شیر کی طرح ٹہل رہی تھیں مائدہ جوان کو سمجھانے کی کوشش میں ناکام ہو کر دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بیٹھی تھی سودہ کو دیکھ کر عمرانہ سے التجائیہ لہجے میں بولی۔

''مما پلیز بھابی کو کچھ مت کہیے گا ان کا کوئی قصور نہیں ہے۔''

''اچھا...... یہ آپ کو ٹارچر کرے اور میں کیوں کچھ نہ کہوں اسے' کون ہے یہ جس سے ڈر کر بیٹھ جاؤں اور یہ تمہیں طعنے دے۔'' وہ ہکا بکا کھڑی سودہ کو گھور کر دیکھتی ہوئی چلائیں۔

''اب دیکھو کتنی معصومیت سے دیکھ رہی ہے۔گویا اس سے بڑھ کر کوئی دوسرا معصوم نہیں ہے' میں سب سمجھتی ہوں تم نے ہی فون کر کے منزہ کے کان بھرے ہیں' جھوٹ سچ لگائی ہے' تب ہی وہ بڑھ بڑھ کر تمہاری تعریفیں کر رہی تھی اور مائدہ کو باتیں سنا رہی تھی۔پہلی ملاقات میں کوئی ایسا نہیں کرتا۔'' سودہ کے چہرے کی رنگت زرد پڑ گئی تھی۔حسب عادت وہ کچھ کہہ نہ سکی مگر نفی میں اس کی گردن مسلسل ہل رہی تھی۔

''مما آپ بہتان لگا رہی ہیں۔اللہ کے لیے چپ ہو جائیں کیوں کسی دوسرے کی خاطر اپنے گھر میں آگ لگانے پر تل گئی ہیں آپ۔'' شور شرابہ سن کر زید بھی وہاں آگیا جبکہ عمرانہ کو مائدہ منع کر رہی تھی۔

''چپ کرو۔تمہیں کیا معلوم ان کی چلتر بازیاں' میں اچھی طرح جانتی ہوں اس لڑکی کو۔''

''کیا ہو گیا ہے مما؟'' وہ آگے بڑھ کر ان سے استفسار کرنے لگا۔

''یہ معلوم کرو اس بھولی ناگن سے جو اندر ہی اندر میری بیٹی کی زندگی میں زہر گھول رہی ہے اور معصوم بنی ہوئی ہے۔'' وہ

اس کی طرف اشارہ کرکے گویا ہوئیں۔

سودہ کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔اس کے ہاتھ میں پکڑی چائے کی ٹرے بھی مائدہ نے لے کر میز پر رکھی تھی۔سودہ کی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

''میری بچی ابھی اپنے گھر گئی بھی نہیں اور اس کے خلاف سازشیں شروع کردی ہیں آپ کی اس چہیتی نے۔ بالکل اپنی ماں کے نقش قدم پر چل رہی ہے کل اس نے میرا گھر تباہ کیا تھا اور آج یہی کام یہ کررہی ہے مگر میں اب ایسا نہیں ہونے دوں گی۔'' ان کا بس نہ چل رہا تھا کہ وہ سودہ کو کچا چبا جائیں۔

''منزہ آنٹی نے کیا کہا ہے مما؟'' زید نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''کیا نہیں کہا۔ یہ پوچھو اس بددماغ و بدتمیز عورت نے، پہلی ملاقات میں ہی مجھے اس عورت کی شکل سے نفرت ہوگئی ہے میں تو آج ہی یہ رشتہ توڑتی ہوں۔''

''مما پلیز...... رشتے کانچ کے برتن نہیں ہوتے جو اٹھائے اور توڑ دیے یہ از حد نازک معاملات ہیں جو دو خاندانوں کے درمیان عزت و وقار کا باعث بنتے ہیں۔ایسی معمولی باتوں پر اس طرح ختم نہیں کیے جاسکتے۔آپ آرام سے بیٹھ جائیں۔'' زید نے ان کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے نرمی سے کہا۔

''کس طرح آرام سے بیٹھ جاؤں۔اپنی بے عزتی میں برداشت کرسکتی ہوں مگر اپنی بیٹی کی بے عزتی گوارا نہیں ہے ہرگز مجھے۔''

''صرف ایک بار میں ہی آپ چیخ اٹھی ہیں مما...... بھابی کی جو آپ ہر وقت بے عزتی کرتی رہتی ہیں تو ان کے دل پر کیا گزرتی ہوگی کبھی اس کا احساس ہوا ہے آپ کو۔''

''شٹ اپ...... میں تمہاری حمایت میں مرے جارہی ہوں اور تم ہو کہ میرے خلاف ہی ٹرٹر کیے جارہی ہو۔کیا کیا ہے میں نے؟ ایک ایسی لڑکی کو بہو بنالیا ہے جو کبھی بھی مجھے پسند نہیں جو میرے بیٹے کے لائق نہیں ہے اور نہ کبھی ہوگی۔'' وہ اس کی بات قطع کرکے سودہ کو حقارت آمیز نگاہوں سے دیکھتی ہوئی غرائیں۔

''یہ بات آپ بھائی کے دل سے معلوم کریں بھابی ان کے لائق ہیں یا نہیں۔آپ کیوں ایسی باتیں کررہی ہیں میرے مطابق معمولی سی باتیں سن کر آپ رشتہ توڑنے کی بات کررہی ہیں اور یہاں آپ ان کے منہ پر جو دل چاہ رہا ہے وہ کہہ رہی ہیں۔''

''چپ ہوجاؤ مائدہ۔میری خاطر کیوں خود کو گناہ گار کررہی ہو میں نہیں چاہتی میری وجہ سے یہاں فساد برپا ہو، نااتفاقی پھیلے۔میں نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ میں ممانی کی نگاہوں میں عزت اور دل میں کوئی مقام حاصل کرلوں لیکن صد افسوس میں آج تک اس مقام تک رسائی نہ پاسکی ہوں اور شاید کبھی نہ پاسکوں گی۔میں نے فیصلہ کیا ہے میں خاموشی سے زید کی زندگی سے نکل جاؤں۔'' پہلی بار وہ عمرانہ کی موجودگی میں باہمت انداز میں گویا ہوئی۔گو کہ شدت جذبات سے اس کا جسم کانپ رہا تھا آنسو تیزی سے موٹی گالوں پر بہہ رہے تھے چہرے پر حرماں نصیبی رقصاں تھی۔

''یہ کیا کہہ رہی ہو...... معلوم ہے تمہیں کچھ؟'' زید نے جلتی ہوئی نگاہ اس پر ڈالتے ہوئے کہا۔

''ہاں...... معلوم ہے جو میں کہہ رہی ہوں آپ سے ایک ریکوئسٹ ہے بس ساری زندگی میرے نام کو خود سے جدا مت کیجیے گا میں وعدہ کرتی ہوں کبھی آپ کی راہ میں نہیں آؤں گی۔'' وہ کہہ کر وہاں سے چلی گئی تھی۔



''بہت جلد وہ لوگ واپس آنے والے ہیں سامعہ کی کال آئی تھی۔لاریب کومے سے باہر آگئے ہیں اللہ کا بہت بڑا

کرم ہوا ہے یہ دگرنہ یہاں تو ڈاکٹرز نے ایک طرح سے مایوس ہی کردیا تھا۔" چائے پیتے ہوئے زرقا بیگم نوفل سے مخاطب ہوئیں۔

"ہوں...... پاپا کب واپس آرہے ہیں۔ ایک ماہ سے زائد عرصہ گزر گیا ہے ان کی وہاں رہائش کو اب ان کو واپس آ جانا چاہیے۔" حسب توقع اس نے لاریب کے ذکر سے فرار چاہا اور اس میں کامیاب بھی رہا۔

"یوسف تو واپسی کا رخت سفر کب کا باندھ چکے ہوتے مگر بابا جان ان کو بااصرار روکے ہوئے ہیں۔ وہ ان کے دل کی کیفیت سے بخوبی واقف ہیں کل تک وہ انشراح سے ملنے کے لیے جتن کرنے کو راضی تھے اور جب وہ مل گئی تو احساس گناہ سر اٹھانے لگا ہے کہ یہ اس بچی کے ساتھ کتنا بڑا ظلم ہے کہ وہ لوگوں سے اس کو اپنے نام سے متعارف نہیں کرا سکتے اور ان کی اس تکلیف کو میں نے اس وقت شدت سے محسوس کیا جب شعوانہ سے ان کی ملاقات کراتے وقت مجھے جھوٹ کا سہارا لینا پڑا تھا۔" وہ بے ساختگی میں وہ راز کھول گئیں جو خود انہوں نے چھپا کر رکھا تھا اور سچ بولنے والوں کے ساتھ یہی مسئلہ ہوتا ہے کہ وہ جھوٹ کی پردہ پوشی زیادہ دیر تک نہیں کرسکتے۔ دیر سویر ان سے بے ساختگی میں سچ نکل ہی جاتا ہے شاید جھوٹ بولنا بھی ایک آرٹ ہے۔

"ماما وہ عورت یہاں آئی تھی اور آپ نے مجھ سے چھپایا؟" وہ حیران ہوا اور زرقا بیگم کو اپنی غلطی نے پریشان کردیا۔

"اوہ...... یہ کیا ہوا مجھ سے کتنی بڑی غلطی ہوگئی نہ جانے کس طرح میرے منہ سے یہ بات نکل گئی؟" وہ سخت پشیمان ہوئیں۔

"وہ عورت یہاں پر آئی اور آپ نے آنے دیا۔" دکھ صدمہ، رنج و بے اعتباری کیا کچھ نہ تھا اس لہجے میں۔

"اس کی جرأت کیسے ہوئی یہاں آنے کی؟ آپ نے اس کو اس گھر کی دہلیز پر پاؤں کیسے رکھنے دیا وہ قابل نہیں تھی کہ اس کے ناپاک قدم اس گھر کی چوکھٹ کو چھوتے۔" غصے و غم سے اس کی آواز پھٹنے لگی مگر ان کے لیے لہجے میں ادب و تہذیب کی حد موجود تھی لہجہ درد و تڑپ سے بھر گیا تھا۔

"میں نے آپ کو سب کی عزت و احترام کرنے کی تعلیم دی ہے خواہ وہ مرد ہو...... پھر وہ تو آپ کی ماں ہے۔"

"وہ میرے باپ کی قاتل ہے ماما۔"

"اس سوچ کو دل سے فنا کردیں جو ہونا تھا وہ ہوچکا...... دل کا سکون معاف کرنے میں ہے درگزر کرنا ہی انسانیت کی معراج ہے پھر غلط کرنے والے کبھی سکھی نہیں رہتے پھولوں کی چاہ میں لوگ کانٹوں سے دامن بھر لیا کرتے ہیں اور پھر تاحیات ان کانٹوں پر ہی چلتے ہوئے زندگی گزر دیتے ہیں۔" وہ اس کے قریب آ بیٹھیں اور ملائمت سے گویا ہوئیں۔

"شعوانہ یہاں آئی تھی۔ میں نے محض آپ کی دل آزاری کے خیال سے نہیں ذکر کیا تھا۔ میرا ارادہ تھا کہ آپ کا غصہ ٹھنڈا ہوجائے تو پھر آپ کو بتاؤں گی اور پھر ویسے بھی یہ بات چھپانے والی نہیں تھی۔"

"وہ تھوک کر گئی تھیں کہ کبھی زندگی میں اس دہلیز پر پاؤں نہیں رکھوں گی پھر کیوں آئی تھیں وہ یہاں؟ آپ نے کیوں پرمیشن دی دھکے دے کر نکلوا دینا چاہیے تھا ان کو جو لوگ دوسروں کی راہ میں کانٹے بچھاتے ہیں پھر ان کو بھی ان ہی کانٹوں پر چلنا پڑتا ہے۔" وہ سخت اضطرابی انداز میں مبتلا ہوا۔

"کچھ لوگ تھوک کر چاٹنے پر مجبور ہوجاتے ہیں اپنی غلطیوں سے اور دانش مندی یہ ہے دوسرے کی غلطی سے سبق سیکھا جائے تاکہ کل کو ہم بھی یہ خفت اٹھانے سے محفوظ ہوجائیں۔" وہ اس کے شانے پر ہاتھ رکھے دھیرے دھیرے سمجھا رہی تھیں اور وہ سر جھکائے بیٹھا تھا۔

"آپ نے ہمیشہ میری مانی ہے اور اس بات پر مجھے آپ پر فخر ہے کبھی آپ نے میری بات رد نہیں کی اتنا مان دیا کہ

شاید میری سگی اولاد بھی نہ دیتی کبھی۔"

"یہ بات نہ کیا کریں ماما آپ۔ میں نے سدا آپ کو ماں مانا ہے‘ کبھی آپ نے مجھے یہ محسوس نہ ہونے دیا کہ میری ماں نہیں ہے۔" وہ گویا ان کے اس جملے پر تڑپ اٹھا تھا۔

"پھر بھی آپ شعوانہ کو نہیں بھولے بیٹا۔ ماں ہستی ہی ایسی ہوتی ہے‘ کوئی کتنا بھی پیار دے سگی ماں بھلائی نہیں جاتی۔"

"یہ آپ سے بہتر کون جان سکتا ہے کہ وہ کیسی ماں تھیں۔" وہ دکھ سے بولا۔

"غلط راستے پر چلنے والا ایک دن سیدھے راستے پر ضرور آتا ہے اور وہ پہلے ہی بڑی تکلیف واذیت سے گزر کر آتا ہے اگر ایسے میں اس کا استقبال محبت وخلوص سے نہ کیا جائے تو سفر رائیگاں جانے کا خطرہ رہتا ہے۔ شعوانہ بھی ایک کٹھن راستہ گزار کر آپ کے پاس آئی ہے اور آپ اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے شعوانہ کو معاف کردیں۔"

"میں معاف کردوں...... ! کیا اس عورت کو معاف کیا جاسکتا ہے؟" اس کا چہرہ جذبات سے سرخ ہورہا تھا‘ وہ دکھ سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"معاف کرنا مشکل ضرور ہے بیٹا مگر ناممکن نہیں‘ تھوڑا دل کو مائل کرنا پڑتا ہے۔"

"جب دل مائل ہونا ہی نہیں چاہے تو کس طرح زبردستی کرسکتے ہیں۔"

"مجھے معلوم ہے آپ دل کے فیصلوں پر نہیں چلتے۔"

"یہاں میرا دل کام کرتا ہے نہ دماغ‘ جب بھی سوچتا ہوں ہر سو اندھیرا ہی اندھیرا دکھائی دیتا ہے۔" اس کے لہجے میں بے بسی تھی۔



سودہ روتے ہوئے نیچے آئی اور سارا ضبط وبرداشت آنسو بن کر اس کی آنکھوں سے بہہ نکلے تھے۔ اس کا حوصلہ و ہمت عمرانہ کی منافقت اور نفرت نے ریزہ ریزہ کردیا تھا۔ وہ الزام لگانے میں ماہر تھیں اور ہر روز کے الزامات سہتے سہتے وہ تقریباً عادی ہوگئی تھی مگر ان کی ناپسندیدگی حد سے سوا ہوگئی تھی۔ عمرانہ کی نظر میں وہ اس قابل نہ تھی کہ ان کے خوبرو بیٹے کی بیوی بنتی۔ وہ قابل تھی نہ کبھی قابل ہوسکتی تھی پھر ان بار بار کے جھگڑوں سے بہتر تھا کہ وہ زید کا ساتھ چھوڑ دے۔ البتہ اس کا نام وہ بھی نہ اپنی زندگی اور اپنے نام سے جدا کرنے والی نہیں تھی۔ وہ آکر اپنے کمرے میں بند ہوگئی تھی۔ نیچے کا پورشن سناٹے کی زد میں تھا۔ وہ سب لوگ بمعہ بوا کے آج ہی مدثر کی طرف چند روزہ قیام کے ارادے سے گئے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ زمرد اور بوا عمرانہ کی تیز جھگڑنے کی آوازوں پر بھی اوپر نہیں آئی تھیں۔ دونوں ملازمائیں اپنے کوارٹر میں تھیں۔ وہ بیڈ پر بیٹھی رورہی تھی معاً تیز ابکائی آئی اور وہ تیزی سے اٹیچڈ باتھ کی طرف بڑھی اور دوسرے لمحے الٹی دیکھ کر اس کی آنکھیں بے یقینی سے پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔

وہائٹ واش بیسن کا اندرونی حصہ سرخ ہورہا تھا۔ اس کو خون کی الٹی ہوئی تھی اور پھر کھانسی کا نہ رکنے والا سلسلہ شروع ہوگیا تھا۔ بمشکل وہ منہ دھوکر کمرے میں آئی اور بے دم ہوکر بیڈ پر گرگئی تھی۔ کھانسی کا دورانیہ کم ہوا مگر دل کی حالت ناگفتہ بہ ہوگئی تھی۔ اس کو معلوم ہی نہیں ہوا تھا کہ کب یہ خطرناک بیماری اس کے اندر کنڈلی مار کر بیٹھ گئی تھی۔ بخار وکھانسی کی شکایت تو عموماً رہا کرتی تھی جس کو بھی اس نے کوئی اہمیت نہ دی تھی کہ وہ شروع سے ہی خود سے غافل ولاپروا رہنے کی عادی تھی لیکن اس کو معلوم نہ تھا یہ بیماری کوئی بڑی بیماری بن کر اس کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔

"چلو اچھا ہوا اس بہانے ہی عمرانہ ممانی کی مجھ سے جان تو چھوٹ جائے گی۔ ویسے بھی میری دنیا میں کس کو ضرورت

ہے۔ مجھ جیسے لوگ اللہ پیدا تو کردیتا ہے۔ پیدا ہوئی تو چند سال بعد باپ دنیا سے چلا گیا ماں نے سوتیلے باپ کی ستم ظریفیوں سے محفوظ رکھنے کے لیے دوسری شادی نہیں کی اور......" معا دروازہ کھلا اور دل آویز مہک پتا دے رہی تھی آنے والا کون ہے وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ زید اس سے کچھ فاصلے پر آ کر رک گیا تھا۔ شام ابھی پوری طرح ڈھلی نہ تھی باہر سورج چمک رہا تھا اندر کمرے میں دبیز پردوں کے باعث اندھیرا تھا لائٹس آف تھیں۔

"اچھا تم نے فیصلہ کرلیا ہے خاموشی سے میری زندگی سے نکلنے کا؟" اس کے سنجیدہ لہجے میں برف جیسی ٹھنڈک و پتھر کی مانند سختی تھی۔

"جی...... (مجھ سے پہلے موت نے فیصلہ کرلیا ہے)" اس کا دل چاہا اس کے شانے سے لگ کر بتائے وہ کیسی مہلک بیماری کا شکار ہوگئی ہے مگر پھر اس سے جدا ہونے میں ہی بہتری تھی کہ جدا تو ہونا ہی تھا۔

"بہت بہادر ہوگئی ہو، بے حد سمجھدار بھی۔" وہ بدستور کھڑا ہوا تھا۔ سینے پر ہاتھ باندھے لائٹس دونوں میں سے کسی نے بھی نہیں کھولی تھی۔ سردی کے باعث فین بھی آف تھا اور اس خاموشی میں اس کی سسکیاں نمایاں ہو رہی تھیں۔

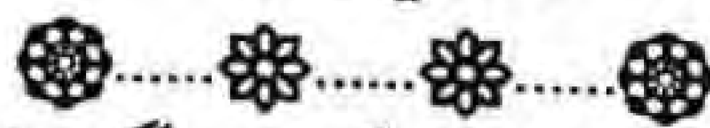
"جب مجھ سے دور رہنے کا فیصلہ کر ہی لیا ہے تو پھر یہ رونا کیسا؟" جواباً وہ تیزی سے امڈنے والے آنسوؤں و سسکیوں پر قابو نہ پاسکی۔ دونوں ہاتھ چہرے پر رکھ کر روتی چلی گئی۔ وہ دہری تکلیف میں مبتلا ہوگئی تھی۔ وہ سامنے کھڑا شخص دل کو از حد محبوب ہوگیا تھا۔ اس سے جدائی کا تصور بھی کند چھری سے ذبح کرنے کے مترادف تھا مگر جدائی ہر صورت مقدر ٹھہری تھی اور یہ اس سے جدائی کا خیال ہی تھا جو اس کو تڑپ تڑپ کر رونے پر مجبور کر رہا تھا۔

"سودہ...... کیا ہوا...... تم ایسے کیوں رو رہی ہو؟" اس کے انداز میں ایسی کوئی بات تھی جو اس کو چونکا گئی تھی۔ وہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے متفکرانہ لہجے میں استفسار کرنے لگا۔

"مما کی عادت تمہیں معلوم ہے وہ شروع سے تمہیں برا کہنے کی عادی ہیں الزام لگانے میں بھی وہ چوکتی نہیں ہیں یہ ان کی نیچر کا حصہ ہے پھر تم بے حد صابر و متحمل مزاج کی مالک ہو تم نے تو ان کی مار کھا کر بھی کبھی ردعمل ظاہر نہیں کیا پھر آج ایسا کیا ہوا کہ تم نے مجھ سے دور ہونے کا فیصلہ کرلیا اور مجھے چھوڑ کر آ گئی مڑ کر یہ بھی نہیں دیکھا کہ سینہ میں میری سانس اٹک کر رہ گئی۔ مما کے غصے کی سزا تم مجھے دے رہی ہو، میرا کیا قصور ہے صرف یہی کہ میں تمہارے بنا رہ سکتا ہوں نہ مما کے بغیر۔" وہ اس کا ہاتھ تھام کر لگاوٹ بھرے لہجے میں بولا معاً چونک گیا۔

"ارے تمہیں خاصا فیور ہو رہا ہے اور تم نے بتایا بھی نہیں۔" دوسرے لمحے اس کی انگلیاں اس کی نبض پر تھیں۔

"کبھی کبھی ہو جاتا ہے ٹیبلٹ کھالوں گی ٹھیک ہو جائے گا۔" اس نے گھبرا کر اس سے ہاتھ چھڑایا تب ہی اس کو پھر ابکائی آئی جس کو اس نے ضبط کرنا چاہا تھا کہ وہ بیماری کو زید پر عیاں نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن یہ چیزیں اختیار میں کب ہوتی ہیں ابکائی کے ساتھ ہی شدت کی کھانسی آئی اور وہ بیڈ سے اٹھ بھی نہ پائی تھی کہ منہ سے وہ شے بیڈ پر ہی نکلنے لگی زید نے بھاگ کر لائٹ آن کی اور اس کی طرف دیکھ کر ششدر رہ گیا تھا۔



سرد شام کا گلابی غبار ہر سو پھیلا ہوا تھا۔ قطار در قطار لگے ہوئے گھنے درختوں پر پرندوں کی ٹولیاں منڈلا رہی تھیں جہاں گھونسلوں کی بہتات تھی۔ پرندوں کی چہکاریں فضا میں گونج رہی تھیں۔ ڈھلتی شام کے سائے میں ماحول بڑا اداس لگ رہا تھا۔ ماحول کی ساری اداسی سمٹ کر گویا اس کے دل میں بھر گئی تھی۔ شعوانہ کی آمد نے اس کی زندگی کو دکھوں سے ہمکنار کردیا تھا۔ سارے زخم پھر سے تازہ ہوگئے تھے اپنے باپ کے صدمے اور اپنی حسرتیں تمام از سر نو یاد آنے لگی تھیں۔ اس کو آج تک از بر تھا آخری دنوں میں ڈیڈی اس ہرجائی عورت کو یاد کر کے بچوں کی طرح بلک بلک کر روئے تھے۔ عجیب

محبت تھی جو بے وفائی کا روگ پالنے کے باوجود اس کو فراموش کرنے کو تیار نہ تھی۔ آج وہ عورت ان کے خاک ہونے کے بعد آنسو بہاتی ہوئی آ گئی تھی' اس کا ضمیر جاگ اٹھا تھا اور بہت ہی عجیب ہوتا ہے یہ ضمیر بھی جب لوگ خاک اوڑھ کر سو جاتے ہیں تو کچھ لوگوں میں بیدار ہو جاتا ہے۔ اس کا دل اس عورت سے بری طرح مکدر و نالاں تھا کسی طرح بھی ایک نگاہ دیکھنے کا روادار نہ تھا۔ کسی صورت برداشت کرنے کو راضی نہ تھا۔

اسی لمحے اس کی نگاہ فٹ پاتھ پر کھڑی انشراح پر پڑی اور خود بخود بریک پر اس کے پاؤں کا دباؤ بڑھتا چلا گیا تھا۔ بلیک اسکارف سے سر اچھی طرح سے ڈھانپے فل سلیو کا پنک اپر زیب تن کیے بڑی پُر وقار لگ رہی تھی۔ دائیں شانے پر بیگ تھا اور بائیں ہاتھ میں کتابیں تھامے وہ یقیناً یونیورسٹی سے واپسی پر کنوینس کے انتظار میں کھڑی تھی اس کو اچانک اپنے سامنے دیکھ کر دیکھتی رہ گئی تھی۔

''آج بھی کوئی تماشا کری ایٹ کرنے کا ارادہ ہے تمہارا؟'' وہ اس کو گم صم کھڑی دیکھ کر سخت طنزیہ انداز میں گویا ہوا۔

''کیا کہنا چاہ رہے ہیں آپ؟'' نہ سلام نہ دعا یہ لاٹھ مار انداز اس کو سچ مچ بوکھلا گیا تھا۔ مزید اس کے لہجہ انشراح کو سراسیمہ کر دیا تھا۔

''ڈراپ کر دوں گا آ جاؤ۔ کیوں لوگوں کو مشکوک کر رہی ہو۔'' آتی جاتی گاڑیوں سے لوگوں کی نگاہیں ان پر تھیں اور انشراح کو وہ دن یاد آ گیا جب ایسے ہی ایک موقع پر اس نے انتقامی جذبے کے تحت اس کو لوگوں سے پٹوانے کے لیے تماشا کیا تھا لیکن اس کی حاضر دماغی سے وہ ان کے انتقام کا نشانہ بننے سے بچ گیا تھا اور آج وہ اسی واقعے پر ہی طعنہ زنی کر رہا تھا انشراح برق رفتاری سے فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی۔

''اتنی لیٹ کیسے ہو گئی اور یہاں کیوں کھڑی تھیں کیب نہیں آئی؟'' اس نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے استفسار کیا۔

''کچھ نوٹس تھے وہ بنانے میں دیر ہو گئی تھی اور باہر نکلی ہی تھی یونی سے تو کیب ڈرائیور کی کال آ گئی وہ کسی ایمرجنسی کی وجہ سے نہیں آئے گا۔''

''مجھے کال نہیں کر سکتی تھیں' تم جو یہاں فٹ پاتھ پر کھڑی ہو گئی تھیں۔'' وہ بدستور اکھڑ مزاجی سے پیش آ رہا تھا۔

''میں کال کرتی اور آپ آ جاتے مجھے پک کرنے؟'' وہ اس کی طرف دیکھتی ہوئی سوالیہ انداز میں گویا ہوئی جواباً وہ گھور کر بولا۔

''تمہیں کوئی شک...... کیوں ایسی بات کر رہی ہو؟ ابھی بھی میں نے ہی پک کیا ہے' نیکسٹ ٹائم نہ دیکھوں میں تمہیں ایسی حرکت کرتے ہوئے' منٹوں میں لڑکیوں کو کڈنیپ کر لیا جاتا ہے ایسی سنسان جگہوں سے۔''

''ایم سوری نیکسٹ ٹائم ایسا نہیں ہوگا' مجھے آئیڈیا نہیں تھا حالات کا۔'' جواباً وہ خاموش ہی رہا۔ دوبارہ اس کی طرف دیکھنے کی بھی زحمت گوارا نہ کی اور اس سرد مہری و بیگانگی آمیز رویے سے گھبرا کر وہ اس وقت کو یاد کرنے لگی جب وہ نوفل سے ایسا رویہ اختیار کیے ہوئے تھی اور وہ پروانے کی مانند اس کے اردگرد گھومتا جل مرنے کو تیار رہتا تھا اور وقت بھی کیسے کیسے پینترے بدلتا ہے' کبھی آسمان کی بلندیوں پر' کبھی زمین کی سطح پر لا پھینکتا ہے غرور کا انجام پشیمانی ہے۔

''کار سے اترنے کے لیے تم کو ریڈ کارپٹ کا پروٹوکول دینا ہوگا کیا؟'' فاسٹ ڈرائیونگ کرتا ہوا وہ مین گیٹ کے سامنے کھڑا تھا۔

''آ...... آپ اندر نہیں آئیں گے؟'' اس کی آواز پر وہ خجالت سے بولی۔

''ٹائم نہیں ہے، پہلے ہی لیٹ ہو گیا ہوں۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں انکار کیا تو وہ مزید اصرار نہ کر سکی اور وہ ابھی کار سے اتری ہی تھی کہ گیٹ کھول کر بالی تیزی سے باہر آ کر نوفل کی طرف بڑھی۔

''میں نے دیکھا آپ اس کو چھوڑ کر جانے کے چکر میں ہیں اس لیے میں تیزی سے یہاں آئی ہوں تا کہ آپ کو جانے نہ دوں۔'' بالی نے ڈرائیونگ ڈور کھول کر اس کا بازو پکڑ کر کہا۔

''میں لیٹ ہوگیا ہوں ماما ویٹ کررہی ہوں گی ویسے بھی ان محترمہ نے ان کو اپنا اتنا عادی بنادیا ہے کہ وہ بہت زیادہ خود کو تنہا محسوس کرنے لگی ہیں۔'' بالی سے بات کرتے وقت اس کی ساری کرختگی و سرد مہری ایک دم غائب ہوگئی تھی۔ کم کم ابھرنے والی مسکراہٹ اب اس کے لبوں پر نمودار ہوکر اس کی وجاہت میں اضافہ کررہی تھی۔ اس کے دل کو ٹھیس لگی کہ وہ اس کے لیے کس قدر اجنبی بن گیا تھا۔

''ماما کو کال کرکے اطلاع دے دیجیے کہ آج آپ ہمارے پاس ہیں اور ہمارے ساتھ ہی ڈنر کریں گے۔ رہی بات ماما کی تنہائی کی تو اسی سلسلے میں آپ سے ماسی بات کرنا چاہ رہی ہیں۔'' بالی نے بے تکلفی سے اس کا بازو پکڑ کر کہا اور اس کو اندر لانے میں کامیاب ہوگئی۔ وہ اس کو نظر انداز کیے بالی کے ساتھ آگے بڑھ گیا اور وہ مرے مرے قدموں سے ان کے پیچھے چلنے لگی تھی۔



لمحے بھر کو اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا تھا سودہ منہ سے خون اگل رہی تھی۔ اس کی شال اور شرٹ خون سے سرخ ہوگئی تھی۔ اس کے لیے یہ منظر بڑا اذیت ناک تھا وہ کسی بگولے کی مانند اس تک پہنچا جو مارے تکلیف و نقاہت کے بے ہوش ہوگئی تھی۔ اس نے اس کے خون آلود کپڑوں کی پروا کیے بنا اس کو بازوؤں میں اٹھایا اور دیوانہ وار کمرے سے نکل گیا تھا۔

''بھائی...... بھابی کو کیا ہوا یہ بلڈ کیسا ہے؟'' ان طرف آتی ہوئی مائدہ کی نظر جب ان پر گئی تو وہ بے ساختہ چیخ کر کہہ اٹھی۔

''میرے ساتھ آؤ ابھی فوراً ہمیں اسپتال جانا ہے۔ سودہ کی حالت ٹھیک نہیں ہے نجانے کیا ہوا ہے۔'' وہ تقریباً دوڑتا ہوا اسے اٹھائے پورٹیکو کی طرف بڑھ رہا تھا۔ مائدہ بھاگم بھاگ عمرانہ کو بتا کر بھاگتی ہوئی اس کے پیچھے آئی اور لمحوں میں کار ہواؤں سے باتیں کرتی اسپتال پہنچی، سودہ کو ایمرجنسی وارڈ میں داخل کرلیا گیا تھا۔ جہاں فوراً ہی اس کو ٹریٹمنٹ دیا گیا اب وہ دونوں وہاں رہ گئے تھے۔

''بھائی یہ کیا ہوا...... بھابی نے سوسائڈ کیا ہے؟'' وہ روتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''نہیں...... وہ خودکشی نہیں کرسکتی، وہ کمزور نہیں ہے بہت دین دار ہے۔ خودکشی کیسے کرے گی۔'' وہ مائدہ کے ساتھ ساتھ خود کو بھی تسلی دے رہا تھا مگر دل مائدہ کی بات سے انکاری بھی نہیں تھا۔

''نہیں بھائی آج ممانے زیادتیوں کی حد کردی ہے۔ بھابی کو اس حد تک ہرٹ کیا ہے کہ وہ سوسائڈ کرگئی ہیں۔ میری وجہ سے یہ ہوا ہے کاش آپ مجھے مرنے دیتے تو آج یہ نہ ہوتا۔'' مائدہ بری طرح روتے ہوئے کہہ رہی تھی اور زید کو لگ رہا تھا اس کے اردگرد خطرے کے سائرن بج اٹھے ہوں۔

''کیا بکواس کررہی ہو۔ چپ ہوجاؤ وہ ایسا نہیں کرسکتی، وہ ایسی نہیں ہے، بہت بہادر و حوصلہ مند ہے۔ وہ نماز پڑھتی ہے قرآن پڑھتی ہے دینی کتب اس کے مطالعے میں رہتی ہیں پھر وہ کیوں حرام موت مرنا چاہے گی۔ یہ ممکن نہیں ہے۔'' وہ خود کلامی میں مبتلا تھا۔ اس کا دل وسوسوں کی زد میں تھا، حواس گم ہونے لگے تھے کہ معاً وہاں ڈاکٹر منہ لٹکائے ہوئے داخل ہوئے اور اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر گویا ہوئے۔



''کوئی ناراضی ہوگئی ہے ہم سے نوفل بھائی جو آپ نے ہماری خبر لینا ہی بند کردی ہے؟ ہمیں یہاں آئے اتنے دن ہوگئے ہیں آپ نے ایک فون کال تک نہ کی نہ یہاں تشریف لائے۔'' ماسی سے سلام ودعا سے فارغ ہوتے ہی بالی نے استفسار کیا۔ انشراح اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔

''ناراضی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا...... اکچوئلی آج کل پرسنل پرابلمز میں گرفتار ہوں سو ارد گرد کا خیال ہی نہیں رہتا۔'' وہ سادگی سے بولا۔

''اللہ آپ کی پرابلمز دور کرے آپ نے اس رات سودہ کی زندگی بچا کر مجھ پر اتنا بڑا احسان کیا ہے کہ اس کا بدلہ میں آپ کو کسی طور نہ دے سکوں گی۔ آپ نے ہماری پریشانی کے خیال سے یہ سب پوشیدہ رکھا' ہمیں کل ہی انشی نے آگاہ کیا کہ اس پر کیا قیامت ٹوٹی تھی اگر آپ نہ آتے تو اللہ جانے میری بچی کا کیا ہوتا۔ وہ لوگ تو گیٹ کو باہر سے تالا لگا گئے تھے بڑے ہی نمک حرام و بد بخت لوگ ثابت ہوئے تھے۔'' جہاں آرا اس کی بہت مشکور دکھائی دے رہی تھیں۔ وہ شاپنگ کا کہہ کر اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں تاکہ مزید رقم لے سکیں اور بالی بجھی تھی کہ وہ چلی گئی ہیں تب ہی انشراح سے ساری بات معلوم کررہی جب انہوں نے بھی سارا راز جان لیا تھا۔

''کچھ بدبختی ہمارے اپنے ہاتھوں سے لی گئی ہوتی ہے تب ہی کسی کو نمک حرامی دکھانے کا موقع میسر آتا ہے۔'' نوفل سنجیدگی سے کہا۔

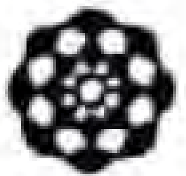
''بس بیٹا کیا کہہ سکتی ہوں بہت کوشش کی ہم نے اس کو ساتھ لے جانے کی وہاں سے زرقا بہن اور یوسف صاحب نے کتنا چاہا کہ وہ یہاں نوکروں کے آسرے پر نہ رہے اور ان کے ساتھ چلی جائے مگر اس وقت اس لڑکی کے سر میں سرکشی سمائی ہوئی تھی جو کسی کی بات نہ مانی اور انجام بھگتنا پڑا۔''

''چلیں ماسی جو ہوتا ہے اچھے کے لیے ہوتا ہے' انشی نے تکلیف تو اٹھائی اور سن کر ہمارے دل بھی گھائل ہوئے اور ان سب سے بڑھ کر یہ ہوا ہے کہ وہ لائن پر آ گئی ہے' بالکل بدل گئی ہے' کیوں نوفل بھائی آپ نے بھی یہ نوٹ کیا ہوگا کہ وہ اپنی ضد و بدمزاجی بھول گئی ہے؟'' بالی شرارتی لہجے میں اس سے مخاطب ہوئی۔

''جو خود کو نہیں بدلتے ان کو وقت بدل دیتا ہے۔ چڑھتا سورج ڈوبتا ضرور ہے۔'' وہ بھی شوخی سے گویا ہوا تو بالی کھلکھلا کر ہنس دی۔

''مان گئی آپ کو بہت بڑے ایکٹر ہیں آپ' واہ کیا جم کر ایکٹنگ کی ہے کسی لمحے بھی انشی کو فیل نہ ہوا کہ آپ ایکٹنگ کررہے ہیں۔''

(ان شاءاللہ باقی آئندہ ماہ)



تم مرا نصیب میرا

نازیہ جمال

خاموش شہر، برباد محبت اور آتش بارش
میں ویران آنگن اور ہم نشیں بارش
مدہوش سارا عالم میرے ساتھ رقصاں
ہم سراپا سوز و درد اور دل نشیں بارش

"سنو...... سنو عزیزان صاحبان...... شہاب بھائی کہہ رہے ہیں کل صبح ٹھیک آٹھ بجے سب تیار رہیں ورنہ گاڑی نکل جائے گی پھر نہ کہنا کہ ہمیں خبر نہ ہوئی۔" دروازے سے سر نکال کر شامی نے بلند آواز میں سب کو آگاہ کیا۔

"ہاں ہاں بے فکر رہو۔ ہم تیار رہیں گے شہاب بھائی سے کہو اگر ہم تیار ہو گئے اور ان کی گاڑی لیٹ ہو گئی پھر خیر نہیں۔" بیگ کی زپ بند کرتے ہوئے بندیا نے الٹا شامی کو جتایا۔

"بالکل، لیٹ ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا...... صبح ناشتہ کرنے میں بھی ٹائم نہیں لگائیں گے بلکہ رات کو ہی ناشتہ کر کے سو جائیں گے۔" حبہ کچھ اس مزاحیہ انداز میں بولی کہ سب مسکرا دیے۔ شامی کا رخ اب گھر کی معزز خواتین کی طرف تھا جو ہمیشہ کی طرح بڑے ہال میں موجود تھیں۔

"دی لی جنڈ لیڈیز...... آپ کو اطلاع دی جاتی ہے کہ کل صبح آٹھ بجے بلوچ فیملی کا قافلہ مری کی طرف روانہ ہو جائے گا آپ معزز خواتین میں سے جو خاتون تاخیر کا سبب بنی تو تکلف برطرف...... اسے گھر کی دیکھ بھال کے لیے چھوڑ دیا جائے گا۔" شامی کا انداز ماہر صحافی کا سا تھا۔

"آہا...... ایسے کیسے چھوڑ کر چل پڑیں گے...... میں نے تو ٹوتھ برش تک رکھ لیا ہے۔" نوشین چچی چمک کر بولیں۔

"شامی بیٹا...... بس اتنا خیال رکھنا کہ میری سیٹ کھڑکی کے ساتھ والی ہو...... وومیٹنگ کا مسئلہ ہوتا ہے مجھے۔" نازلی پھوپو دلار سے بولیں۔

"میرا بچہ شہاب...... اتنا بڑا دل کر لیا...... پورے خاندان کے لیے سفر کا خرچہ، ہوٹل میں رہائش، سیر سپاٹے، کتنا پیسہ خرچ کرے گا میرا شابی۔" چچی ذکیہ کا لہجہ بیٹے کی محبت سے چور تھا۔

"لاکھوں کا خرچا آئے گا۔ سنا ہے شمالی علاقہ جات میں مہنگائی آسمان سے باتیں کر رہی ہے۔ یہاں ہر چیز کو آگ لگی ہوئی ہے تو وہاں کیا ہوگا۔" ذکیہ چچی بیٹھے بیٹھے حساب کتاب میں لگ گئیں۔

"ارے بھائی، لاکھوں لگ بھی جائیں تو کیا ہے؟ آخر کو تین بیٹیوں کے بعد بیٹے کی نعمت نصیب ہوئی ہے۔ شہاب خود کہتا تھا اگر اس دفعہ بیٹا ہوا تو جو ٹریٹ مانگو گے ملے گی۔ اب بچوں نے نادرن ایریاز کی سیر کی فرمائش کر دی تو کون سا خزانے کا منہ کھول دیا ہے شہاب نے بلکہ آپ تو خود کہا کرتی تھیں اگر اس دفعہ پوتا ہوا تو خاندان بھر کی دعوت کریں گی۔ دعوت پہ بھی کم و بیش ٹرپ جتنا خرچا آ جاتا۔" نوشین چچی نے فوراً حساب بے باک کیا۔ جیٹھانی کی کنجوس طبیعت پر یہ ٹرپ بھاری پڑ رہا تھا۔ خوب جانتی تھیں، کتنے قیمتی تحائف تو نومولود عکراش کو دیے تھے۔ ایسے میں یہ حساب کتاب کی

باتیں انہیں بری لگ رہی تھیں۔

"یہ ٹرپ تو بہت چھوٹی ٹریٹ ہے" شہاب کہہ رہے تھے عکراش کی پہلی برتھ ڈے پر ہم تمام بزرگ خواتین کو سونے کا کنگن پہنائیں گے۔" ثانیہ نے مسکراتے ہوئے بتایا ساتھ ہی گود میں لیٹے تین ماہ کے عکراش کا محبت سے بوسہ لیا جس نے تین بیٹیوں کے بعد آ کران کی خوشیاں تمام کردی تھیں۔



"دیکھا نہ تھا کبھی ہم نے یہ سماں...... ایسا نشہ تیرے پیار نے دیا۔" وہ ساری کی ساری بلند آواز میں ایک سر میں گا رہی تھیں۔

"پکی میراثنیں لگ رہی ہو۔ ذرا جو کسی ایجوکیٹڈ فیملی کی لگتی ہو لگ رہا ہے کوئی دیہاتی ٹولہ پہلی دفعہ سیر پہ جارہا ہے۔" پہلی نشست پہ بیٹھا یاسر تپ کر گردن موڑ کر بولا تو لڑکیوں کی موج مستی ڈرائیور کے سامنے بری لگ رہی تھی۔

"ایکسکیوزمی دیہاتی نہیں قصباتی ٹولہ۔ واقعی پہلی دفعہ یوں اکٹھے سیر پہ جارہا ہے ورنہ تو آپ مرد حضرات ہی گرمیوں کا موسم ٹھنڈے علاقوں میں دوستوں کے ہمراہ گزار آتے ہیں اور ہم بے چاری مخلوق گھر میں اے سی پنکھوں پہ گزارہ کرتی آرہی ہے۔ یہ تو بھلا ہو شہاب بھائی کا جنہوں نے اپنے فرزند ارجمند کی خاطر اتنا دل بڑا کرلیا ورنہ تو ایسے سیر سپاٹے بس خواب میں ہی ہوسکتے ہیں۔" زوہا نے یاسر کو اچھا خاصا سنایا۔

پھر یاسر تمام راستے ہی خاموش رہا تھا۔ جب کہ لڑکیوں کی تفریح عروج پر تھی جو مری پہنچ کر تھکن کی نذر ہوگئی تھی۔



اگلے دن وہ سیر کو نکل کھڑی ہوئیں۔

"زیادہ دور مت جانا' گروپ کی صورت میں رہنا' موبائل ہر وقت آن رکھنا' دیکھ کے چلنا......" نازلی پھوپو نے ہدایات کی ٹوکری ان کے سر پہ رکھ دی۔

"میں اپنے ہنی مون پہ ادھر ہی آؤں گی' میں نے یاسر سے کہہ دیا ہے۔" شزا نے ہیٹ سر پہ جماتے ہوئے کہا۔ چہار سو قدرتی حسن بکھرا تھا۔ وہ ہر جگہ رک کر سیلفی لے رہی تھیں۔

"گرلز پہلے چیئر لفٹ کے مزے لے لو...... پھر بعد میں



واک ہوتی رہے گی۔" کچھ فاصلے پہ چلتے منیب نے آواز لگائی۔

"یاسر کہہ رہا ہے چیئر لفٹ پہ بیٹھنے میں عجلت نہ کروں وہ اور میں ایک ساتھ بیٹھیں گے۔" شرزا موبائل ہاتھ میں لیے یاسر کا میسج پڑھ کر سنا رہی تھی۔ اس کی آنکھیں محبت کی جوت سے دمک رہی تھیں۔

"شرم کرو چند ماہ بعد تم لوگوں کی شادی ہے صبر کرلو...... یہ انجوائے منٹ شادی کے بعد کرلینا۔" زوہا نے شرمندہ کرنا چاہا۔

"اوہ ڈیئر کزن...... تم کیا جانو ان لحات کی خوشیاں۔" شرزا پر تو مستی سوار تھی۔ زوہا کے چہرے کا رنگ لحہ بھر کو بدلا تھا۔

"ابنی وے...... جس کا جس کے ساتھ پیئر بنے مجھے کیا، میں تو اپنے بھائی کے ساتھ ہی بیٹھوں گی مجھے اونچائی سے ڈر لگتا ہے۔ بلال بھائی کی موجودگی میں ذرا ایزی فیل کروں گی۔" یمنیٰ نے اپنا ارادہ بتایا۔ بلال بھی بہن کے خوف سے آگاہ تھا اس لیے یمنیٰ کے ساتھ خود ہی بیٹھ گیا۔

"آجاؤ زوہا تم بھی ہمارے ساتھ بیٹھو۔" یمنیٰ نے اسے بھی گھسیٹ لیا۔

"اف اتنی بلندی......! اتنا مزہ......" نیچے سرسبز کھائیوں کے اوپر سفر کرنے کا تجربہ ہی انوکھا تھا۔ یمنیٰ بلال کا بازو دبوچے سامنے دیکھ رہی تھی۔ نیچے دیکھنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ بلال نے اپنے موبائل میں سیلفی لی۔ زوہا نے بھی کئی سیلفیاں لیں یمنیٰ کی ڈری ہوئی شکل مزہ دے رہی تھی۔



ان کی اگلی منزل گلیات تھی۔

"اللہ...... دل چاہ رہا ہے کہ ساری گرمیاں یہاں گزاریں۔" اقرا شفاف چشمے کو مسحور کن انداز میں دیکھتے ہوئے بولی۔ شفاف پانی میں تیرتی مچھلیاں صاف نظر آرہی تھیں۔

بے حد قدرتی حسن جا بجا بکھرا ہوا تھا۔ لڑکیاں ہوں اور تصاویر نہ بنیں یہ ناممکن تھا جس کو جو جگہ خوب صورت لگی وہیں کھٹ سے تصاویر بنالیں۔ بلند و بالا پہاڑیوں پہ چڑھتے ہوئے کافی دقت کا سامنا ہوا تھا مگر انہیں موج مستی میں یہ مشقت بھی اچھی لگ رہی تھی۔

اپنے گرد اچھی طرح شال لپیٹے زوہا پہاڑی کے کونے پہ کھڑی نیچے گرتے چشمے کو دیکھ رہی تھی جس کے زمزمہ ماحول کو خواب آگیں بنا رہے تھے۔ چشمہ بہت نیچے گہرائی میں جا کر گر رہا تھا۔ زوہا نے اشتیاق سے ذرا آگے ہو کے نیچے جھانکنا چاہا کہ پاؤں کے نیچے چھوٹے چھوٹے پتھر سرکے اور دونوں پاؤں کا توازن بگڑ گیا تھا اس سے پہلے کہ زوہا نیچے کھائی میں جا گرتی کہ اچانک بلال نے آکر اسے پیچھے سے تھام لیا۔ جو قریب ہی ان خوب صورت مناظر سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

"بے وقوف لڑکی اتنے کنارے پہ کھڑے ہونے کی کیا ضرورت تھی؟" اس نے ڈپٹ کر کہا۔ اسے گرنے سے بچانے کی کوشش اتنی اچانک اور غیر ارادی تھی کہ زوہا دھڑکتے دل کے ساتھ بلال کی بانہوں میں آگئی تھی۔

"شکر کہ میری نظر پڑگئی...... ورنہ تو آج بہت بڑا نقصان ہوجاتا تھا۔" وہ اسے چھوڑ کے ذرا فاصلے پہ کھڑا ہوگیا تھا۔ زوہا گم صم سی سب سن رہی تھی۔

"چلو آؤ باقی سب لوگوں کے پاس چلیں۔" اسے یوں گم ہوئے حواس کے ساتھ دیکھا تو بلال نے اس کا ہاتھ پکڑا اور گروپ کی طرف چل دیا۔



چھٹیاں ختم ہوتے ہی کالج کی مصروفیات شروع ہوگئی تھی۔ بریک ٹائم میں وہ ساری دوستیں باہر گراؤنڈ میں آبیٹھیں۔

"یار زوہا یہ ہینڈسم کون ہے؟" نتاشا نے تحسین آمیز انداز میں اسکرین کی طرف اشارہ کیا۔ اس کے ہاتھ میں زوہا کا موبائل تھا جس میں ساری فرینڈز نادرن ایریا کی سیر کی تصاویر دیکھ رہی تھیں۔

"یہ میرا کزن بلال ہے...... سی ایس ایس کا ایگزام دے چکا ہے۔ ابھی رزلٹ آنا ہے۔" اس نے نرمی سے مسکرا کر کہا۔

"بہت ڈشنگ ہے...... کون ہے خوش نصیب جو اس کے پلے بندھے گی؟" زرش نے شرارت سے آنکھیں گھما

کر پوچھا۔

"فی الحال تو کچھ علم نہیں' اللہ کے بعد ہماری چچی جان ہی جانتی ہیں کہ کون ہوگی ان کی لائف پارٹنر۔" آرام سے کہتے ہوئے اس نے موبائل واپس لیا۔

گھر آ کر بھی ان سب کی باتیں اس کے ذہن میں گھومتی رہی تھیں۔ دل تو چاہ رہا تھا کہ صاف کہہ دیتی کہ ان کی زندگی میں میرے سوا کوئی نہیں آ سکتا کہ میرے دل کی تختی پہ ان کا نام لکھا جا چکا ہے۔ میرے دل نے ان کے نام پہ دھڑکنا شروع کر دیا ہے اور ایسا کیسے ہوسکتا ہے کہ میں ان کی محبت کی آنچ میں پور پور جلوں اور انہیں علم تک نہ ہو۔ جب مری میں بلال نے اسے گرنے سے بچانے کے لیے اس کا ہاتھ تھاما تو اسے لگا تھا کہ جیسے کائنات تھم سی گئی ہے۔ وقت نے دم سادھ کے اسے دیکھا ہو جو اپنا دل اسی ایک لمحے میں ہار گئی تھی۔



"بلوچ ہاؤس" میں یاسر اور شہزانہ کی شادی کے ہنگامے شروع ہو گئے تھے۔ بلال نے سی ایس ایس میں اچھی پوزیشن لے لی تھی۔ ایک بہت اچھی جگہ پہ جاب بھی مل گئی تھی۔ ناصرہ چچی نے بھی سوچا کہ ان کے صاحب زادے کے سہرے کے پھول کھل جانے چاہیں۔ یمنیٰ کو اس کی انگلینڈ والی آنٹی بچپن سے مانگ چکی تھی۔ بدلے میں ناصرہ چچی نے بہن سے اپنے خوبرو بیٹے کے لیے ان کی شمائل مانگ لی تھی۔

"اللہ جب شمائل بھابی مکمل برٹش لہجے میں انگریزی میں بات کریں گی تو گھر کی خواتین پہ کیا گزرے گی؟" شامی نے ہنس کر کہا۔ اس کے حواسوں پہ بم گرا تھا۔ یہ سب لوگ کیسی باتیں کر رہے تھے؟ اسے سمجھ میں نہیں آ رہی تھی یا سمجھنا نہیں چاہ رہی تھی۔

"ارے نہیں ایسی بات نہیں' شمائل بہت اچھی اور صاف اردو بولتی ہے۔ کچھ سال قبل ایک شادی کے فنکشن میں ملاقات ہوئی تھی۔" امبر نے بتایا۔

"جو بھی ہو' ان کے لائف اسٹائل اور بلوچ ہاؤس کے لائف اسٹائل میں بڑا فرق ہے۔ پتا نہیں وہ یہاں ایڈجسٹ کر پائیں گی یا بلال بھائی کو اچک کر لے جائیں گی۔" حسن نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

"چچی ناصرہ اپنا ہیرا پتر ایسے نہیں دے سکتیں' ویسے بھی بلال بھائی اور شمائل کی اتنی انڈراسٹینڈنگ ہوگئی ہے کہ وہ آسانی سے یہاں سیٹ ہو جائے گی بلکہ جہاں محبت ہو' وہاں ہر طرح کی گنجائش نکل آتی ہے۔" اقرأ یقین سے کہہ رہی تھی۔

"بالکل...... بلال بھائی تو یہ کہتے ہیں کہ جہاں ان کی پوسٹنگ ہوگی وہ شمائل کو اپنے ساتھ وہیں لے جائیں گے۔" یمنیٰ نے مزید معلومات فراہم کیں۔

"اے زوہا' تم بتاؤ' تم ولایتی بھابی سے کس قسم کی توقعات باندھے بیٹھی ہو؟" مریم نے اس کا کندھا ہلا کر جیسے اسے جگایا۔

"ہاں...... میں کیا کہہ سکتی ہوں...... اقرأ ٹھیک کہہ رہی ہے جہاں محبت ہو وہاں ماحول کوئی معنی نہیں رکھتا...... محبت اپنا ماحول خود بناتی ہے۔" وہ خود کو سنبھالتی وہاں سے اٹھ گئی تھی۔

❁......❁......❁......❁

آنے والی مہمان خواتین بے حد معزز' خوش اخلاق اور خوش حال نظر آ رہی تھیں۔ ڈرائنگ روم کا ماحول بے حد دوستانہ تھا۔ امی کی ہدایات کے مطابق اس نے مہمانوں کو خود چائے بنا کر سرو کی تھی۔

"ارے بیٹا...... ادھر آؤ ہمارے پاس بھی تو بیٹھو۔" لڑکے کی پھوپو نے بے حد محبت سے اس کا ہاتھ تھام کر اپنے قریب بٹھایا۔ گفتگو کا رخ اس کی پڑھائی' مشاغل اور گھر کی روٹین کی طرف مڑ گیا تھا۔ بہت سارے تحائف وہ اپنے ساتھ لائی تھیں۔ برانڈڈ کپڑے' جوتے' میک اپ' مٹھائی' پھول اور جاتے ہوئے پانچ ہزار اس کی ہتھیلی میں رکھ دیے تھے۔

"امی......! یہ سب کیا ہے؟" اس نے بے حد شاکی نظروں سے ماں کو دیکھا۔

"زوہا...... یہ سب میری دعاؤں کا اعجاز ہے' تمہارے اچھے نصیب کی جھلک ہے۔" شہلا بہت اطمینان سے بولیں۔

"امی میں آپ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی۔ میں بلوچ ہاؤس کو چھوڑ کے کہیں نہیں جاؤں گی' میرا دل اس جنت کے سوا کہیں اور نہیں لگ سکتا۔" وہ ماں سے لپٹ کر سسکتے ہوئے کہہ گئی۔

ابھی تو نئی نویلی محبت میں کوئی رنگ بھرا ہی نہ تھا کہ اس کے خوابوں پہ پہرہ لگا دیا گیا اور اپنی محبت کی مرگ پہ جی بھر کر نوحہ بھی نہ پڑھنے دیا گیا تھا۔

"نہیں تمہاری جنت عدیل احمد کا گھر ہے۔ جس کی تم اکیلی مالک ہوگی۔ سیاہ سفید کی مالک...... نہ نند نہ ساس' نہ دیورانی' بلوچ ہاؤس کی کوئی لڑکی اچھے نصیب میں تمہاری ہم پلہ نہیں ہوسکتی...... راج کرے گی میری رانی۔" شہلا نے اس کے ماتھے کا بوسہ لیا اور اچھی بیٹیاں ماں باپ کی خاطر کہانی کا رخ موڑ دیتی ہیں۔ قلم توڑ دیتی ہیں۔ اس نے سوچ لیا تھا۔

❀......❀......❀......❀

"مسز کیا پکا ہے آج؟" عدیل چینج کرکے کچن میں آ گیا تھا۔

"بینگن بھنڈی۔" زوہا نے سپاٹ انداز میں جواب دیا۔

"کیا...... ! بینگن بھنڈی' ان دو سبزیوں کا آپس میں کیا جوڑ؟ یہ تو الگ الگ پکائی جاتی ہیں۔" عدیل اس کا جواب سن کر حیران ہوا۔

"پکائی جاتی ہوں گی' ہمارے گھر میں تو ایک ساتھ پکتی ہیں۔" اس نے بے نیازی سے کہہ کر میز پہ کھانا لگانا شروع کردیا۔ عدیل خاموش ہوگیا۔ روٹیاں بھی تکون' مستطیل اور بیضوی شکل کی تھیں سوائے گول شکل کے۔ کچھ جلی ہوئی اور کچھ کچی پکی۔

"مامی رشیدہ نے تو کہا تھا کہ لڑکی پڑھی لکھی' خوب صورت اور سلیقہ مند ہے تو کیا اچھا کھانا پکانا سلیقہ مندی میں نہیں آتا؟" وہ دل ہی دل میں سوچ رہا تھا۔

یہ کوئی آج کی بات نہ تھی۔ پچھلے دو ماہ سے زوہا کوئی نہ کوئی ملغوبہ سالن کے نام پہ اس کے سامنے رکھ دیتی تھی۔ کل کدو اور انڈے کا مکسچر کھانے کو ملا تھا۔ کوفتے بنائے تو اتنے سخت کہ کانٹے سے بھی نہ کٹے تھے۔ سویوں سے ٹپکتا شیرہ۔ روز کی طرح کھانے کے بعد وہ چائے کا کپ لے کر بیڈ روم میں آ گئی اور روز کی طرح چائے' پتلی کالی اور بدمزہ تھی۔

"زوہا جان...... جب دودھ اتنا زیادہ ہوتا ہے تو چائے ذرا گاڑھی بنایا کرو۔" وہ کڑے دل کے ساتھ گھونٹ بھرتے ہوئے بولا۔

"کیا مطلب ہے آپ کا...... میں خراب چائے بناتی ہوں؟" بالوں کو کیچر سے آزاد کرتے ہوئے وہ بگڑ کر بولی۔

"اگر چائے گاڑھی کرنی ہے تو میں دودھ لا دیتی ہوں' خود شامل کرلیا کریں۔"

"ارے نہیں جان...... تمہارے ہاتھوں تو زہر پینا بھی منظور ہے۔ یہ چائے کیا چیز ہے۔" عدیل اس کے قریب ہوتے ہوئے محبت سے بولا۔ جو بھی تھا اسے اپنی یہ روٹھی' نخریلی اور خوب صورت بیوی اپنے تمام تر پھوہڑپن کے باوجود دل وجان سے پسند تھی۔ وہ اس کی معصومیت پر مرمٹا تھا۔

❀......❀......❀......❀

ڈھائی بجے کے قریب عقیلہ پھوپو کی مع فیملی ان کے گھر آمد ہوئی تھی۔ عقیلہ پھوپو زوہا کی مامی حسنہ کی بہت اچھی دوست تھیں' جن کے توسط سے یہ رشتہ انجام پایا تھا۔

"تمہارے پھوپا کے کاروباری دوست ابراہیم کا پچھلے ہفتے کافی شدید ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ تمہارے پھوپا تو ابھی تک دوست کے پاس بیٹھے ہیں' واپسی پہ ہمیں لیتے جائیں گے۔ میں نے سوچا تمہاری طرف ہوتے چلیں۔" عقیلہ پھوپو اپنے بھاری بھرکم سراپے کو صوفے پہ گراتے ہوئے بولیں۔ ان کی نظریں گھر کا جائزہ لے رہی تھیں۔ گھر چمک رہا تھا اور زوہا نئی نویلی دلہن کی مانند ازدواجی خوشیوں سے مسرور نظر آ رہی تھی۔ وہ فوراً ان کی خدمت میں جت گئی۔ لنچ تو وہ لوگ کر کے آئے تھے۔ وہ ڈنر کی تیاری میں لگ گئی تھی۔

"بریانی' سالن میں قورمہ' میٹھے میں سوجی کا حلوہ اور مٹن

کڑاہی پکالیتی ہوں اور عدیل نان اور آئس کریم اسی وقت جا کر لے آئیں گے۔" اس نے جھٹ سے مینو ترتیب دیا۔
شام سات بجے کے قریب عدیل کی آمد ہوئی۔ وہ پھوپو کی فیملی کو گھر میں دیکھ کر بے حد خوش ہوا تھا۔ پھوپا خلیق بھی تب تک آ گئے تھے۔
"ہم تو سلام دعا کے لیے آئے تھے مگر دلہن نے رات کے کھانے پر روک لیا۔" پھوپو عقیلہ نے مسکراتے ہوئے بتایا۔ عدیل نے بے حد پریشان ہو کر زوہا کو دیکھا۔
"کیا کھانا باہر سے منگوانا ہے؟" اس نے پوچھا۔ نظریں مہمانوں پہ تھیں۔
"نہیں بس نان اور آئس کریم لے آئیں۔ باقی سب میں نے خود پکالیا ہے۔" زوہا نرمی سے بولی۔
عدیل کا سر لمحے بھر کو چکرایا تھا۔ آج مہمانوں کے سامنے خوب مذاق اڑنا تھا۔ جو کھانے زوہا دو ماہ سے اسے کھلا رہی تھی اگر وہ آج یہ لوگ کھا لیتے تو اس کی خانگی زندگی کا خوب تماشا بننا تھا۔ خیر پریشان و الجھی طبیعت کے ساتھ وہ نان اور آئس کریم لے آیا تھا۔
کھانا میز پر چن دیا گیا۔ ہاتھ دھو کر وہ ڈرتے ہوئے کرسی پہ آ بیٹھا۔ زوہا خوش اخلاقی سے مہمانوں کو ایک ایک چیز پیش کر رہی تھی۔
"بھابی..... آپ کے ہاتھ کے ذائقے کا تو جواب نہیں' کمال ہے۔" پھوپو کی بہو زیرہ قورمے سے بھرپور انصاف کرتے ہوئے توصیفی انداز میں بولی۔ عدیل غش کھاتے کھاتے بچا تھا۔ سب کو کھانے میں مگن دیکھ کر اس نے بھی بسم اللہ کی۔ واقعی مٹن کڑاہی کا تو جواب نہیں تھا۔ اگر یہ سب زوہا نے پکایا تھا تو وہ سب کیا تھا جو وہ دو ماہ سے طوعاً و کرہاً کھا رہا تھا۔
کھانے کے بعد زوہا پھوپو اور پھوپا جان کے لیے چائے بنا کر لے آئی۔ باقی سب نے آئس کریم کو ترجیح دی تھی۔ چائے بے حد مزیدار اور سٹرونگ تھی۔ کھانا کھانے کے بعد مہمان زوہا کے کھانوں کی تعریف کرتے رخصت ہو گئے تھے۔

"کیوں آج کے مینیو میں توری چنا اور بادامیوں والے کریلے شامل کرنا بھول گئی تھیں؟" نائیٹ سوٹ میں ملبوس اس نے طنز سے پوچھا۔
"ہاں..... شاید بھول گئی تھی۔ کل سے پھر پکانا شروع کروں گی۔" وہ ازحد معصومیت سے بولی۔
"تیری تو....." عدیل نے مسکراہٹ دباتے ہوئے اسے اپنے حصار میں لے لیا تھا۔



"چلو تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے چلتا ہوں۔" عدیل نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھڑا کیا۔
"نہیں' اس کی ضرورت نہیں۔ ٹیبلیٹ لے لی ہے میں نے..... اب کچھ فرق ہے۔" وہ کمزور سے لہجے میں بولی۔
"کوئی فرق نہیں ہے..... صبح سے تمہاری طبیعت ڈل لگ رہی ہے' رات بھی کچھ نہیں کھایا۔" وہ اس کی ایک نہ سنتے ڈاکٹر کے پاس لے آیا مگر ایک دو ڈوز لینے کے باوجود بھی معمولی سا ٹمپریچر اچھے خاصے بخار میں بدل گیا تھا۔ پورا دن وہ بے سدھ پڑی رہی تھی۔ ایسے میں عدیل ایک منٹ کے لیے اس کے پاس سے نہیں ہٹا تھا۔ اسے سوپ پلایا۔ میڈیسنز خود کھلائیں' گاہے بگاہے سر دباتا رہا' آفس ایک دن کی چھٹی لے رکھی تھی۔ ہر پانچ منٹ بعد اس کا بخار چیک کرتا..... مکمل توجہ' محبت اور آرام کی بدولت کوئی تیسرے دن جا کر زوہا کی طبیعت سنبھلی تھی۔ عدیل کی تو جان میں جان آئی تھی۔ ورنہ تو اس کی کملائی صورت دیکھ کر من کو قرار نہ رہا تھا۔
نازلی پھوپو کے جیٹھ کے دو بیٹوں اور ایک بیٹی کی شادی تھی۔ دیارِ غیر میں مقیم عزیزوں کی آمد ہوئی تو خاندان میں شادیوں کا سلسلہ ہی شروع ہو گیا تھا۔ وہ بھاری بھرکم بیگ بنا کر بلوچ ہاؤس آ گئی تھی۔ ارادہ کافی دن قیام کا تھا۔ شہلا بھی اس کا اتنا بھاری بھرکم بیگ دیکھ کر چونکیں۔
"زوہا..... ابھی شادی شروع ہونے میں دو دن رہتے ہیں۔ تم مایوں والے دن آ جاتیں۔ پیچھے عدیل اکیلا ہے' اس کے کھانے پینے اور کپڑوں کا مسئلہ ہوگا۔" انہیں داماد کی مشکل

کا احساس ہوا۔

"ڈونٹ وری امی! میں کافی کھانے پکا کر فریج میں رکھ آئی ہوں اور کپڑے بھی سارے پریس کر دیے ہیں۔" وہ چڑ کر بولی۔

"بیٹی دل خوش کرنے کو ادھر آ گئی ہے اور انہیں داماد کی فکر ستا رہی ہے۔" وہ شادی سے پہلے آ گئی تھی اور ارادہ شادی کے بعد بھی کافی دن میکے میں رہنے کا تھا۔ بلوچ ہاؤس میں وہی رونقیں، چہل پہل تھی اب تو شادیوں کی وجہ سے اور بھی گہما گہمی بڑھ گئی تھی۔ بازاروں کے چکر، رات کو دیر تک جاگنا، باتیں، ہوٹلنگ...... زندگی کے یہی رنگ تو اسے عزیز تھے۔ انہی محبتوں میں اس کا دل دھڑکتا تھا۔ اتنی ساری محبتوں کے ہوتے ہوئے وہ دور ایک اکیلے گھر میں ایک محبت پہ قناعت کیسے کر لیتی۔ بلوچ ہاؤس سے دوری ایک سانحے کی طرح اس کے دل پہ اتری تھی۔ رات کو مہندی کی تقریب تھی۔ اس کی بری کے سارے سوٹ بہت پیارے اور قیمتی تھے، بس فائقہ سے گھر پہ بیوٹی ٹریٹمنٹ کروالی تھی۔

بلوچ ہاؤس سے وہ سب وہاں آئی تو شادی والا گھر بقعہ نور بنا ہوا تھا۔ تین شادیوں کا مشترکہ فنکشن ایک کرائے کے گھر میں منعقد کیا گیا تھا۔ وجہ ایک تو وقت کی کمی اور دوسرا شہر کے کونے کونے سے آئے رشتہ داروں کی سہولت کو بھی مدنظر رکھا گیا تھا۔ ڈیپ ریڈ اور ہنی کلر کے کامدار شرارے اور لانگ شرٹ کے ساتھ وہ کافی خوب صورت لگ رہی تھی۔ اسٹائلش گھینئی ہیلز اور نفیس میک اپ۔

"شہلا...... ماشاء اللہ تمہاری بیٹی خوش لگ رہی ہے۔ نصیب سے اچھا داماد ملا ہے تمہیں۔" رشتہ دار خواتین کے جملے شہلا کا سیروں خون بڑھا رہے تھے۔ تقریب شروع ہوگئی تھی۔ اس نے تصاویر لینی تھیں، اس کا موبائل بیگ میں تھا اور بیگ وشمہ کے پاس۔

"یہ وشمہ کہاں ہوگی؟" پاس سے گزرتی کزن سے پوچھا۔

"اوپر ہے شاید۔" اس نے کوفت سے سر اٹھا کر اوپر جاتی کارپٹ سے ڈھکی سیڑھیوں کو دیکھا۔ بھاری شرارے اور ہائی ہیلز کے ساتھ سیڑھیاں چڑھنا کافی دشوار کام تھا۔ چٹکی سے شرارہ تھامے وہ سہج سہج کر اوپر چڑھ رہی تھی کہ کوئی تیزی سے نیچے کی طرف آتا ہوا بری طرح اس سے ٹکرایا تھا۔ اس کا توازن بگڑا اور ایک زوردار چیخ کے ساتھ لڑھکتی ہوئی وہ نیچے آ گری تھی۔

"اندھی...... جاہل......" اس نے چونک کر سر اٹھایا اور بلال کے منہ سے یہ الفاظ سن کر گنگ رہ گئی تھی۔



تقریب کی رونق اپنے عروج پہ تھی۔ سیڑھیوں کے پہلے اسٹیپ کے قریب زمین پہ پڑی وہ کراہ رہی تھی۔ اس سے ٹکرانے والا تو شاید تقریب کے ہنگامے کا حصہ بن گیا تھا آتے جاتے کسی کی اچانک اس پہ نظر پڑی تھی۔

"ارے یہ تو زوہا ہے...... کوئی شہلا کو بلاؤ۔"

"کیا ہوا میری بیٹی کو؟" شہلا افتاں و خیزاں بھاگتی ہوئی آئیں...... پیچھے منیب بھی آ گیا تھا۔

"اس کے پاؤں میں موچ آ گئی ہے...... کیسے گری؟ کیا ہوگیا ہے اچانک؟" اس کے سوجے پاؤں سے بہ مشکل سینڈل اتاری تھی۔ منیب نے گاڑی اسٹارٹ کی اور شہلا اسے لے کر واپس بلوچ ہاؤس آ گئیں۔

"امی کچھ کریں...... مجھے بہت درد ہو رہا ہے۔" کراہتے ہوئے بولی۔

"رات کے دو بج رہے ہیں، اب اس وقت کہاں کوئی ڈاکٹر ملے گا؟ صبح کسی آرتھوپیڈک کو دکھائیں گے۔ موچ تو آ گئی ہے، اللہ کرے ہڈی کو کوئی نقصان نہ ہوا ہو اور تمہیں ضرورت کیا تھی اتنی اونچی ہیلز پہن کر سیڑھیاں چڑھنے کی۔" شہلا غصہ سے بولیں۔ ہلدی اور آٹے کا لیپ پاؤں پہ لگا کر کس کے پٹی باندھ دی تھی۔ ساری رات درد میں تڑپتے گزری تھی۔



وقت کی کمی کے باعث بارات کے ساتھ ہی ولیمے کا فنکشن تھا۔ شہلا منیب کے ساتھ اسے آرتھوپیڈک ڈاکٹر کے پاس لے آئیں، ایکسرے اور ضروری ٹیسٹ کے بعد اس

کے پاؤں پہ پلستر چڑھادیا گیا تھا۔ بیڈ ریسٹ کی سخت تاکید کی گئی تھی۔

"مگر امی میں سارا دن اکیلی گھر میں کیسے رہوں گی؟" شہلا کو شادی میں جاتا دیکھ کر وہ روہانسی ہو کر بولی۔

"میری جان...... میرا جانا ضروری ہے...... خاندان کا معاملہ ہے' کافی رشتہ دار آئیں گے...... ملنا ملانا ہوگا' دلہوں کو سلامی دینی ہے سمجھا کرو' تمہارے بعد میں نے تمہاری تین بہنیں بیاہنی ہیں۔ سب سے سلام دعا کا یہ اچھا موقع ہے ورنہ کہاں پھر یہ موقعہ نصیب ہوگا؟" شہلا اس کے ماتھے پہ بوسہ دے کر چلی گئیں۔

بلوچ ہاؤس بھائیں بھائیں کر رہا تھا اور اس کے دل میں سناٹے اترنے لگے تھے۔ انہی سناٹوں میں مانوس قدموں کی چاپ ابھری...... بے حد مانوس...... بہت اپنی...... اس کی بہنیں اور کزنز...... ماں باپ...... سب بہت دور کسی کی خوشیوں میں شریک خوش ہو رہے تھے اور وہ اتنے بڑے گھر میں تنہا' چلنے سے لاچار بستر پہ پڑی سوچ رہی تھی کہ اس نے بلوچ ہاؤس میں کتنے دن رکنے کا ارادہ کیا تھا' کتنی ڈھیر ساری محبتیں اس نے دیکھی تھیں یہاں مگر اس وقت اسے اس چھوٹے' خوب صورت سے گھر میں ملنے والی اکلوتی محبت یاد آ رہی تھی جس کی اس نے کبھی قدر نہ کی تھی۔ بیماری کے ایام میں عدیل اس کی پٹی سے لگ کر بیٹھ گیا تھا۔ آفس سے بھی چھٹی لے لی تھی۔ سوپ' دلیہ' جوسز سب کچھ اپنے ہاتھوں سے اسے بصد اصرار کھلاتا پلاتا رہا تھا۔ بخار اترنے کے بعد قریبی پارک میں اسے واک کرانے لے جاتا تھا' سر دباتا' بالکل غیر تعلقی کا تاثر دیے وہ ان ساری خدمات کے مزے لیتی رہی تھی۔ دن او گھتے جاگتے گزر گیا تھا اور اب پہاڑ جیسی رات سر پہ کھڑی تھی۔ شہلا پتا نہیں کب لوٹتیں...... اللہ جانے رخصتی کب ہونی تھی۔

اس نے ہاتھ بڑھا کر موبائل اٹھایا۔ اس کی ساری کزنز کے دعائیہ میسجز آئے ہوئے تھے۔ محبت لٹاتے لمبے چوڑے بیانات...... فکر مندی جھلکاتی سطریں...... اس نے ڈیلیٹ آل کا بٹن منتخب کیا تھا۔ اب کانٹیکٹ نمبر سلیکٹ کرنے کے بعد موبائل کان سے لگا لیا تھا۔ عدیل کے نمبر پر کال جا رہی تھی۔

"ہیلو زوہا...... میری جان کیسی ہو؟" اس نے میٹھے انداز میں پوچھا۔

"عدیل...... پلیز آ جائیں...... مجھے آ کر لے جائیں۔" وہ بے آواز روتے ہوئے بولی۔

"اس وقت تو رات کے بارہ بج رہے ہیں؟" وہ حیران ہوا۔ "یار...... رات گزرنے دو...... صبح ہوتے ہی خادم حاضر ہوگا۔" وہ شوخ ہوا۔

"نہیں...... ابھی اور اسی وقت آئیں اور آ کر مجھے لے جائیں...... میرے پاؤں میں موچ آ گئی ہے' مجھے بہت درد ہو رہا ہے۔" وہ بلک بلک کر رو دی۔ درد سے زیادہ اسے کسی اور احساس نے بے حال کر دیا تھا۔

"اوہ...... میں سمجھا تمہیں میری یاد آ رہی ہے...... ریلیکس جان ابھی آتا ہوں بس۔"

ہاں واقعی یاد آ رہی تھی...... عدیل کی' گھر کی...... محبت لٹاتے در و دیوار کی...... وہ سب بتائے گی کہ اس چھوٹے سے گھر کے علاوہ وہ کہیں نہیں رہ سکتی...... اپنے ہمدم کی محبت کا جواب محبت سے دے گی۔ اس کے جذبات کی بے قدری نہیں کرے گی۔ نخوت' ناقدری' لاپروائی' اور لاتعلقی کا خود ساختہ خول یہیں بلوچ ہاؤس میں اتار کر جائے گی...... قربت کے مہربان لمحوں میں وہ عدیل کو صاف بتا دے گی کہ ڈھیر ساری محبتوں کی بجائے اس کے لیے صرف ایک کی محبت کافی ہے...... خلوص' احساس اور اپنائیت والی محبت۔

درد کا احساس قدرے کم ہو گیا تھا۔ موبائل ایک طرف رکھ کر اس نے آنکھیں طمانیت سے بند کر لی تھیں۔ اس کے کان اب صرف گاڑی کے ہارن کے منتظر تھے۔



تیرا ادا دل

یاسمین نشاط

رات کے پچھلے پہر وقت عبادت جاناں
ہاتھ اٹھانا تو مجھے حرف دعا میں رکھنا
بے رخی کہ نہ خلاؤں میں فنا کردینا
دل کو رکھنا تو محبت کی ردا میں رکھنا

اک قصہ اڑتے پتوں کا
جو سبز رتوں میں خاک ہوئے
اک نوحہ شہد کے چھتوں کا
جو فصل گل میں راکھ ہوئے
کچھ باتیں ایسے رشتوں کیں
کچھ بیچ نگر میں ٹوٹ گئے
جو یادیں ایسے ہاتھوں کی
جو بیچ بھنور میں چھوٹ گئے
تم دشت طلب میں ٹھہر گئے
ہم قریۂ جاں کے پار گئے
یہ بازی جاں کی بازی ہے
تم جیت گئے ہم ہار گئے

یہ جوہر ہائشی علاقے سے باہر نکلتے ہی دائیں طرف کو گنجان آباد بازار ہے ناں اس کے بائیں طرف والی دورویہ سڑک جس کے کنارے تمام برانڈڈ دکانیں ہیں اور جو برانڈڈ نہیں ہیں ان کے آگے اسٹال لگائے کپڑے، جوتے، جیولری، ڈھائی سو روپے کی جینز اور پندرہ سو کی لیدر جیکٹ بیچنے والے اور ان کے آگے؛ زینت ٹاور کی تہہ خانے میں بیٹھے پٹھان جو اپنی دکانوں پر چائنیز جوتوں کا انبار لگائے جس میں سارے برانڈز آپ کو حیرت انگیز قیمتوں میں مل جائیں یا ذرا آگے دائیں طرف کو چھوٹی سی دکان میں ٹوٹے، خراب کھلونوں، بیٹری والی گاڑیاں اور اسکوٹرز ٹھیک کرنے والا کاریگر اور اس کے ذرا آگے جا کر اوپر جاتی سیڑھیوں کے ساتھ دیوار کے ساتھ اپنی دکان سجائے میلے کچیلے کپڑوں والا موچی؛ جس کی خود کے جوتے میں دس ٹانکے لگے ہوئے ہیں لیکن جو چیز چونکاتی ہے وہ اس کا چہرہ ہے اس کے کام اور کپڑوں سے میل نہ کھانے والا چہرہ جو دور سے ہی دیکھنے والے کو ایک کے بعد دوسری نظر ضرور ڈالنے پر مجبور کردیتا ہے آج کل حسن اتنا عام ہوگیا ہے کہ چائے والا، گوشت والا اور ریڑھیوں پر آواز لگا لگا کر گول گپے بیچنے والا اور تو اور روی خریدنے والا بھی حسن کی دولت سے مالا مال نظر آتا ہے۔ گلی گلی؛ محلے محلے پھر کر گھروں سے کچرا اٹھانے والے اگر منہ دھولیں تو سبز آنکھوں اور صاف شفاف رنگت والے پٹھان نکلتے ہیں۔ تو وہ جو سر جھکائے ٹوٹے ادھڑے جوتوں کی سلائی کرتا تھا اپنے بکسے میں سخوں، پتلے کیل اور اپنے اوزاروں کے نیچے کچھ چھپائے بیٹھا تھا۔

وہ جو نظر اٹھا کر آنے والے کو نہیں دیکھتا تھا۔ کسی سے بات نہیں کرتا تھا۔ جو ہر وقت اپنے کام میں منہمک رہتا تھا۔ اس کا انہماک ٹوٹا بھی تو کیسے؟ جب کسی نے اپنی سیاہ برانڈڈ جوتی میں مقید پاؤں کو اس کے آگے رکھ کر بے حد عام سے لہجے میں کہا تھا۔

"اسے صاف کردو۔" اور جوتی صاف کرتے ہوئے اس موچی نے نگاہ اوپر نہیں اٹھائی تھی۔

"اوپر دیکھو میری طرف؟" آواز میں تحکم بھرا ہوا تھا۔

"گناہ گار مت کریں۔" وہ کچھ اور جھک گیا۔

"کبھی تو دیکھو گے۔" پاؤں زور سے پٹخا اور رفتہ رفتہ دور ہو گیا

تھا۔ اس جوتے گانٹھنے والے نے پھٹتے' ادھڑتے دل پر بے نیازی کا پھاہا رکھا اور تیزی سے دوسرا جوتا سینے لگا تھا۔



کرسی پر جھولتے ہانیہ جرار نے شیشوں کے اس پار دیکھا۔ بارش زور و شور سے برس رہی تھی' لان میں لگے سارے پودے دھل کر نکھر گئے تھے۔ سبز' سرخ' نارنجی سارے ہی رنگ لان میں بکھرے ہوئے تھے۔ اس کے خواب گاہ سے لان اور داخلی دروازا پورا نظر آتا تھا۔ ملازمہ دروازہ بجا کر اندر آئی اور کافی کا مگ اس کے آگے رکھ گئی۔ روز کے معمول کے مطابق پوچھے جانے والا جملہ "صاحب آ گئے؟" آج اس نے نہیں دہرایا تھا۔ ملازمہ نے بھی کوئی بات نہیں کی۔ وہ کافی سے اٹھتی بھاپ کو دیکھتی رہی حتیٰ کہ کافی ٹھنڈی ہو گئی اور شیشے کے مگ پر بھی ویسے ہی قطرے ابھر آئے جو بارش کے باعث کھڑکی کے شیشے پر ٹھہر گئے تھے۔

اس نے کرسی سے ٹیک لگالی اور کمرے میں نظر دوڑانے لگی۔ ہلکا سفید اور ہلکے فیروزی کا مجموعے سے مزین یہ اس کی خواب گاہ تھی۔ اس کمرے کی ہر چیز نفیس' قیمتی' درآمد شدہ تھی' ہانیہ جرار نے ازخود اس سارے کمرے کی سجاوٹ کی تھی۔

جہازی سائز خواب گاہ میں ضرورت کی ہر چیز موجود تھی۔ سوائے اس شخص کے جس کی بدولت وہ اس کمرے کی مکین ہوئی تھی۔ جرار ابشام مشہور شخصیت کا مغرور بیٹا۔ جرار ابشام...... مغرور بیوی کا مغرور شوہر۔ جس طبقے سے ان دونوں کا تعلق تھا وہاں دلی وابستگی کم ہی ہوتی تھی۔ ضرورت کے رشتے دولت کے ترازو میں تلتے اور پلڑا برابر کرنے کے لیے رشتہ داریاں بنائی جاتی تھیں۔ روپیہ پیسہ' گاڑیاں' بنگلے' غیر ملکی دورے' خریداری' دعوتیں' جعلی زندگی' جعلی محبتیں' جعلی مسکراہٹیں' اس طبقے میں احساس نام کی چڑیا کو پیدا ہوتے ہی مار دیا جاتا تھا اور حساس ہونا جرم قرار پاتا تھا۔ میک اپ کی دبیز تہوں میں چھپا چہرہ بلاٹنگ پیپر (سیاہی چوس) سے زیادہ کچھ نہ ہوتا تھا۔

ہانیہ زبیر احمد نے بھی ایک ایسے ہی طبقے میں جنم لے لیا تھا۔ جہاں ایک دوسرے کے لیے کسی کے پاس سوائے دولت کے کچھ نہ تھا۔ ہانیہ سے بڑے دو بھائی حذیفہ زبیر اور عبدالرافع زبیر باپ کے نقش قدم پر چل رہے تھے۔ ہانیہ کی پیدائش عبدالرافع سے کم و بیش پندرہ سال بعد ہوئی تو اس لیے بیگم زبیر احمد کو شرمندگی محسوس ہوتی تھی۔ انہوں نے اس کا خیال تو کیا رکھنا تھا' توجہ ہی نہ کی اور توجہ تو خیر انہوں نے بڑے بیٹوں پر بھی نہ کی تھی' آیاؤں کے رحم و کرم پر پلنے والے بچے ماں کی ممتا اور حلاوت سے ناآشنا ہی تھے۔ سو ہانیہ زبیر احمد بھی اپنے بھائیوں کی طرح

پل ہی گئی تھی۔
ملازمہ دستک دے کر اندر آئی اور "صاحب" کے آنے کی اطلاع دے گئی تھی۔
"نصیب دشمناں زہے نصیب۔" وہ زیر لب مسکرائی آج تین دن بعد "صاحب" کو گھر کی راہ یاد آئی تھی۔ اسے ایک دم سے سردی کا احساس ہوا۔ اس نے کندھوں پر پڑی شال کو لپیٹا اور پھر سے نظریں کھڑکی پر جمادیں۔ بارش تھم گئی تھی اور شیشے پر ٹھہرے قطرے ایک ایک کر کے پھسل رہے تھے۔
"مجھے رزلٹ چاہیے۔" جرار ابشام کی آواز کمرے میں گونجی تھی۔ وہ فون پر بات کرتا اندر داخل ہوا تھا۔
ہانیہ نے گردن موڑ کر دیکھا۔ جرار بات کرتا ہوا بیڈ پر بیٹھ گیا۔ اس نے ایک بار بھی ہانیہ کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ ہانیہ اٹھ کر واش روم کی طرف چلی گئی۔ منہ پر پانی کے چھینٹے مارتے ہوئے اس نے اپنا چہرہ دیکھا اور ہنس دی۔ ہانیہ زبیر احمد سے ہانیہ جرار کا سفر کرنا کتنا کٹھن اور سہل تھا یہ اس کے علاوہ کوئی بھی نہ جانتا تھا۔ وہ باہر نکلی تو جرار چائے پی رہا تھا۔ نظریں ملیں تو ایک رسمی سی مسکراہٹ کا تبادلہ ہوا۔
"تیار ہوجاؤ ڈنر پر چلنا ہے۔" رسمی زندگی کی رسمی باتیں۔ اس نے سر ہلایا۔ جرار نے خود ہی وارڈ روب سے لباس نکالا' زیورات منتخب کیے اور ڈرائیور سے کہہ کہ اسے پارلر لے جائے۔ (وہ جانتا تھا یہ کام وہ خود سے نہیں کرے گی) اس نے اپنا موبائل اور بیگ لیا اور چپ چاپ جا کر گاڑی میں بیٹھ گئی۔ بھاگتے دوڑتے مناظر میں وہ خود سر ہانیہ زبیر احمد کو ڈھونڈنے کی ناکام کوشش کرتی رہی تھی۔

❁......❁......❁......❁

فاطمہ نے دس سال بے اولادی کے دکھ کاٹے تھے کوئی درگاہ' کوئی ڈاکٹر' کوئی پیر بابا جہاں جہاں کسی نے بتایا تھا وہ ماتھا ٹیکنے پہنچی تھی۔ اولاد کی محرومی سے بڑا دکھ شاید ہی کوئی ہو' زندگی جس اذیت سے گزر رہی تھی وہی جانتی تھی۔ نذیر سے اس کی شادی پسند کی تھی۔ فاطمہ اچھی خوب صورت عورت تھی تو نذیر بھی حسن ووجاہت میں کسی سے کم نہ تھا۔ دونوں چچازاد تھے' شادی میں کوئی رکاوٹ تھی نہ کوئی ظالم سماج تو شادی کے ابتدائی دو سال تو بہت خوب صورت گزر گئے' لیکن لوگوں کی نظریں اور زبانیں تو دو دھاری تلوار بنی ہر وقت ان کا پیچھا کرنے لگی تھیں۔ محرومی کا دکھ الگ اور طعنوں تشنوں کے زخم الگ۔ فاطمہ کی طبیعت میں چڑچڑا پن آنے لگا تھا۔ ایسے میں نذیر ہی تھا جو اسے حوصلہ اور تشفی بھی دیتا تھا۔
"لوگوں کو دیکھو' چھ چھ بچے ہیں اور ہماری گود ابھی تک خالی کی خالی۔" وہ شاکی ہوتی تو نذیر ہنس پڑتا۔
"نہ فاطمہ یوں نہ بول' سوہنے رب کی مرضی۔"
"راشدہ کو دیکھا ہے؟" اسے حویلی کی ملازمہ کا خیال آ جاتا۔ جس کے پانچ بچے تھے۔ گھر میں کھانے کو کچھ نہ تھا پھر بھی ہر سال ایک بچے کی آمد کی خبر وہ خوشی خوشی سنایا کرتی۔
"ہمیں کیوں نہیں مل جاتا ایک بچہ' ایک ہی دے دے وہ' اس کے خزانے میں کیا کمی آجائے گی؟" وہ چھکوں پھکوں رونے لگتی اور یہ دورہ تب شدت سے پڑتا ہے جب ہر دو دن بعد لوہے کا ٹرنک کھلتا اور اس میں رکھی ننھی منی کئی چیزیں نظر آتیں جو شروع کے دنوں میں نذیر اور وہ بڑے شوق سے خریدتے تھے۔
"تو ایسا کر اس پر تالا ڈال دے۔" نذیر آگے بڑھ کر ٹرنک کا ڈھکن گراتا اور فاطمہ کے آنسوؤں میں شدت آجاتی۔
"تجھے طلب ہی نہیں ہے بچے کی۔" وہ اس پر سارا نزلہ گراتی۔ "تو چاہتا ہی نہیں۔" سڑک سڑک کرتی۔
"پاگل ہے تو۔ اب میں کیا عورتوں کی طرح ہر وقت آنسو بہاتا پھروں یا پھر جا کر اللہ سے لڑوں...... توبہ استغفار۔" وہ کانوں کو ہاتھ لگاتا۔
"مجھے نہیں پتا۔" وہ منہ پر چادر تان لیتی' آنسو آنکھوں سے بہہ کر تکیے میں جذب ہوتے رہتے اور گیلے تکیے پر ہی وہ سو جاتی اور یہ معمول تھا اس کا۔
طلب تو نذیر کو بھی بہت تھی' اپنے ہاتھ سے اس نے چمڑے کے ننھے ننھے جوتے بنا کر رکھے تھے۔ پشاوری چپل' کھسہ' کئی سالوں سے اس کی دکان کی زینت بنے ہوئے تھے مگر وہ انہیں بیچتا نہیں تھا۔ گاہک مانگتا تو منع کر دیتا چھوٹے چھوٹے بچوں کو دیکھ کر اس کے دل میں بھی محرومی کا احساس کرلانے لگتا لیکن مرد تھا عورت کی طرح رو نہیں سکتا تھا۔ خاموشی سے سب سہتا' اپنا دکھ بھی سنبھالتا اور فاطمہ کا بھی۔ وہ جو ساری کائنات کا مالک ہے اس کے گھر میں کس شے کی کمی بھلا' جب اس کا حکم ہوگا تو پھر ایک لمحے کا کھیل ہے بس۔ نذیر اپنے دل کو یونہی بہلاتا اور بہلاتا چلا آ رہا تھا اور فاطمہ نے تمام کوششوں کو ترک کرتے ڈاکٹروں کے پاس جانا چھوڑ دیا تھا۔
پیروں کے مزاروں پر دیے جلانے بھی چھوڑ دیے اور منتوں

کے دھاگے باندھنے بھی بند کردیئے تو اس کو خوشی کی خبر مل گئی۔ دس سال بعد اسے وہ خبر سننے کو ملی جس کے لیے اس کے کان ترس گئے تھے اور آنکھیں برس برس کر تھک گئی تھیں۔ نذیر علی نے پورے محلے میں مٹھائی بانٹی اور اس روز دکان پر آنے والے ہر گاہک کو جوتا مفت دیا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا رقص کرے اور کرتا ہی چلا جائے۔ ساری دنیا کو اپنی اس انمول خوشی میں شامل کرلے آج رب کریم نے اس کی سن لی تھی۔ اس کے سونے گھر میں بہار آنے والی تھی۔ وہ بہار جس کا رستہ دیکھتے دیکھتے ان کے گھر میں ویرانے اتر آئی تھی۔ اس نے فاطمہ کو حقیقتاً پھولوں کی سیج پر بٹھا دیا تھا۔ مرد کی محبت اس وقت عروج پر ہوتی ہے جب عورت اس کا وارث جنتی ہے۔ اس کا نام لیوا پیدا کرتی ہے اور نذیر علی پہ بھی جوبن جیسے عود کر آیا تھا۔ اس کے ہاتھوں کی مہارت میں مزید نفاست اور خوب صورتی آ گئی تھی اور اس نے ایک نہایت خوب صورت جوتا بنا کر گاؤں کے نمبردار کی خدمت میں پیش کیا جو کہ چودھری صاحب کو اتنا پسند آیا کہ اس کے گھر میں سال بھر کا گندم مفت بھجوا دیا تھا۔ چودھریوں' نوابوں کی یہ نظر عنایات تو چلتی رہتی ہیں کمیوں پر۔ ان کے محتاج جو ہوئے اور وہ دن بھی کیا خوب صورت دن تھا جب فاطمہ نے دو جڑواں بیٹوں کو جنم دیا تھا۔ گویا دس سال کی ریاضت کا پھل مل گیا تھا۔ ان کی سونی گود دو خوب صورت بچوں سے بھر گئی تھی۔

نذیر علی تو مانو ہواؤں میں اڑنے لگا تھا۔ بچے ایک ساتھ دو اور وہ بھی بیٹے۔ اس نے ارادہ کرلیا وہ گاؤں میں نہیں رہے گا۔ اپنے بچوں کو شہر لے جائے گا انہیں پڑھا لکھا کر بڑا آدمی بنائے گا۔ آنکھوں میں مزید سپنے اتر آئے۔ ایک خوب صورت کل کے خواب آنکھوں میں سجائے نذیر علی شہر آ گیا۔ چاچے فیکے کا بیٹا جو شہر میں رہائش پذیر تھا۔ اس نے نذیر علی کی بھرپور مدد کی' اپنے ساتھ ٹھہرایا بلکہ اسی کمرے میں ایک طرف نذیر علی اپنا سامان رکھ کر کام کرنے لگا۔ اس کا ارادہ تھا کچھ پیسے جمع ہو جائیں اور اس کا کام چل نکلے تو وہ منو اور گڈو کو لے کر شہر آ جائے گا۔ گاؤں کون سا دور تھا آدھا گھنٹہ لگتا تھا اور وہ ہفتہ میں دو بار چکر بھی لگا آتا تھا۔ وہ کفایت شعار تھا' فاطمہ کو اس کے شہر جا بسنے والے فیصلے سے خوشی نہیں ہوئی تھی لیکن وہ بلاوجہ الجھ کر نذیر علی کا دل برا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس لیے خاموشی اختیار کر گئی تھی۔



یہ چودھری رفاقت زبیر کے تاحد نظر پھیلے مالٹوں کے باغات تھے۔ جہاں آج کل خوب بہار آئی ہوتی تھی۔ چاچا منصور علی صبح سویرے دھوپ میں اپنی کرسی رکھ کر بیٹھ جاتا' مزدور آتے اور وہ باری باری حاضری لگا کر ان کو ان کا علاقہ بتاتا تھا۔ ذرا دور ٹوکریوں کا ڈھیر لگا ہوتا جس میں قینچی اور ضروری سامان موجود ہوتا' منصور سب کو مالٹے اتارنے کا طریقہ بھی ساتھ ساتھ سمجھائے جاتا۔ رفاقت زبیر کے باغات کا پھل بہترین کوالٹی کا تھا۔ پہلے پہل وہ یہ پھل منڈی اور مختلف فیکٹریوں میں بھجواتے تھے پھر رفتہ رفتہ رفاقت زبیر نے خود ایک فیکٹری لگالی اور ساتھ ہی مزید زمین خرید کر اس نے دوسرے پھل بھی کاشت کرنا شروع کردیئے اب اس کا ایک پورا فارم ہاؤس تھا۔ جہاں کا سارا پھل جیم جیلی' جوس بنانے کے کام آنے لگا تھا۔ رفاقت زبیر کے دو بیٹے حذیفہ اور عبدالرافع تھے اور پندرہ سال بعد ہانیہ ان کے گھر کی رونق بن کر آئی تھی اور یہ ہانیہ کے خوش قدم تھے کہ اس کے بعد رفاقت زبیر نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا تھا۔ وہ ترقی پر ترقی کرتے رہے تھے۔ حذیفہ اور عبدالرافع بھی ان کے دست راست بن گئے تھے اور ہانیہ تو سارے گھر کی گڑیا تھی۔ سب کی لاڈلی' پاپا' بھائی' بھیا' سب کی آنکھوں کا تارا۔ بھلے ماں کو فرصت نہیں تھی لیکن تھی وہ ماں کی بھی منظور نظر۔

ہانیہ نے جب سر اٹھایا تو غرور' تمکنت' صاف گوئی جیسے اوصاف اس کی شخصیت کا خاصہ بنے۔ اپنی ذات سے اہم اس کے لیے کچھ نہ تھا اور اپنی بات کے آگے ساری دنیا پیچھے رہ جاتی تھی۔ ہارنا' ہار جانا اس کی سرشت میں تھا ہی نہیں۔ دکھ' تکلیف اس نے کبھی سہا ہی نہیں تھا۔ زندگی اس کے لیے پھولوں کی سیج تھی اور وہ آسمان سے اتری کوئی حور یا پھر شاید شہزادی۔ نہ وہ عام تھی' نہ عام لوگوں سے میل کھاتی تھی اور زبیر نے یہ بات اس کے دماغ میں اچھی طرح بٹھادی تھی۔ وہ شاپنگ کرنے دبئی جاتی تو چھٹیاں گزارنے امریکہ۔ سو مختصر یہ کہ وہ زمین سے کئی فٹ اونچی ہو کر چلنے والی مخلوق تھی۔ مخلوق بھی وہ جس کے پورے جسم میں سریا فٹ تھا۔ سریا جو اس کو ادھر ادھر اور بالخصوص نیچے تو بالکل بھی دیکھنے نہیں دیتا تھا' تو ہانیہ زبیر احمد جتنی اونچائی پر تھی وہاں سے باقی لوگ کیڑے مکوڑوں کی طرح حقیر دکھتے تھے۔



نذیر علی نے ایک عمر بتادی تھی شہر میں اور ان گزرتے سالوں میں وہ اپنی محنت سے شہر میں اپنی ایک دکان بنانے میں کامیاب

ہوگیا تھا۔ جہاں باقی ترقی ہوئی تھی وہاں جوتا سازی نے بھی ترقی کرلی تھی۔ بڑی بڑی فیکٹریاں لگ گئی تھیں جہاں سارا کام اب مشینوں پر ہوتا تھا اور نت نئے ڈیزائن کے جوتے کھٹا کھٹ بن کر نکلتے تھے۔ ایسے میں نذیر علی کے ہاتھ کا ہنر بس اس کی دکان تک محدود تھا لیکن کچھ لوگ اب بھی ہاتھ سے بنے جوتے پسند کرتے تھے۔ کھیڑی پشاوری چپل کولہاپوری مخصوص جوتے تھے جو مخصوص لوگ خرید ہی لیتے تھے۔ نذیر علی اپنی محنت کی کمائی سے بہت کچھ تو نہیں بنا پایا تھا البتہ اپنے خواب کی تکمیل کے لیے اس نے بہت زیادہ جدوجہد کی تھی۔ دونوں بیٹے شہر کے بڑے تعلیمی ادارے میں پڑھ رہے تھے۔ نذیر علی نے اپنی اوقات سے بڑھ کر ان کا مستقبل سنوارنے کی کوشش کی تھی۔ اثاثے کے طور پر گمنام محلے میں بنا تین مرلہ کا وہ کچا پکا مکان تھا جو اس نے فیکے کے ساتھ مل کر قسطوں میں خریدا تھا اور قسطیں ادا کرتے کرتے اس کی عمر بیت گئی تھی۔ فاطمہ اس تین مرلے کی جنت میں خوش تھی شہر انہیں راس آ گیا تھا اور گاؤں وہ تقریباً بھول ہی گئے تھے۔

ہوش سنبھالتے ہی دونوں لڑکوں نے سب سے پہلے اپنا نام تبدیل کیا۔ انہیں دتہ اور دسایا نام سے سخت اختلاف تھا اور یہ نام ان کی شخصیت سے میل بھی نہیں کھاتے تھے سو وہ عبدالمعیز اور عبدالحسیب بن گئے۔ اب انہیں اسی نام سے لکھا اور پکارا جانے لگا تھا۔ عبدالحسیب پڑھائی میں اچھا تھا بلکہ بہت اچھا تھا جبکہ عبدالمعیز کو پڑھائی بس پڑھائی کی حد تک پسند تھی وہ زیادہ تر باپ کی مدد کے لیے دکان پر بیٹھتا تھا۔ امتحانوں کے دنوں میں بڑھ کر پاس ہونے والا عبدالمعیز تھا اور سارا سال محنت کرنے والا عبدالحسیب تھا۔ جس کی شرارتوں پر بے ساختہ مسکرا اٹھنے کو جی کرتا تھا۔ طبیعت میں اس کے بھی پارہ تھا۔ نچلا بیٹھنا تو اس کی فطرت میں ہی نہ تھا۔ سارے محلے کا منو بڑا ہوکر اب عبدالحسیب بن گیا تھا۔ جس کو بھی کام پڑتا عبدالحسیب کی ہی یاد آتی۔ عبدالمعیز لیے دیے رہنے والا بچہ تھا اس لیے اس کی دوڑ مسجد تک ہی تھی۔ نذیر علی کے گھر کی رونق عبدالحسیب تھا۔



''کون ہو تم؟'' اس نے بہت دبی آواز میں پوچھا تھا۔
''نذیر علی موچی کا بیٹا ہوں جی۔'' اس نے پھٹے جوتے کے تلوے پر سلوشن چپکایا اور اسے سوکھنے کے لیے رکھ دیا۔
''اصلیت بتاؤ؟'' اس کی طرف سے اصرار ہوا۔
''موچی ہوں جی اصلی تے کھرا۔'' اس نے ایک نگاہ غلط سامنے کھڑی سنگ مرمر کی مورت پر ڈالی اور سلوشن لگے جوتے کو ٹھوکنے لگا۔ وہ تھوڑی دیر کھڑی اس کی بے نیازی کو برداشت کرتی رہی پھر پلٹ گئی۔
''کبھی تو بولو گے۔'' اس نے زیرلب کہا اور گاڑی اسٹارٹ کرلی آگے بڑھنے سے پہلے اس نے ایک بار پھر پیچھے مڑ کے دیکھا تھا۔ وہ اپنے کام میں مگن تھا اردگرد سے بے نیاز...... اس نے بھولے سے بھی اس کی طرف نہیں دیکھا تھا' دل کے ادھڑتے ٹانکوں میں مزید اضافہ ہوا تھا۔
وہ گاڑی اکیلی لے کر نکلی تھی' بغیر باڈی گارڈز کے موبائل آف کردیا تھا۔ وہ اس قید کی زندگی سے تنگ آ گئی تھی ہر وقت نظروں کے حصار میں' ہر وقت پناہ میں' اس کی اپنی تو کوئی مرضی ہی نہیں تھی۔ گاڑی ادھر ادھر گھماتے وہ گل داؤدی کی نمائش دیکھنے چلی آئی۔ اپنا چہرہ اچھی طرح اسٹالر میں چھپالیا تھا۔ اب اسے کوئی نہیں پہچان سکتا تھا اور یہ کیسی بھول تھی اس کی۔ وہ کوئی عام لڑکی تھوڑی تھی۔ وہ معروف بیوروکریٹ کی بیوی تھی اور مشہور سیاست دان اور بزنس مین کی بیٹی تھی۔ سیکیورٹی گارڈز اس کی گاڑی میں نہیں تھے تو کیا ہوا...... مسلسل سائے کی طرح اس کے پیچھے تو تھے' سول کپڑوں میں اور جہاں سے گزر رہے تھے راستہ صاف کرواتے جارہے تھے۔ وہ بلا مقصد پھولوں کی نمائش میں ادھر ادھر گھومتی رہی۔ تصاویر بنائیں اور ٹھیلے پر سے گول گپے کھاتے ہوئے اسے چہرہ بے نقاب کرنا پڑا تھا۔ ٹھیلے والے نے تو دھیان نہیں دیا لیکن وہاں کھڑے بیشتر لوگوں کی نظریں پہچان کو یقینی بنانے کے لیے اس کے چہرے کا طواف کرنے لگیں اور ابھی اس نے پہلا گول گپا منہ میں رکھا ہی تھا کہ دو گارڈز اس کے دائیں بائیں آگئے اور سامنے سے آنے والے نے بے حد آہستگی سے اسے وہاں سے چلنے اور گاڑی میں بیٹھنے کو کہا۔ وہ غصے سے کھولتی گول گپوں کی چنگیر وہیں رکھ کر ان کے ساتھ چل دی۔ ہجوم میں چہ مگوئیاں شروع ہوگئیں ان کے اندازے سچ نکلے تھے وہ کوئی عام لڑکی نہیں تھی۔
جرار ابشام کا غصہ عروج پر تھا۔
''کب عقل آئے گی آپ کو؟'' وہ ٹہل رہا تھا جبکہ ہانیہ آرام سے بیٹھی اپنے ناخنوں کو دیکھ رہی تھی۔
''آپ جانتی ہیں کتنا بڑا رسک لیتی ہیں آپ؟'' اس کی خاموشی نے اسے مزید تپایا۔ جرار کا مؤدب ہونا اس کے شدید

غصے کی علامت ہوتا تھا۔

"کیسا رسک؟" اس نے دھیمے سے پوچھا۔

"اتنی معصوم ہیں ناں آپ؟" جرار کا دل اسے تھپڑ مارنے کو چاہا لیکن وہ ایسا صرف سوچ سکتا تھا اور ہانیہ کو بھی شاید یہی اطمینان تھا کہ سامنے کھڑا اس کا شوہر زبانی کلامی ہی اسے سنا سکتا ہے ہاتھ اٹھانے کی سنگین غلطی نہیں کرسکتا۔

"کیوں کرتی ہیں آپ ایسا؟" وہ اس کے سامنے دوزانو بیٹھ کر پوچھنے لگا۔

"آپ یوں کیوں بیٹھ گئے؟" وہ مسکرائی۔ "زیب نہیں دیتا آپ کو یوں بیٹھنا۔"

"مجھے کیا زیب دیتا ہے کیا نہیں، میں آپ سے جانوں گا؟" وہ بھنایا تو ہانیہ کا چہرہ تاریک ہوا۔

"مجھے نہیں پسند یہ عیش و آرام والی زندگی، یہ خاص زندگی۔" وہ زیرلب بڑبڑائی تو جرار ابشام اس کو دیکھ کر رہ گیا تھا۔



اس نے تھک کر ماں کی گود میں سر رکھا اور شکنوں بھرا چہرہ کچھ اور تاریک ہوگیا تھا۔

"تھک گئے ہو؟" وہ اس پر جھکیں۔

"ہوں...... زندگی سے۔" وہ بولا تو نظریں سامنے الماری میں رکھی کتابوں پر جا ٹھہریں۔

زندگی اور کتابیں الگ ہیں، کتابوں میں جو لکھا ہوتا ہے جھوٹ ہوتا ہے کچھ عرصہ سے اس کی یہی سوچ ہوتی جارہی تھی۔ اسے کچھ بھی سچ نہیں لگتا تھا۔ کچھ بھی، حتیٰ کہ اپنا ہونا بھی، اس تین مرلے کے گھر کے چار نفوس میں سے دو نفوس ہی رہ گئے تھے اور یہ دونوں نفوس ایک دوسرے کے غم گسار، راز دار تھے اور دکھ کہتے دکھ سنتے تھے اور دکھ ہی جیتے تھے۔ سالوں سے دکھ اس گھر کے ہر کونے میں ٹھہر سا گیا تھا، نکلتا ہی نہیں تھا۔

سامنے رکھی کتابوں کے ہر پنے میں دکھ...... چھت پر جھولتے پرانے پنکھے کے پروں میں دکھ...... بستر کی چادر میں، کچن کے چولہے میں، چائے کے کپ میں اور تو اور پانی کے ہر ہر گھونٹ میں دکھ یوں رچ گیا تھا کہ الگ کرنا مشکل ہوتا اور دکھ کی سب سے بھاری پنڈ (گٹھری) تو اس کے بکسے میں تھی جسے روز کھول کر چیزیں الٹ پلٹ کرکے بھی وہ اس کو نکالنے میں کامیاب نہیں ہوتا تھا۔

"کھانا لاؤں؟" ماں نے پوچھا۔

"بھوک نہیں۔" موچی لین موچی نے جواب دیا۔

اس کا جی نہیں چاہا دکھوں کی پلیٹ سامنے دھرے وہ نوالہ نوالہ دکھ اپنے اندر اتارے۔ ماں نے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ اس کا چمکتا رنگ کیسے کملا گیا تھا اور اپنی آنکھ سے ٹپکتے آنسو وہیں چھوڑ دیے۔ جسے موچی لین موچی نے ہاتھوں سے پونچھ کر لبوں سے لگالیا اور خود بھی بے آواز رو دیا تھا۔



جب سے رفاقت زبیر نے سیاست میں قدم رکھا تھا زندگی عجب دوراہے پر چل نکلی تھی۔ پتا نہیں اتنی دولت جمع کرکے انہوں نے کرنا کیا تھا۔ دولت، دولت، دولت اور کسی چیز کی اہمیت رہ ہی نہیں گئی تھی۔ فقید المثال مہمان خانہ سیاسی بیٹھک کا مرکز بن گیا تھا۔ آئے دن نت نئے لوگ جمع ہوتے، تقریریں، وعدے، رج رج کے جھوٹ بولا جاتا، حذیفہ اور عبدالرافع تو جیسے بھول ہی گئے تھے کہ وہ بھی مٹی سے بنے انسان ہی ہیں، وہی مٹی جس سے باقی ساری مخلوق بنی ہے۔ وہی مٹی جس میں مل کر آخر مٹی ہونا ہے۔

بیگم رفاقت کے رکھ رکھاؤ میں بھی فرق آگیا تھا۔ چہرے پر ہمہ وقت جو برتری کا غرور بلوں کی صورت پڑا رہتا تھا ایک دم سے نرمی میں ڈھل گیا تھا۔ جن لوگوں سے بات کرنا ناگوار گزرتا تھا اب ان گھروں میں جاجا کر حمایت مانگ رہی تھیں۔ رفاقت زبیر نے پیسہ پانی کی طرح بہایا تھا۔ سیاست بھی بڑی چیز ہوتی ہے، بندے کو کہیں کا نہیں چھوڑتی۔ پانی کی طرح بہایا پیسہ رنگ لایا اور رفاقت صاحب بھاری اکثریت سے ایم پی اے کی سیٹ جیت گئے۔

پہلی دفعہ میں ہی اتنی بڑی کامیابی ملی تھی۔

جشن تو بنتا تھا سو اس جشن کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔ کون سی ایسی مشہور شخصیات نہیں تھی جو مدعو نہ ہو۔ شوبز سے لے کر زندگی کے ہر شعبے کے لوگ یہاں مدعو تھے۔ جگمگاتے چہرے، دنیا کے ہر دکھ سے ماورا، بھرے پیٹ، خالی پیٹ غریب لوگوں کی زندگی پر سیاست کرتے، کھٹا کھٹ تصویریں بنواتے، بناوٹی لوگ، بناوٹی باتیں، بناوٹی زندگی، رفاقت زبیر کو مالٹے کے باغات بھولنے میں زیادہ دن نہیں لگے تھے۔ جس دنیا کا در ان کے لیے کھلا تھا وہ تو کوئی اور ہی دنیا تھی...... الگ اور بہت ہی نرالی سی۔



سردی اتنی تھی کہ رگوں میں خون جمائے دے رہی تھی۔ کافی

شاپ میں اسٹارش بھی نہیں تھا شاید لوگ گھروں سے نکلے ہی نہیں تھے۔

حد نگاہ برف ہی برف دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے اپنی سرخ ہوتی ناک کو ہتھیلی کی پشت سے رگڑا اور تیزی سے ہاتھ اوور کوٹ کی جیبوں میں گھسا دیے۔ وہ یونہی گھر سے نکل آئی تھی۔ برفیلے راستوں پر قدم جماتے گرتے لڑکھڑاتے وہ کافی شاپ پر پہنچی تھی۔ اس کے گرم کپڑے سردی کی شدت کم تو کرسکتے تھے مگر روکنے میں ناکام ہورہے تھے۔ کاؤنٹر سے اپنی کافی حاصل کرنے کے بعد وہ گلاس ونڈو کے بالکل پاس والی نشست پر بیٹھی اور اب کافی کے سپ لیتے ہوئے باہر دیکھ رہی تھی۔ برف ہٹانے والی گاڑیاں آگئی تھیں راستوں کی صفائی ہورہی تھی جلد ہی سڑک رواں دواں ہوجانی تھی۔

"مے آئی ہیو آسیٹ پلیز؟" (کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں) ہانیہ نے سراٹھا کراسے دیکھا تو نظروں کا تاثر ایسا تھا کہ اس کی اتنی جرأت کہ وہ ہانیہ زبیر احمد کے مقابل بیٹھنے کی اجازت مانگے۔ وہ بولی کچھ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی نظریں پڑھ لے اور اس نے پڑھ بھی لی تھیں اپنی مرضی سے۔

"تھینک یو۔" کہہ کر وہ اس کے سامنے ہی ٹک گیا اور اپنا کافی کا مگ میز پر رکھا۔ اس ہی کی طرح نظریں باہر جمادیں جیسا کہ وہ کچھ دیر پہلے جمائے بیٹھی تھی۔ اس کی دیدہ دلیری پر ہانیہ کا چہرہ پہلے سرخ ہوا پھر غضب ناک۔

"ہاؤ ڈیر یو......؟" وہ غرائی۔

"کیا یہ آپ کی ذاتی ملکیت ہے؟" اس کے غرانے پر اس نے اطمینان سے سپ لیا اور مسکراہٹ اس کی طرف اچھالی۔

ہانیہ اٹھ کھڑی ہوئی اُسے بے حد غصہ آیا قریب تھا کہ وہ کافی کا مگ اس کے سر پر انڈیل دیتی یا پھر میز ہی الٹا دیتی، سامنے بیٹھے بدتمیز نے اسے یاد دلایا کہ وہ پاکستان میں نہیں بلکہ ایک بدیسی کافی شاپ پر بیٹھی ہے۔ اب اس کے ماتھے پر تو تحریر نہیں تھا کہ کس عزت مآب فیملی سے تعلق تھا اس کا۔ ہانیہ کو خود پہ قابو پانے میں چند لمحے لگے اور اس دوران مقابل اپنا مگ تقریباً خالی کرچکا تھا۔ اس نے آخری سپ لیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"مجھے گرم گرم کافی اور چائے پینے کی عادت ہے۔" مسکراتے ہوئے اطلاع پہنچائی۔ ہانیہ اپنی کافی پینے میں مگن رہی اسے اس سے کوئی غرض نہیں تھی وہ گرم کافی پیے یا ٹھنڈا شربت۔ وہ اللہ حافظ کہتا باہر چلا گیا۔ ہانیہ برف بھی دیکھتی رہی اور جب تک وہ نظر آتا رہا اسے بھی اُسے بہت غصہ آرہا تھا۔

وہ کسی کو برداشت کرنے کی عادی نہیں تھی۔ واپس آتے ہوئے اس نے کئی بار راستے میں پڑی چیزوں کو ٹھوکر ماری تھی۔ وہ یہاں خود کو بہت آرام وہ محسوس کرتی تھی۔ پاکستان میں تو یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ قید میں ہو۔ اس کی ایک ایک حرکت کو جانچا جاتا تھا۔ آگے پیچھے ہمہ وقت محافظ رہتے' کہیں اکیلے آنے جانے کا تو تصور ہی نہیں تھا۔ ڈیڈ کی نظروں میں یہ پروٹوکول تھا اور اس کی نظر میں قید اس لیے وہ چند دنوں میں ہی اوب جاتی اور ادھر بھاگ آتی تھی۔ ڈیڈ نے اس کے لیے یہاں مہنگے ترین علاقے میں فلیٹ خرید رکھا تھا جو ہر طرح کی آسائشات سے مزین تھا۔ خدمت کے لیے عروبہ اور حفاظت کے لیے سجاد تھا۔



وہ کسی کے بارے میں زیادہ دیر نہیں سوچا کرتی تھی' سو اس اجنبی کے بارے میں بھی اس نے زیادہ نہیں سوچا تھا اور بھول گئی تھی کہ وہ دوبارہ نظر آ گیا۔ وہ اسٹور سے کچھ ضروری اشیاء خریدنے آئی تھی' عروبہ ہمراہ تھی کاؤنٹر پر بل ادا کرتے اس نے بارکوڈ چیک کرتے اس شخص پر نظر ڈالی یہ محض اتفاق تھا یا کیا' ہانیہ کو سوچنا پڑا...... وہ اس کی طرف ایک بار بھی متوجہ نہیں ہوا تھا۔ ہانیہ نے اب کے اسے بڑی گہری نظروں سے دیکھا اور سوچا بھی تھا ایک اسٹور پر کام کرنے والا برانڈڈ کافی کیسے پی سکتا ہے' گھر آتے آتے وہ اس کے بارے میں بڑا تفصیلی سوچ چکی تھی۔

اس کا رنگ گلابی اور دہکتا ہوا ہے۔ اس کے بال گھونگریالے سیاہ ہیں۔ اس کی آنکھوں کا رنگ بھی بلیک ہے۔ اس کا قد چھ فٹ تو ہوگا اور اس کی مسکراہٹ' مسکراہٹ بھی تو قاتل ہے۔ یہ اعتراف کرتے ہوئے وہ ذرا جھجکی۔ وہ تمام رات اس نے بلاوجہ اس بے ہودہ انسان کو سوچا تھا اور سوچتے سوچتے صبح دم اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔

اس کی زندگی بھی بڑی عجیب تھی' ایک ہی طرز کی' ایک جگہ پر ٹھہری ہوئی۔ اسے شروع سے بتادیا گیا تھا کہ وہ عام لڑکی ہے نہ ہی عام لوگوں جیسی ہے اور وہ ویسی ہی بن گئی تھی۔ عام لوگ' عام چیزیں' عام طرز زندگی سے وہ مانوس ہی نہیں تھی۔ خوب صورت ریپر میں لپٹی اس کی زندگی اور اس کے تمام تر لوازمات۔ عروبہ ناشتہ لے آئی اور اب پوچھ رہی تھی کہ اس کا آج کا کیا پروگرام ہے۔

"کچھ خاص نہیں۔" اس نے کھلے بال جوڑے کی شکل میں لپیٹے اور ان کو کیچر میں سمیٹ لیے۔ ٹرے پر نظر ڈالی سلائس، مارجرین اور چائے کا ایک کپ۔ اسے جانے کیوں ہنسی آ گئی۔

"کتنا کچھ ہے عروبہ ہمارے گھر میں مگر تم ہمیشہ مجھے سوکھا سڑا ناشتہ ہی دیتی ہو۔"

"بڑی میڈم کا حکم ہے جی..... آپ کی ڈائٹ کا خاص خیال رکھا جائے۔" اس نے سر جھکائے جواب دیا۔

"غلام ابن غلام۔" وہ زیر لب بڑبڑائی۔ عروبہ نے سن لیا تھا۔

"اور کیا حکم ہے؟" اس نے سلائس کا کونا کترا۔

"وہ جی..... بڑے صاحب نے کہا ہے....." وہ کچھ کہتے ہوئے رکی تو ہانیہ نے اس کی طرف دیکھا وہ جلدی سے بولی۔

"آپ اکیلی مت نکلا کریں گھر سے باہر وہ سجاد......"

"سجاد..... سجاد..... سجاد۔" ٹرے پرے دھکیلی' کہاں کا ناشتہ اور کیسا ناشتہ۔ عروبہ وضاحت کے لیے کچھ کہنا چاہتی تھی مگر بول نہ سکی۔

"جی میڈم....." وہ بوتل کے جن کی طرح حاضر ہوا تھا۔

"تمہیں شوق ہے بہت میرے ساتھ ساتھ رہنے کا؟"

"جی..... نہیں تو....." وہ گڑبڑایا۔

"رکھنا بھی مت....." وہ غصہ سے بولی۔

"جی بہتر....." سر تسلیم خم کیا۔

"جاؤ اب۔" دونوں کو اشارہ دیا۔ انہوں نے باہر نکلنے میں ذرا تاخیر نہیں کی۔ ہانیہ کا موڈ بری طرح خراب ہو گیا تھا۔ وہ کیا کرنا چاہتی تھی خود بھی سمجھ نہیں پا رہی تھی۔



اس نے لائٹس آف کر کے ٹیبل لیمپ آن کیا اور آڑھی ترچھی بیڈ پر بیٹھی کلینزنگ کرنے لگی۔ لیپ ٹاپ پر جھکے جرار ابشام نے اسے دیکھا اور حسب عادت ہرزہ سرائی کی ابتدا کی۔

"تمہیں دیکھ کر مجھے کسی مڈل کلاس عورت کا گمان ہوتا ہے۔" ہانیہ نے ذرا سی ترچھی نگاہ سے اس شخص کو دیکھا جسے اس کا شوہر نامدار ہونے کا اعزاز حاصل تھا اور وہ پھر سے اپنے کام میں مشغول ہو گئی۔ اس نے پھر آغاز کیا۔

"تم میں ہائی جینٹری موو کرنے کے گٹس ہی نہیں ہیں۔ نہ نخرے نہ ادائیں' نہ لب و لہجہ کہاں سے لگتا ہے تم فارن یونیورسٹی سے گریجویٹ ہو..... تم زبیر انکل کی سگی اولاد ہی ہو ناں؟" لہجہ استعجاب کے ساتھ استہزائیہ رنگ بھی لیے ہوئے تھا۔ ہانیہ نے سنی ان سنی کی۔ وہ اس کے فضول سوالات کے جوابات دینا پسند نہیں کرتی تھی۔

"عورت تو ماہم تھی۔" وہ اپنے پسندیدہ موضوع کی طرف آیا۔ "قسم سے....." کرسی کی پشت سے سر لگا کر اس نے آنکھیں موند لیں۔ لیپ ٹاپ بند تصوراتی کھیل شروع۔

ہانیہ نے سامان سمیٹا اور ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ دیا۔ سکون آور دوا لیتے ہوئے اس نے اپنی سماعتیں شوہر کی آواز پر مرکوز رکھیں اس کے لیے جرار کی یہ باتیں اتنی ہی ضروری تھیں جتنی سکون آور دوا۔ جس رات جرار اس سے ماہم کی باتیں نہیں کرتا اس کی دوا بے کار ثابت ہوتی اور اس کی تمام باتیں سن لینے کے بعد ہانیہ کو جرار بھی لوئر مڈل کلاس کا پوت لگنے لگتا تھا۔ جو سارا دن چوک پر کھڑا شدید لوفرانہ احساسات میں گھرا ہر وقت اپنی گرل فرینڈز کو یاد کر کے ٹھنڈی آہیں بھرنے میں مشغول رہتا تھا۔

"بہت بہادر تھی یار بہت بہادر۔ مردوں کو تو یوں چٹکیوں میں لیتی تھی۔ بہت کھلی ڈلی' کبھی کسی کو احساس نہیں ہونے دیتی تھی کہ وہ عورت ہے۔ (کیا بات تھی؟) رات کے تین تین بجے تک وہ ہمارے ساتھ اکیلی رہتی تھی۔ مجال ہے ڈر جائے اور یہ بھی سچ ہے ہماری بھی مجال نہیں تھی کہ اس کو کچھ کہہ جائیں۔" کرسی کی پشت سے سر ٹکائے وہ تصور میں ماہم کو دیکھ رہا تھا۔

"اف ماہم افگن۔" ماہم افگن کا تصور ہی نشاط انگیز تھا۔

"بس پاپا نے..... ہاہا....." اس نے ایک ٹھنڈی آہ بھری۔

"ماہم نامہ۔" کا اختتام ہمیشہ اس جملے پر ہوتا تھا۔

"وہ ایسی عورت تھی کہ اس کا نام اپنے ساتھ لگانے میں ہی فخر محسوس ہوتا تھا۔ بس بیک گراؤنڈ سے مار کھا گئی..... ورنہ ایک بار تو ماہم افگن' ماہم جرار بن ہی گئی تھی۔" اس نے ٹھنڈی آہ بھری۔

ان کے طبقے میں شادیاں انسانوں کی انسانوں سے نہیں بلکہ اسٹیٹس کی اسٹیٹس سے ہوتی ہیں سو یہ شادی بھی اسی طرح ہوئی تھی۔ دو کامیاب بزنس مینوں کے درمیان' دو سیاستدانوں کے درمیان۔ جرار کا کیا محل وقوع تھا یا ہانیہ کا کیا حدود اربعہ؟ یہ جاننے یا دیکھنے کی ضرورت کسی کو بھی نہیں تھی۔

"تم ماہم جیسی کیوں نہیں بن جاتیں؟" اس نے غنودگی میں جاتی ہانیہ کو جھنجوڑا۔ اس نے آنکھیں کھول کر سر جھٹک دیا تھا۔

اس کا شوہر اس کے پاس بیٹھا اس سے فرمائش کر رہا تھا کہ وہ

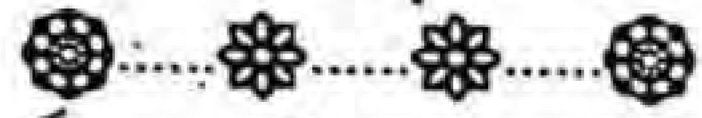
اس کی پہلی محبوبہ جیسی کیوں نہیں بن جاتی جو محبوبہ کم اور بار گرل زیادہ لگتی تھی۔

"میں کیسے بن جاؤں؟" اس نے پوچھا۔

"تم اس کی تصویریں دیکھو۔ (مگر کیوں؟) میرے پاس اس کی ویڈیوز بھی ہیں فنکشنز کی...... (کون سے فنکشنز؟)"

"ادھر آؤ میں دکھاتا ہوں تمہیں۔" کتنا جوش تھا اس کے لہجے میں، جیسے اس کی ویڈیوز دیکھ کر وہ چٹکی بجاتے ہی ماہم بن جائے گی۔ اس نے بند ہوتی آنکھوں کو کھولنے کی کوشش کی اور سرک کے جرار کے قریب ہوئی۔

"اور جو کبھی وہ جرار کی زندگی سے نکل جائے تو کیا وہ نئی بیوی کو اس کی تصاویر بھی دکھائے گا؟" اس نے سوچا۔ وہ موبائل گیلری میں سے ایک کے بعد ایک تصویر نکالتا گیا اور قلابے ملاتا گیا۔ واقعی ذہنی پستی کا کوئی اسٹینڈرڈ نہیں ہوتا...... نیند کی وادی میں اترتے ہوئے اس نے سوچا تھا۔



"آپ کب فری ہوتے ہیں؟" اس بے تکے سوال پر کی بورڈ پر چلتے ہاتھ رک گئے تھے۔ اس نے پل کی پل سر اٹھا کر دیکھا پھر مصروف ہوگیا۔ وہ اس سوال کا جواب دینے کا پابند نہیں تھا۔ ویسے بھی کام کا وقت تھا ایسی باتوں کے لیے اس کے پاس وقت نہیں تھا۔

"بتایا نہیں؟" وہ مصر ہوئی۔

"کبھی بھی نہیں میم...... آپ نے بل ادا کرنا ہے؟" اس نے یونہی مصروف رہ کر پوچھا تھا۔

"نو۔" اس نے مایوسی سے سر ہلایا۔ "میں آپ سے چند لمحے بیٹھ کر بات کرنا چاہتی ہوں۔" اس نے مدعا بیان کیا۔

"کیوں؟" وہ دھیرے سے مسکرایا۔

"یونہی۔" اس نے کندھے اچکائے پھر اپنا نمبر بول کر اللہ حافظ کہہ کر چلی گئی۔ اس نے نمبر محفوظ کرلیا لیکن کال نہیں کی، کرنا چاہتا ہی نہیں تھا۔ اسے صرف اپنے مقصد کو حاصل کرنے کی دھن تھی۔ فضول یا فالتو کاموں کی اجازت اسے نہیں تھی لیکن اس سے کیا ہوتا ہے؟ ہماری مرضی، ہماری خواہش تو کہیں بھی نہیں چلتی...... جو لکھا جا چکا وہ ہو کر رہتا ہے اور ہانیہ سے اس کا تعلق تھا سو...... ایک ہفتہ گزر جانے کے بعد جب ہانیہ کی کال آئی تو وہ اپنی سرد مہری زیادہ دیر تک قائم نہیں رکھ سکا اور صرف یہی نہیں اس نے فون بند کرنے سے قبل ملاقات کا وقت اور جگہ کا تعین بھی کرلیا تھا۔ چلو یہ بھی کر دیکھیں اس نے سوچا تھا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" وہ اپنے مقررہ ٹائم پر موجود تھی۔

"غریبوں کا کوئی نام نہیں ہوتا۔" وہ اپنے کام میں منہمک رہا۔ (موبائل پر ریٹ لسٹ چیک کر رہا تھا) ہانیہ ہنس پڑی۔

"میں آج تک یہ سمجھتی رہی امیروں کا کوئی نام نہیں ہوتا امیر بس امیر ہوتے ہیں۔" وہ ہنسا بھی نہیں اسے دیکھتا رہا۔

"یہ پری اس کی راہ میں کہاں سے آ گئی تھی؟" اس نے حافظے پر زور دے کر ایسی کوئی نیکی یاد کرنے کی کوشش کی لیکن کوئی خاطر خواہ فائدہ نہ ہوا۔

"کہاں سے ہو؟" چند لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ پھر گویا ہوئی۔

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟" اس نے موبائل کا مشغلہ ترک کیا اور انٹرویو کو انجوائے کرنے کی ٹھان لی۔

"تمہیں کسی بات سے فرق پڑتا بھی ہے یا نہیں؟" اسے غصہ آیا تو وہ ہنس دیا۔

"آپ کو غصہ بہت جلد آتا ہے میم۔" اس نے اپنی داڑھی میں انگلیاں چلائیں وہ چپ رہی۔ اس اکھڑ و بدماغ سے کیا الجھنا۔

"ہاں...... آپ میرا نام پوچھ رہی تھیں۔ تو نام سے کیا فرق پڑتا ہے کوئی بھی ہو ناصر، اکمل، طیب، اصغر، دتہ، رکھا، سوواٹ۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"تمہیں کس نام سے پکاروں...... دتہ یا رکھا؟" اس نے دانت پیسے۔

"عبدالحسیب...... عبدالحسیب۔" اس نے ڈرنے کی اداکاری کرتے ہوئے فوراً نام بتایا اور ہنس دیا۔

"میرا نام ہانیہ ہے ہانیہ زبیر۔ ڈیڈی پاور فل شخصیت ہیں اپنے ملک کی اور ان کے حوالے سے میں بھی پاور فل ہوں۔" اس کے لہجے میں غرور اس قدر تھا کہ عبدالحسیب سوچنے پر مجبور ہوگیا کیا اس وقت اسے یہاں اس کے ساتھ ہونا چاہیے تھا؟

"آپ کو کوئی کام تھا میم؟" وہ فوراً سنبھلا۔

"نہیں......" ہانیہ نے نفی میں سر ہلایا۔ "یونہی لگا کہ تم میرے ملک سے ہو تو مجھے تم سے بات کرنا چاہیے۔" اس نے لہجہ سرسری رکھا۔

"مجھے اجازت؟" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اتنی مغرور شخصیت کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا مہنگا ہی نہ پڑ جائے اسے بوڑھے ماں باپ اور

بھائی کا خیال آیا تو اس نے اٹھنے میں دیر نہیں لگائی۔ "او کے میم اجازت دیجیے۔" اس نے اپنے سر کو خم کیا' ہانیہ روکنا چاہتی تھی لیکن وہ رکنے پر تیار نظر نہیں آ رہا تھا۔

"او کے۔" اس نے کندھے اچکائے اور اس سے پہلے اپنی گاڑی میں جا بیٹھی اور وہ دیکھتا رہ گیا۔

"بڑی بدتہذیب ہے اخلاقاً بھی نہیں کہا کہ آؤ مسٹر میں تمہیں ڈراپ کر دیتی ہوں۔" وہ منہ ہی منہ میں بدبدایا اور پیدل ہی چل پڑا تھا۔



"کماں...... لیا میں موچی کیوں بنا؟" وہ موچی ہی تھا۔ اس کا باپ موچی' دادا' پردادا' چاچا' تایا اور بھائی سب موچی ہی تو تھے' خاندانی پیشہ تھا ان کا۔ اس کی آواز میں تھکن ہی تھکن تھی۔

"چھوڑ کیوں نہ دیا؟" وہ جرح کرنے کے موڈ میں تھا۔

"کیسے چھوڑتا...... کھاتا کہاں سے؟"

"ہزار پیشے ہیں عزت والے۔"

"اس میں کون سی بے عزتی ہے؟" اس نے لکڑیاں ہٹا کر آگ ٹھنڈی کی اور روٹیوں کی چنگیر اٹھا کر اس کے پاس چارپائی پر آ بیٹھی۔ وہ جو چارپائی پر آڑا ترچھا لیٹا تھا' سیدھا ہو بیٹھا۔ ماں نے نوالہ توڑا رکابی میں پڑے شوربے میں ڈبو کر اس کے منہ کی طرف بڑھایا۔ اس کی شروع سے عادت تھی پہلا نوالہ بچوں کے منہ میں دیتی تھی۔

"عزت بھی تو نہیں ہے۔" نوالہ منہ میں لینے سے پہلے اس نے آہستگی سے کہا۔

"پھر کہہ دیا کسی نے کچھ؟" وہ سر جھکائے دوسرا نوالہ توڑنے لگی۔

"بہت حقیر جانتے ہیں ماں۔" اس کے گلے میں پھندا سا پڑا۔ "جیسے ہم انسان ہی نہیں۔"

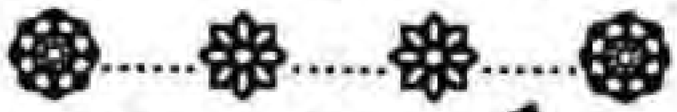
"کسی کے حقیر جاننے یا کہہ دینے سے کوئی حقیر نہیں ہو جاتا۔" وہ سمجھانے لگی۔ "رزق حلال کھانے والا' کمانے والا حقیر کیسے ہو سکتا ہے وہ تو اللہ کا دوست ہوتا ہے۔"

"لوگ نہیں سمجھتے۔" اس نے تیسرے نوالے پر بس کر دی۔

"سالوں سے وہاں بیٹھ رہا ہوں اور آج میرا سامان اٹھا کر پھینک دیا کہ ناجائز قبضہ کر رکھا ہے۔ میں ٹھیلا اللہ کی زمین پر لگاؤں گا ناں۔" اس کا دل بہت برا ہو رہا تھا۔ دل چاہ رہا تھا پھوٹ پھوٹ کر روئے' کبھی کبھی ایک چھوٹے سے غم پر کئی

پرانے دکھ بھی ماتم منانے آ کھڑے ہوتے ہیں۔ وہ جنہیں ہم اندر ہی اندر چھپائے رکھتے ہیں۔ کسی کے سامنے عیاں نہیں کرتے۔ وہ چارپائی سے اٹھ کر کمرے میں چلا گیا۔ فاطمہ نے بھی دو نوالے زہر مار کیے اور ہاتھ روک لیا۔ کچھ لوگوں کے دکھ بھی ختم نہیں ہوتے' خرگوش کے بچوں کی طرح بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ اس نے برتن دھونے کے بعد چارپائیوں پر بستر لگائے اور لیٹ گئی۔ وہ اس کے پیچھے نہیں گئی۔

وہ دکھ منا رہا تھا۔ کتابوں کی الماری کے سامنے کھڑا ایک ایک کتاب کو چھوتا' سینے سے لگاتا' پنوں کو چومتا کتنی خاموشی سے اس کا اپنا آپ اس سے بچھڑ گیا تھا اور اس بات کی خبر اس نے خود کو بھی نہیں ہونے دی تھی۔



"مجھے شاید محبت ہو گئی ہے۔" اس نے اپنے آپ سے اعتراف کیا تھا۔ ٹھنڈی ہوا کا ایک جھونکا اسے چھو کر گزرا اور اس کے بدن پر کپکپی سی طاری ہو گئی تھی۔ اس نے شال کو شانوں کے گرد لپیٹا اور ہوا سے اڑتے بالوں کو سمیٹتے ہوئے اس نے پانی کے پیچھے ڈوبتے نارنجی سورج پر نظریں جمائیں۔ ریت پر چہل قدمی کرتے جوڑے اب ساحل کا رخ کرنے لگے تھے۔ ایسے موسم میں سرپھرے ہی تھے جو ساحل سمندر پر آتے تھے۔

"چلیں میم؟" سجاد نے آہستگی سے کہا۔ اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔ ابھی تو محبت کے احساس نے امرت گھولنا شروع کیا تھا اور یہ سجاد زہریلا ناگ ہمہ وقت ڈسنے کو تیار رہتا تھا۔ وہ دانت پیستی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"مجھے تمہاری شکایت کرنا پڑے گی ڈیڈ سے۔" اس نے ناراضی کا اظہار کیا تھا۔ سجاد خاموشی سے اس کے پیچھے چلتا رہا۔

"میں یہاں محفوظ ہوں' مجھے کیا خطرہ ہو سکتا ہے کسی سے اور یہاں کتنوں کو اس بات کی پرواہ ہے کہ میں کس کی بیٹی ہوں' کسی کو احساس تک نہیں ہوتا میری موجودگی کا اور تم ہر وقت میرا سایہ بنے رہتے ہو۔" وہ بگڑ رہی تھی۔

"اٹس مائی ڈیوٹی میم۔" اس نے بیک مرر سیٹ کرتے ہوئے جواب دیا اور ہمیشہ کی طرح اس بار بھی ہانیہ دانت پیسنے کے علاوہ کچھ نہ کر سکی تھی۔

گھر پہنچتے ہی اس نے پہلی کال ڈیڈ کو کی اور سجاد کو اپنی نگرانی سے ہٹانے کی پُرزور سفارش کی۔ رفاقت زبیر اس کی ان باتوں پر ہنستے ہی رہے اور ساتھ ہی اگلے ہفتے وہاں آنے کا مژدہ بھی

سنادیا۔ وہ خوش ہوگئی تھی اور سوچنے لگی تھی کہ اگر وہ ڈیڈ کو اپنی محبت کے بارے میں بتائے تو وہ کیسا برتاؤ کریں گے؟ اس نے بہت ساری خوش فہمیاں پال لی تھیں جن میں سے سرفہرست اس کی بات رد نہ کیے جانے کی خوش فہمی تھی۔ محبت بڑی خوش فہم ہوتی ہے بڑے پر لگا کر اڑائے رکھتی ہے۔ وہ صبح ہوتے ہی اس سے ملنے جائے گی' تکیے میں منہ چھپاتے ہوئے اس نے محبت کا کلمہ پڑھا تھا۔

خلاف توقع وہ اگلی صبح جلد بیدار ہوئی تھی۔ کھڑکی سے پردے ہٹاتے ہی اسے سامنے گراؤنڈ میں سجاد ایکسرسائز کرتا نظر آیا۔ روشنی پھیل جانے میں ابھی کچھ وقت تھا۔

"وہ اس وقت کیا کررہا ہوگا؟" غیر ارادی طور پر اس نے سوچا تھا۔ وہ کتنی دیر کھڑی باہر کا منظر دیکھتی رہی' دن کا اجالا پھیل گیا تھا' سجاد اب اندر جاچکا تھا۔ وہ نیچے اتر آئی' کچن سے کھٹر پٹر کی آوازیں آرہی تھیں۔ عروبہ جاگ گئی تھی وہ تو شاید روزانہ ہی اسی وقت جاگتی تھی' خود وہ گیارہ بارہ بجے سے پہلے بیدار نہیں ہوتی تھی۔ عروبہ نے اسے سیڑھیاں اترتے دیکھا تو بھاگ کر آئی۔

"خیریت ہے ناں بی بی' طبیعت تو ٹھیک ہے؟" اس نے عروبہ کے پریشان چہرے کو دیکھا اور ہنس دی۔ عروبہ کو حقیقتاً پریشانی ہوئی (ہر وقت غصے میں رہنے والی بی بی ہنس رہی تھی)

"بی بی جوس لاؤں آپ کے لیے؟" اسے اور کچھ نہ سوجھا۔ وہ وہیں سیڑھیوں میں بیٹھ گئی۔

"جوس بھی اور اچھا سا ناشتہ بھی۔ آج سوکھے توس مت دینا۔ مام نے کوئی کیمرہ تو نہیں لگا رکھا۔" اس نے فرمائش کی تھی۔

"اتنا بڑا کیمرہ ہے تو سہی' یہ سجاد" عروبہ نے اندر آتے سجاد کی طرف اشارہ کیا تھا' سجاد نے ان سنی کردی تھی۔ وہ کچھ دیر سیڑھیوں میں بیٹھی موبائل سے کھیلتی رہی' پھر عروبہ کے پاس ہی آگئی۔

"بی بی۔" وہ گھبرائی۔ "آپ چلیں' میں لے کر آرہی ہوں۔" اس نے باہر کی طرف اشارہ کیا۔ وہ آج کسی اور ہی ترنگ میں تھی۔ فریج کھولا' فریزر چیک کیا' کیبنٹس دیکھے' مصالحوں کے ڈبے' ڈرائی فروٹس کے جار اور وہ اس دوران گنگناتی رہی' عروبہ مشکوک نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

اسے ایک دوست کی اشد ضرورت محسوس ہورہی تھی۔ باتیں کرنے کے لیے' کتنی عجیب بات تھی اس کی کوئی دوست نہیں تھی۔ اس کی بڑی محدود زندگی تھی' اس کے غرور نے کسی کو اس کے پاس آنے ہی نہیں دیا تھا اور پھر جس ایلیٹ کلاس سے اس کا تعلق تھا وہاں علیک سلیک رکھنا ہی بڑی بات ہوتی تھی۔ جعلی خوشیاں' جھوٹے رشتے' بناوٹی باتیں' کھوکھلے قہقہے' برانڈڈ لائف کے برانڈڈ انداز...... سو وہ کسی کے نزدیک ہوکر دوستی کا رشتہ نہیں بنا سکی تھی۔ سال کے چھ ماہ ملک اور چھ ماہ غیر ملک گزارنے والی ایلیٹ کلاس کی ہانیہ زبیر احمد کے اندر کوئی تبدیلی آرہی تھی۔ ایک خوشگوار سی تبدیلی۔ عروبہ نے ناشتہ تیار کرلیا تھا اور اب سلیقے سے میز پر رکھ رہی تھی۔ وہ سرخ سیب کو دانتوں سے کترتی میز تک آ گئی۔

"لائیں بی بی چھیل دوں۔" عروبہ کو خوف آرہا تھا کہ اگر سجاد نے شکایت لگادی تو اس کی خیر نہیں۔

غریبوں کی طرح کھانے کی عادت تھی ناں اجازت۔ پہلے سے چھیل کر نفاست سے چھری کانٹے کے ساتھ کھانے والی جاہلوں کی طرح دانتوں سے کیوں کھائے؟ ہانیہ آج سب کچھ نظر انداز کررہی تھی۔ اپنی عادات' رہن سہن' طور طریقے' جو بڑی بی بی یا صاحب جان جائیں تو......؟ عروبہ کو یہی سب دہلائے دے رہا تھا۔

ہانیہ نے جوس پیا' پراٹھا کھایا اور عروبہ کا شکریہ ادا کرتی تیار ہونے چل دی۔ خلاف عادت آج اس نے گہرے رنگ کے لباس کا انتخاب کیا تھا۔ موسم دل کا ہوتا ہے ناں؟ تیار ہوکر ہمیشہ کی طرح وہ بنا بتائے نکل گئی تھی۔



موسم بڑے دنوں بعد صاف ہوا تھا۔ کرینیں سڑکوں سے برف ہٹارہی تھیں۔ وہ لانگ شوز پہنے سر پر ہیٹ جمائے سردی انجوائے کرتی پیدل ہی چل رہی تھی۔ ساتھ ساتھ پیچھے مڑ کر بھی دیکھ رہی تھی کہ کہیں سجاد اپنی ڈیوٹی تو نہیں نبھا رہا تا حال وہ نظر نہیں آیا تھا۔ اس نے ایک کیب کو روکا اور عبدالحسیب کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔ اندر بیٹھتے بیٹھتے وہ اسے اپنے آنے کی اطلاع دے چکی تھی اور ادھر سے ایک ٹھنڈی آہ بھرنے کی آواز بخوبی اس کی سماعتوں نے پس انداز کی تھی۔

گاڑی اسٹور کے سامنے رکی اور اس نے اتر کر ایک بار پھر اردگرد کا جائزہ لیا' سجاد بوتل کا جن تھا کہیں بھی نازل ہوجاتا تھا اور اب اسے لگ رہا تھا کہ اگرچہ وہ دکھائی نہیں دے رہا لیکن یہیں آس پاس وہ موجود ضرور ہے۔ اسٹور میں داخل ہوتے وقت اس نے ایک بار پھر نمبر ملایا' اب کی بار کال ریسیو نہیں ہوئی بلکہ فوراً ایس ایم ایس آیا کہ وہ آج اسٹور نہیں آیا۔

"کیوں......؟" وہ بری طرح بے مزہ ہوئی تھی۔

"بیمار۔" اس نے لکھا۔

"مردم۔" اس نے جواباً لکھا بھی اور بولا بھی۔

اس کا سارا موڈ غارت ہوگیا تھا۔ صبح والی خوشگواریت یک لخت غائب ہوگئی تھی۔ غصیلی اکھڑ انا پرست ہانیہ بیدار ہوگئی تھی۔ اسے ضرورت ہی کیا ہے ایک اسٹور کیپر کے پیچھے خوار ہونے کی۔ اپنا موبائل پاور آف کرتے ہوئے اس نے سوچا۔

"خوامخواہ بانس پر چڑھ کر اپنا قد بڑھا رہا ہے ہونہہ...... ہانیہ زبیر ہوں میں وہ ہے کس بھول میں؟" اس سے اپنی بے وقعتی برداشت نہیں ہو رہی تھی۔

"مجھے نہیں کرنی محبت اور وہ بھی اس جیسے بندے سے، جس کے نزدیک اس کی اہمیت ہی نہیں۔ وہ جانتا نہیں میں کون ہوں؟" پیدل چلتے ہوئے اس نے پھر رستے میں آئی چیزوں کو ٹھوکریں مار کر اپنا غصہ کم کیا تھا۔



"ہیں کیا آپ؟" اس نے اپنے پسندیدہ ترین مشغلے سے توجہ ہٹا کر پوچھا اور یہ ہانیہ جرار کے لیے قابل فخر بات ہونی چاہیے تھی کہ قبلہ محترم جرار ابشام اپنی مصروفیات میں سے تھوڑا وقت نکال کر اس کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

"یہی تو پتا نہیں چلا؟" وہ پھیکی سی ہنسی ہنس دی۔

"پتا رکھا کریں بیگم صاحبہ آپ جرار ابشام کی بیوی ہیں۔" اس کی نظریں پھر لیپ ٹاپ کا طواف کرنے لگیں۔

"جی آج کل یہی ایک بات تو اس یادداشت میں محفوظ ہے۔"

"تمہارا اگر یہاں دل نہ لگ رہا ہو تو فارن ٹورز پر چلی جاؤ۔" جرار نے مشورہ دیا۔

"کیوں......! میں کیوں جاؤں؟" اس نے تکیے پر سر رکھا۔

"یہاں تمہاری کوئی مصروفیت جو نہیں۔"

"حیرت ہے۔" وہ ہنس دی۔ "آج یکا یک میری مصروفیت کی فکر کیوں ہونے لگی؟"

"تم میرے ساتھ خوش نہیں ہوناں؟" سلگتے اندھیرے میں لیپ ٹاپ کی روشن اسکرین میں جرار کا چہرہ عجیب لگ رہا تھا۔

اس نے جواب دینا مناسب نہیں سمجھا۔

"تم اسے بھولی تو نہیں ہوگی؟" اس نے ایک نگاہ غلط اس پر ڈالتے ہوئے معنی خیزی سے پوچھا اور ہانیہ کو چھت خود پر گرتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ وہ اٹھ کے سیدھی ہوئی اور پھر تقریباً بھاگتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔ دل کے آبلے اسے پیروں کے تلوے میں چبھتے محسوس ہوئے تھے۔

"تم اسے بھولی تو نہیں ہوگی۔" وہ بھاگ رہی تھی اور اطراف کی ساری چیزیں مل کر چیخ رہی تھیں۔ "تم اسے بھولی تو نہیں ہوگی...... تم اسے...... تم اسے...... تم اسے......" وہ پچھلی طرف بنے لان کے آخری حصے میں کھڑی تھی۔ کانوں پر ہاتھ رکھے لرزتے وجود پہ قابو پانے کی کوشش کرتے، محبت پیچھا نہیں چھوڑتی، مرتے دم تک ساتھ نبھاتی ہے۔ وہ گھاس پر بیٹھ گئی اور گھٹنوں میں سر دے لیا۔

شور و غوغا میں گم تھے کرب و ملال
مدتوں بعد بے خیالی میں
خاموشی پھٹ پڑی عداوت سے
خاموشی پھٹ پڑی تو یاد آیا
سانس بھی کیسے بین کرتی ہے
سانس بھی کیسے بین کرتی ہے؟

"میرے اللہ...... میرے اللہ۔" اسے لگا کہ وہ دل جو کئی برسوں سے خاموش تھا، پھٹ جائے گا آج۔ وہ آنکھیں میچے آنسوؤں کو حلق میں اتارتی خود سے ایک پرانا عہد دہرا رہی تھی۔



اسے رونا نہیں تھا اسے رونا نہیں تھا۔

میں نے اپنے ہاتھوں
دل کی کوکھ میں اتر کر
خود کو قتل کیا......
لہو اچھل کر میری آنکھوں میں جا پڑا اور دل ایڑیوں میں
میں نے اپنی بجھتی آنکھوں میں
کتنے ہی دم توڑتے عکس دیکھے
ہتھیلی پر پرانی یادداشتوں کا سوگ دیکھا
پیشانی پر شکستگی شرمندگی
جانکنی میں اٹکا ضمیر
بے لباسی میں موت دیکھ لینے کے باوجود عریاں
مجھے دکھ ہوا......
اپنے گونگے بہرے اور اندھے پن کا

اس نے کئی بار کی پڑھی نظم دہرائی۔

مرد روتا نہیں
مرد روتے اچھے نہیں لگتے
کیوں؟ کوئی بتائے کیوں؟
کیا مرد کو تکلیف نہیں ہوتی؟
کیا مرد کا دل ٹکڑے ٹکڑے نہیں ہوتا
کیا چھن جانے کا دکھ صرف عورت ہی محسوس کرتی ہے؟
نہیں مرد بھی اسی تکلیف سے گزرتا ہے' کچھ کھو دینا اس کے لیے بھی ناقابل برداشت ہوتا ہے۔
اس کا دل بھی ٹکڑے ٹکڑے ہوتا ہے' وجود چھلنی ہوتا ہے۔

"گڈو...... گڈو......" فاطمہ اندر آئی تھیں اور اسے آنکھیں میچے دیکھ کر وہیں رک گئی تھیں۔ میز پر بکھری کتابیں ہی نہیں اس کا پورا وجود بھی ادھر ادھر بکھرا پڑا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر اس کے گھنے بالوں پر بوسہ دیا۔ اس نے چونک کر آنکھیں کھولیں وحشت زدہ آنکھیں...... دکھ سے لبالب بھری آنکھیں۔

"بس کر دکھ منانا۔" وہ نظریں چرا گئیں اور بکھری کتابیں سمیٹنے لگی۔ کاش وہ اس کا وجود بھی سمیٹ سکتیں۔

"تیرے خواب مر گئے ناں پتر؟" کبھی کبھی دکھوں پر بات کر لینے سے دکھوں کی شدت کم ہونے لگتی ہے۔

"مرے نہیں...... ٹوٹے ہیں ماں۔" اس نے ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑیں۔ "مرے ہوئے کو دفنا دیا جاتا ہے' صبر کر لیا جاتا ہے' ٹوٹے ہوئے کو سمیٹا بھی نہیں جا سکتا' کرچیاں روح تک کو لہولہان کر دیا کرتی ہیں۔"

"اتنی مشکل باتیں نہ کیا کر' موچی ہے تو' سیدھے سیدھے اپنے کام پر دھیان رکھا' یہ پڑھے لکھے لوگوں کی باتیں ہیں بھرے پیٹ کی۔ چل اٹھ۔" فاطمہ نے اپنے لہجے کو سنجیدہ رکھتے ہوئے اسے ہلکا سا ڈانٹا تو وہ ہنس دیا۔

"صحیح کہتی ہے اماں تو بھی' یہ بھرے پیٹ کی باتیں ہیں' میں سوچ رہا ہوں اماں' ہم واپس گاؤں چلتے ہیں۔ میں وہیں گاؤں کی نکڑ پر دکان کھول لوں گا' یہاں شہر میں تو مشکل ہو رہی ہے۔" اس نے مٹھی میں دبی چیز غیر محسوس طریقے سے دراز کھول کر اس میں رکھی اور فاطمہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جو اس کی گاؤں جانے والی بات پر غور کر رہی تھیں۔

"صدیاں گزر گئیں پتر' گاؤں چھوڑے' سب عزیز رشتہ دار مر مرا گئے' ان کے بچے آگے ان کے بچے' اب تو ہمیں وہاں کوئی جانتا بھی نہیں ہوگا۔" اس کے ذہن میں سارے رشتے داروں کے چہرے ابھرے تھے۔

"اسی لیے تو کہہ رہا ہوں گاؤں چلتے ہیں' آرام سے ایک طرف ہو کر پڑے رہیں گے۔" وہ یہاں سے بھاگ جانا چاہتا تھا۔

"کہاں آرام سے؟ گاؤں میں رہنا کون سا سوکھا کم ہے۔ کمی کمین بن کر رہنا پڑتا ہے۔ سارے پنڈ کی جتیاں (جوتیاں) سیو اور نمبردار کی جوتیاں کھاؤ...... جب ہم شہر آئے تھے تو نمبردار نے بڑا رولا ڈالا تھا۔ رعایا میں کمی برداشت نہیں ہوتی ان سے چھوڑ تو وہاں کا خیال کوئی اور جگہ ڈھونڈ لے اللہ کی زمین بہت بڑی ہے مل جائے گی کوئی نہ کوئی جگہ...... ابھی تو اٹھ کھانا کھا لے۔" فاطمہ نے باہر نکلتے ہوئے کہا تھا۔ گڈو نے دراز کھول کر اس میں رکھی ہوئی چیز باہر نکالی' اس کی ہتھیلی پر روبی جڑا بندہ تھا آنکھوں کو خیرہ کرتا ہوا۔

❀......❀......❀......❀

"کیا چاہتی ہیں آپ مجھ سے میم؟" وہ ناک چڑھائے پوچھ رہا تھا۔ ہانیہ زبیر کا سارا غرور ایک لمحے میں اس کے آگے سجدہ ریز ہو گیا۔

"محبت ہو گئی ہے تم سے۔" جی میں آیا کہہ دے لیکن کہہ نہیں پائی۔

"بس دوستی۔" وہ دھیرے سے مسکرائی۔ "میری کوئی دوست نہیں ہے' میرا دل کرتا ہے آپ سے دوستی کروں۔"

"صرف دوستی؟" وہ حظ اٹھا رہا تھا۔ اس کی بے بسی سے اس کی کشمکش سے۔

"فی الحال۔" وہ اس کی آنکھوں کی شرارت بھانپ گئی تھی۔ اس لیے مسکرا دی اور ہاتھ اس کی طرف بڑھایا۔

"میں بہت غریب بندہ ہوں۔" اس نے ہاتھ تھامنے کی کوشش نہیں کی۔ "پھر بھی آپ سے دوستی کرنے پر رضامند ہوں لیکن کبھی یہ توقع مت رکھیے گا کہ کہیں آپ کو ہوٹلنگ کرواؤں یا شاپنگ' میں گفٹ دینا بھی افورڈ نہیں کر سکتا کیونکہ میں خود یہاں اسکالر شپ پر ہوں۔" اس نے جلدی جلدی اپنے کوائف بیان کیے' ہانیہ کو ہنسی روکنا مشکل ہو گئی تھی۔

"تم جانتے ہو میں کون ہوں؟" اس نے ادائے ناز سے چہرے پر جھولتے بالوں کو پیچھے جھٹکا دیتے ہوئے پوچھا تھا۔

"کیا کسی وزیر مشیر کی بیٹی ہیں؟" اس نے مذاق اڑایا تھا۔

"ہاں...... سچ میں۔" اس نے اطمینان سے کہا تو وہ کئی

ثانیہ خاموشی سے اسے دیکھتارہ گیا پھر خاموشی سے اٹھا اور چل دیا۔ وہ ہکا بکا اس کے پیچھے بھاگی۔

"عبدالحسیب رکو۔" چند قدموں میں ہی اس نے جالیا۔

"دیکھیں میم میں سچ مچ ایک غریب باپ کا غریب سا بیٹا ہوں۔ میرا اور آپ کا کوئی میچ ہی نہیں۔ میری حیثیت آپ کے کسی بھی معمولی ملازم سے بھی کم ہو سکتی ہے۔ یاریاں دوستیاں اپنے جیسوں میں اچھی لگتی ہیں۔ میں معذرت چاہتا ہوں۔"

"اور محبت......؟" وہ اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔ پُراعتماد آنکھوں میں آنکھیں ڈالے وہ پوچھ رہی تھی۔

"اور محبت کے لیے کیا معیار ہے آپ کی نظر میں اس کے لیے بھی برابری کا بندہ ہونا چاہیے؟ بلکہ تول کر ہونا چاہیے ہر دو پلڑے میں برابر کا وزن ہے ناں؟" وہ آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑی تھی۔ عبدالحسیب نے گھبرا کر اس لڑکی کو دیکھا جو امارت کا منہ بولتا ثبوت تھی اور محبت کی بات کررہی تھی۔

"آپ.... آپ کیسی باتیں کررہی ہیں میم؟ شاید آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں۔" اس کی آر پار ہوتی نظریں اسے الجھا رہی تھیں۔

"مجھے تم سے محبت ہوگئی ہے عبدالحسیب۔ بنا تمہاری اوقات اور حیثیت جانے۔" اس کے منہ سے ادا ہوئے الفاظ اس کو پتھر کی طرح لگ رہے تھے اس سے رکنا دشوار ہو رہا تھا۔

"اللہ حافظ میم شاید زندگی میں ہم کبھی نہ ملیں۔" وہ ایک طرف سے ہو کر نکلنے کو تھا۔

ہانیہ کی انا کو ٹھیس پہنچی۔ وہ اس کو کس طرح نظر انداز کرسکتا تھا۔ وہ کیسے اس کی محبت کو ٹھوکر مار سکتا تھا؟ اس کے ایک اشارے پر کئی لڑکے اس پر جان لٹانے کے لیے تیار ہو جائیں اور یہ شخص۔

"عبدالحسیب۔" وہ بھاگ کر اس کے مقابل آئی۔ "جب کوئی اپنی انا اپنا غرور داؤ پر لگا کر اظہار محبت کرے اور اس کی محبت کو ٹھوکر مار دی جائے تو پھر اس کے لیے زندگی بہت مشکل ہو جاتی ہے۔ سوچ لینا۔" کہہ کر وہ رکی نہیں تیز قدموں سے چلتی گاڑی میں جا بیٹھی۔

عبدالحسیب اسے کچھ دیر رک کر دیکھتا رہا پھر سر جھٹک دیا۔ زمین اور آسمان کا ملن ہوا ہے کبھی؟ وہ تو اس حیثیت کی حامل لڑکی سے راہ چلتے بات کرنے لائق بھی خود کو نہیں سمجھتا تھا کجا دوستی عشق محبت...... اللہ اس کے حال پر رحم کرے...... اس نے چہرے پر آیا نادیدہ پسینہ پونچھا اور پھر اسٹور کے راستے پر ہولیا۔

اسے محبت زیب نہیں دیتی تھی اور کسی امیر لڑکی کی محبت تو بالکل بھی نہیں۔ اس نے محبت کرکے کرنا بھی کیا تھا؟ باپ نے ساری جمع پونجی اس کا خواب پورا کرنے میں صرف کردی تھی۔ وہ یہاں اسکالرشپ پر آیا تھا۔ اخراجات پورے کرنے کے لیے اسے چھوٹی موٹی نوکریاں کرنا پڑتی تھیں اور اللہ جانے یہ تھی کون کل کو پھندا اس کے گلے پڑا ہو۔

"نا...... بابا......" اس نے کانوں کو ہاتھ لگائے تھے۔

❀......❀......❀......❀

"ڈیڈ۔" وہ رفاقت زبیر کے سینے میں جاسمائی تھی۔ انہوں نے اس کے سر پر شفقت بھرا بوسہ دیا تھا۔

"کیسا ہے میرا بیٹا جانی؟" وہ اسے ساتھ لگائے ہوئے ہی اندر آئے تھے۔ سجاد باادب کھڑا تھا اور عروبہ جوس کا گلاس لیے وہیں چلی آئی تھی۔ وہ صوفے پر بیٹھ گئے تھے۔

"آئی مس یو ڈیڈ۔" اس نے لاڈ دکھایا تھا۔ "مما کو بھی لے آتے ناں۔" اس لمحے وہ ایک چھوٹی بچی بن گئی تھی۔

"مما تو نہیں ایک اور گیسٹ آئے ہیں میرے ساتھ۔" انہوں نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے سجاد کو اشارہ کیا تھا۔ وہ سر خم کرتا باہر نکل گیا تھا۔

"گیسٹ؟" وہ استعجابیہ انہیں دیکھنے لگی۔

"ہیلو ایوری بڈی۔" ایک چہکتی آواز پہ دونوں نے سامنے دیکھا تھا۔

"کم آن مائی سن۔" رفاقت والہانہ انداز میں اٹھ کر استقبال کرنے آگے بڑھے تھے۔ ہانیہ کے لیے یہ شخص اجنبی تھا لیکن ڈیڈ جس طرح اٹھ کر اس سے ملے تھے وہ حیران ہوئی تھی۔

"یہ جرار ہیں ہانیہ اور جرار یہ میری عزیز از جان بیٹی۔" ڈیڈ نے تعارفی رسم ادا کی۔

"ہیلو۔" اس نے دایاں ہاتھ اس کی طرف بڑھایا تھا۔

وہ مسکرا کر ہائے بھی نہ کہہ سکی اس کے اندر خطرے کی گھنٹی بجنے لگی تھی۔ ڈیڈ کا اچانک یہاں آنا اور اپنے ساتھ ایک نوجوان کو لاکر اس کا تعارف کروانا خالی از معنی نہیں تھا۔ رفاقت جزبز ہو کر اسے دیکھ رہے تھے۔

"سوری میں کسی اجنبی کے ساتھ جلدی فری نہیں ہوتی۔" اس نے کندھے اچکا کر کہا اور اندر چلی گئی تھی۔

رفاقت جانتے تھے کہ وہ موڈی ہے جلدی کسی سے مانوس نہیں ہوتی ہے اسی لیے انہوں نے جرار کو اس کی اس عادت سے

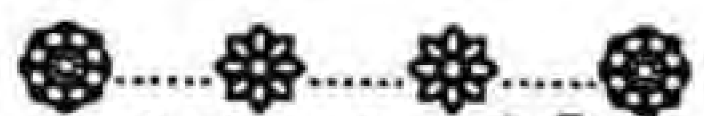
پہلے ہی آگاہ کردیا تھا۔ جواباً اس نے کندھے اچکا دیے تھے۔ رات دیر تک انہوں نے گپ شپ کی تھی' سیاست سے لے کر لاہور کی فوڈ اسٹریٹ تک زیر بحث آئے تھے۔ جرار نے انہیں اپنے فارم ہاؤس پر موجود اعلیٰ نسل گھوڑوں کے بارے میں بتایا تھا اور رفاقت نے اپنے باغات کے بارے میں' رات گئے وہ رخصت ہوا تھا اور رفاقت اپنی خواب گاہ میں آ گئے تھے۔



وہ لاکھ چاہ کر بھی ہانیہ کو ذہن سے نہیں نکال پا رہا تھا۔ اس کی حیثیت' اس کا رتبہ کہیں پیچھے چھپتا چلا جا رہا تھا۔

"محبت میں حیثیت نہیں ہوتی۔" اس نے دل کو ایک دلیل دی اور دل ہموا ہوا' اگلی دو راتوں میں اس نے اپنے دل کو ہانیہ کے حق میں مکمل قائل کرلیا اور تیسری صبح اس نے اس مغرور لڑکی کو صبح بخیر کا پیغام کیا اور یوں محبت کی کہانی کی ابتدا ہو ہی گئی تھی۔

اسے محبت کی ساری کہانیاں ہی الٹی سیدھی لگتی تھیں۔ وہ سوچتا تھا اگر ہیر سیو کھیڑے سے شادی کرتے وقت زہر پی لیتی' صحیح والا' تو پہلے ہی مر جاتی' اتنا بکھیڑ ڈالنے کی نوبت ہی نہ آتی۔ سسی اگر ایک رات نہ سوتی تو کون سا قیامت آ جاتی تھی۔ اگر سونا ہی تھا تو پنوں کو ساتھ جگانے کا معاہدہ کرلیتی' دونوں اکٹھے فرار ہو جاتے اور سب سے زیادہ غصہ اسے سوہنی پہ آتا' کیا ضرورت تھی' کچے گھڑے پر ماہیوال سے ملنے کے لیے آنے کی۔ سو محبت اور محبت کرنے والوں کے بارے میں عجیب و غریب رائے رکھنے کے باوجود بالآخر اس نے خود کو اس بھٹی میں جھونک ہی دیا تھا۔



رات تو بچت ہو گئی تھی لیکن اگلے دن صبح صبح ہی عروبہ بڑے صاحب کا پیغام دے گئی۔ اسے تیار ہو کر جرار کے ساتھ شاپنگ پر جانا تھا اور ڈنر بھی اسی کے ساتھ کرنا تھا۔ پاپا کی مہربانیوں نے اس کے شکوک یقین میں بدل دیے وہ یقیناً کچھ اور سوچ رہے تھے ورنہ جرار پر اتنی مہربانیاں کیوں۔ وہ تیار ہو کر نیچے آئی تو عروبہ نے ناشتہ دیا' وہ چپکے سے زہر مار کرتی رہی۔

"آپ کا ڈریس تیار ہے' گیارہ بجے گاڑی لینے آ جائے گی آپ کو بی بی۔" عروبہ بتا رہی تھی اور اس کا دماغ کھول رہا تھا۔ اسے تیار ہونا ہی پڑا تھا ورنہ ڈیڈ غصہ کرتے۔ وہ طوعاً و کرہاً تیار ہوئی تھی۔ موبائل بیگ میں رکھتے ہوئے یونہی اس نے چیک کیا تھا۔

"ہائے دنیا کی حسین لڑکی۔" اس کا دل دھڑکا تو اس نے فوراً دل پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔

بڑا اچھا لگتا ہے محبت کرنا اور اس سے بھی اچھا لگتا ہے کوئی آپ سے محبت کرے اور ان دونوں سے بھی اچھا لگتا ہے' جس سے آپ محبت کریں جواباً وہ بھی آپ سے اتنی ہی محبت کرے۔ اس کی طبیعت پر چھائی بیزاری یک لخت خوشگواری میں ڈھل گئی تھی۔ اس نے آئینے میں اپنا سراپا دیکھا اور ایک گہرے رنگ کی لپ اسٹک اٹھا کر ہونٹوں پر لگائی' اس کا حسن دو آتشہ ہو گیا تھا' دل چاہ رہا تھا ابھی فون اٹھائے اور اس دشمن جان کی آواز سن لے لیکن عروبہ کی آمد نے اسے پھر کوفت میں مبتلا کردیا تھا۔

"میں جب بھی خوش ہونے لگتی ہوں تم اپنی منحوس شکل لے کر کیوں آ جاتی ہو؟" اس نے ہمیشہ کی طرح غصہ عروبہ پر ہی اتارا تھا۔ وہ نیچے گاڑی آ جانے کی اطلاع دے کر واپس پلٹ گئی تھی۔ ہانیہ پر سرشاری طاری تھی' اس نے آخری بار آئینے میں اپنا جائزہ لیا تھا۔

قبلہ موصوف اسی کے انتظار میں بیٹھے تھے۔ وہ سج سج سیڑھیاں اترتی نیچے آئی' جرار احتراماً کھڑا ہوا تھا۔ آنکھوں میں ستائش لیے اس کے ہونٹ سیٹی بجانے کے انداز میں سکڑے تھے اور ہانیہ یہ محسوس کرتے ہی اکڑ سی گئی تھی۔

"اس جیسا حسین روئے زمین پر اور کوئی نہیں۔" اس نے خود کو باور کرلیا تھا۔ جرار اسے لیے باہر آ گیا تھا۔ باہر کھڑی شاندار گاڑی اس کے صاحب حیثیت ہونے کا پتا دے رہی تھی۔ صاحب حیثیت تھا' جب ہی تو رفاقت زبیر کی نظروں میں جچا تھا۔ ورنہ وہ کسی عام یا معمولی آدمی کے ساتھ اسے جانے دیتے۔

وہ خاموشی سے اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی تھی۔ گاڑی اسٹارٹ کرتے ہی اس نے میوزک بھی آن کردیا تھا۔ باذوق تھا۔ ہانیہ نے سراہا' وہ خاموشی سے باہر دیکھنے میں مگن رہی' جرار بھی اس سے بات کرنے سے گریز کر رہا تھا۔ خائف تھا یا مغرور' وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی لیکن یوں بھی اپنی ہتک محسوس ہو رہی تھی۔ یونہی گھومتے گھماتے وہ اسے ایک پارک میں لے آیا تھا۔

"یہاں کیوں لائے ہیں؟" اس نے سوال کیا تھا۔

"اچھا لگتا ہے مجھے۔" اس نے گاڑی ایک طرف پارک کرتے ہوئے جواب دیا تھا۔ وہ کافی دیر وہاں آتے جاتے رومانوی جوڑوں کو دیکھتے رہے تھے۔ جرار کی خاموشی نہیں ٹوٹی تھی۔ وہ تنگ آ گئی' بیزار ہو گئی' ڈیڈ نے پتا نہیں کیوں اس کے

ساتھ بھیج دیا تھا اور کس لیے؟ مسئلہ خاموشی کا نہیں تھا مسئلہ اس "سریے" کا تھا جو دلوں کی کرچیوں میں بٹ تھا۔

"واپس چلیں۔" بالآخر اس نے کہا۔ جرار نے ایک پل اس کی طرف دیکھا اور کندھے اچکا دیے۔ اسے بھوک بھی لگ رہی تھی لیکن اس کا اظہار وہ کم ازکم جرار کے سامنے کرنے کا ارادہ نہیں رکھتی تھی۔ وہ اسے گھر کے سامنے اتار کر چلا گیا اور وہ اندر داخل ہوئی تو ڈیڈی کسی کے ساتھ فون پر مصروف تھے۔ وہ شکایتوں انبار لگانا چاہتی تھی اس پر بھوک غصہ بدمزاجی سب کچھ اکٹھا حملہ آور ہوئے تھے...... سب سے پہلے اس نے عروبہ کو کچھ کھانے کے لیے لانے کا کہا پھر چینج کرنے اپنے کمرے میں چلی گئی کچھ لوگوں کا ساتھ بہت تھکا دینے والا ہوتا ہے۔

"آپ نے مجھے اس کے ساتھ بھیجا کیوں؟" سینڈوچ کھاتے ہوئے اس نے ناراضی کا اظہار کیا تھا۔

"وہ بھی کم و بیش ایسی ہی شکایت کررہا ہے۔" ڈیڈی نے سگار کا گہرا کش لیتے ہوئے اسے غور سے دیکھا تھا۔ وہ کچھ بھی سوچنے سے کترا رہے تھے۔

"عجب ان سمجھ شخص ہے وہ تمام راستہ یوں بیٹھا رہا جیسے اس کے علاوہ گاڑی میں کوئی ہے ہی نہیں بھوک پیاس کسی چیز کی پروا نہیں اسے۔" وہ اپنا شکایت نامہ جاری رکھے ہوئے تھی۔ بس نہیں چل رہا تھا اس کو پاؤں تلے روند دے۔

"پرپوزل ہے اس کا تمہارے لیے۔" ڈیڈی نے جتنے اطمینان سے یہ بات کہی تھی وہ تو ساکت ہی رہ گئی تھی۔ منہ تک جاتا سینڈوچ والا ہاتھ وہیں رک گیا تھا انہوں نے اپنی بات جاری رکھی تھی۔

"سول سروس میں ہے اچھی فیملی سے ہے ہمیں سیاسی طور پر بہت فائدہ ہونے والا ہے اس رشتے سے تمہاری مام اور بھائی سب رضامند ہیں اور تم ابھی اتنی میچور نہیں ہو کہ اپنا اچھا برا سوچ سکو۔ ہم یقیناً تمہارے لیے بہت اچھا فیصلہ کریں گے۔" ڈیڈی کہہ رہے تھے اور اس کے کان سائیں سائیں کررہے تھے۔ محبت کی پہلی سیڑھی سے ہی اسے کسی نے دھکا دے دیا تھا۔ اس کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا تھا۔ حلق میں پڑتے پھندوں سے قطع نظر۔ وہ باپ کی توضیح گویا سن رہی تھی۔

"اچھی اور خوب صورت زندگی دولت کی ریل پیل آسائشات لوپچے سے بھی اونچے لیول کی زندگی۔ جس کے لڑکیاں خواب دیکھتیں ہرگز مر دیتی ہیں۔"

اس نے خود کو سنبھالا اور ہاتھ میں پکڑا ادھ کھایا سینڈوچ واپس پلیٹ میں رکھ دیا عروبہ کافی لے آئی تھی لیکن اس کے حلق میں پیاس کے مارے کانٹے پڑ رہے تھے۔ یہ جس زندگی کی لڑکیاں خواہش کرتی ہیں بنا محبت کے کیسے جی لیتی ہیں اس نے سوچا تھا؟ رفاقت اپنی بات مکمل کرکے کافی کے سپ لے رہے تھے۔

اس کا شدت سے جی چاہ رہا تھا اٹھ کر جانے کو...... لیکن وہ گئی نہیں۔ جانے کا مطلب ہوتا کہ اسے باپ کی بات پسند نہیں آئی اور کیوں پسند نہیں آئی وجہ جاننے میں وہ ایک لمحہ لگاتے اور یہی وہ نہیں چاہتی تھی۔ وہ ابھی محبت جینا چاہتی تھی اور اپنی محبت کو زندہ دیکھنا چاہتی تھی۔ سو خاموش رہی۔ اگلے کئی دن وہ نہ تو عبدالحسیب سے رابطہ کرسکی اور نہ ہی گھر سے باہر نکلی...... ڈیڈی کی موجودگی میں ایسا ناممکن تھا اور اس کی طرف سے خاموشی کو عبدالحسیب نے انکار سمجھ لیا تھا۔ محبت بدگمان بھی تو بہت جلد ہوجاتی ہے آپ ہی مبہم سی باتوں میں الجھ کر قیاس لگاتے رہنا سو عبدالحسیب کے چند دن امید میں کٹے کچھ تسلی میں اور آخر میں بدگمانی نے دل میں گھر کرلیا تھا۔ اسے جواب دینا ہی نہیں چاہیے تھا۔ چلو یہ بھی ایک غلطی سہی اس نے باقی ساری غلطیوں کے ساتھ اسے بھی لاشعور میں پھینک دیا اور اپنے عزم کو ازسرنو دہرایا اور اس خوب صورت انا پرست لڑکی کے لیے جاگے بیٹھے جذبوں کو پھر سے سلانے کی کوشش کرنے لگا۔ یوں بھی اس کا سمسٹر شروع ہونے والا تھا اور بہرحال اس کی پہلی ترجیح اس کا اچھا رزلٹ ہی تھا۔ وہ اپنے مستقبل کو بہت شاندار دیکھ رہا تھا خوابوں بھری آنکھیں کشادہ تھیں اور پلکیں ان کی پاسدار۔



اور یہ بالکل نئی جگہ تھی اندرون شہر۔ اگرچہ یہاں سے اسے گھر دور پڑتا تھا لیکن اس کے لیے فائدہ مند تھی اس نے برگد کے پیڑ کے نیچے اپنا سامان سیٹ کیا اور بکس کھول کر اپنے اوزار نکالنے لگا۔ راہ چلتے لوگوں نے اسے دیکھا یہاں کئی ٹھیلے والے آئے گئے یہ بھی انہی میں سے ایک ہوگا کئیوں نے رک کر سلام دعا کی ایک آدھ گاہک بھی آہی گیا دن اچھا گزر گیا ایک گھر سے اس کے لیے روٹی آگئی۔ کسی نے چائے کا کپ بھجوادیا وہ جان گیا اچھے لوگ ہیں ریا اور مطلب سے پاک۔ اس کے دل کو اطمینان نصیب ہوا تھا۔

اگلے چند دنوں میں محلے کے تقریباً سارے لوگ اسے

پہچاننے لگے تھے۔ اس کی نیکی اور شرافت نے جلد ہی ان کو متوجہ کرلیا تھا اور وہ بھی مطمئن سا ہوگیا تھا۔ زندگی ایک ہی ڈگر پر چل نکلی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا' یہیں کوئی مناسب سا گھر دیکھ کر ماں کو بھی یہیں لے آئے' اس نے فاطمہ سے بات کی تو اسے کیا اعتراض ہونا تھا۔ وہ ہر گاہک سے بات کرنے لگا کہ کوئی مناسب گھر ہو تو بتائے اور تین ماہ کی مسلسل کوششوں سے وہ دو کمروں کا ایک گھر لینے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ کرایہ مناسب تھا' فاطمہ اس گھر کو بیچ دینے پر رضامند نہیں تھی' سو وہ گھر کرائے پر چڑھا کر اس گھر کا کرایہ نکالنے کا سوچ رہا تھا۔

فاطمہ کے ذہن پر آج کل اس کی شادی کا بھوت سوار تھا اور وہ لڑکیاں دیکھنے لگی تھی اور اسے تو ہر لڑکی ہی پسند آجاتی تھی' کسی کے بال' کسی کی آنکھیں' کسی کی رنگت' سب کو وہ گڈو کے ساتھ تصور میں کھڑا کرتی' پھر سر جھٹک کر کسی اور کی طرف متوجہ ہوجاتی' یہاں اس محلے میں آس پاس کے گھروں میں کافی لڑکیاں موجود تھیں۔ محلے دار اچھے تھے اور اب تو اس کا کافی گھروں سے میل ملاپ بھی ہوگیا تھا۔ ہر چند کہ بیٹے نے اسے منع کردیا تھا لیکن فاطمہ درحقیقت اندر کی تنہائی سے گھبرانے لگی تھی' دکھ اور یاسیت اسے بہت کمزور کرگئے تھے۔ وہ چاہتی تھی کہ اب کوئی تیسرا آئے جو ان کے دکھ درد بانٹ کر کم کرے یا بھلا ہی دے اور اس تیسرے کے لیے اس کا لوگوں سے ملنا ملانا ضروری تھا۔

شام اتنی ہی اداس ہوا کرتی تھی' جتنی پچھلے گھر میں ہوتی تھی۔ گڈو اپنے بکسے میں سارے دن کی تھکن تو بھر کے لاتا ہی تھا' جیبوں میں بھی روپوں کے ساتھ اداسی بھری ہوتی تھی۔ وہ نوٹ ماں کے حوالے کرتا اور اپنی تھکن واداسی بھی اور خاموشی سے کھلے آسمان کے تلے بچھی چارپائی پر لیٹ جاتا تھا۔ تاروں سے بھرا آسمان بھی اسے خوشی کی کوئی کرن نہ دیتا' اس کے خواب ٹوٹ گئے تھے' کرچیاں آنکھوں میں تھیں۔

''میں نے ایک لڑکی دیکھی ہے۔'' اس وقت بھی وہ چت لیٹا آسمان کو دیکھ رہا تھا جب فاطمہ نے کھانے کی ٹرے اس کے آگے کی تو وہ اٹھ بیٹھا اور ٹرے پکڑ کر سامنے رکھ لی۔

''میرے لیے کیوں دیکھی؟'' وہ نوالہ توڑتے ہوئے بولا۔

''تو کیا تم ساری زندگی ایسے ہی گزارو گے؟'' فاطمہ ہنس دی تھی۔

''ایسے ہی گزرنے والی ہے۔'' اس نے خود کلامی کی۔

''ماں...... تو کن جھمیلوں میں پڑگئی ہے' ہمارے اس گھر میں ہمارے علاوہ کسی تیسرے کی گنجائش نہیں ہے اور کیوں کسی کی بیٹی کو لاکر دکھی کرنا ہے' ہمارے پاس کچھ نہیں ہے کسی کو دینے کے لیے۔'' بولتے ہوئے اس نے نوالہ واپس رکھ دیا تھا۔

''جو ہم روکھی سوکھی کھارہے ہیں وہ بھی کھالے گی۔'' فاطمہ آزردگی سے بولی تھی۔

''ہماری تو مجبوری ہے' کوئی اور کیوں بھگتے یہ سب اور اماں آج کل کی لڑکیاں روکھی سوکھی پہ گزارا کرنے والی نہیں ہوتی ہیں...... بڑے بڑے خواب ہوتے ہیں ان کی آنکھوں میں۔'' خوابوں سے بھری سوتی جاگتی آنکھیں تصور کے پردے پر ابھر آئی تھیں۔

''دیکھ تو کوشش کر' چھوڑ یہ کام کوئی اور نوکری ڈھونڈ لے۔'' فاطمہ نے اس کے ہاتھ پکڑ لیے۔

''ایک موچی کو کیا نوکری مل سکتی ہے؟'' وہ ہنس دیا۔

''تو کوئی عام موچی تو نہیں ہے۔'' فاطمہ کرلائی تھی۔

''میں عام سے بھی عام ہوں ماں۔'' اس نے فوراً کہا تھا۔



''کبھی کبھی بے خوف ہوجانا چاہیے اور ویسے بھی محبت اور خوف ایک جگہ نہیں رہ سکتے۔ میں کون ہوں تم بھول جاؤ' تم کون ہو میں نہیں پوچھتی۔ جتنا وقت ہے محبت میں جی لیتے ہیں۔'' وہ فون پر اس سے کہہ رہی تھی' جواباً اسے ایک قہقہہ سنائی دیا' اسے غصہ آیا مگر پی گئی۔

''اس میں یوں منہ پھاڑ کر ہنسنے والی کون سی بات ہے۔'' اس نے بول بھی دیا۔

''آپ بات ہی ایسی کرتی ہیں میم۔ یہ آپ کس طرح کی محبت کرنا چاہ رہی ہیں؟ بنا جانے بوجھے کل کو میں کوئی چپڑاسی نکل آیا تو......'' وہ اب بھی مذاق کے موڈ میں ہی تھا۔

''تو...... میں نے محبت کرنی ہے' تم سے رشتہ نہیں جوڑنا۔'' اب کہ اسے غصہ آگیا۔

''رشتہ جوڑے بغیر محبت کیسے ہوسکتی ہے' کیا ہوا میں کریں گی محبت؟'' اس کی منطق اس سے بھی نرالی تھی۔

''ہوا میں کروں یا خلا میں' تم سے مطلب؟'' وہ زیادہ دیر خود پر خول نہیں چڑھا سکتی تھی۔ تڑخ کر بولی۔

''واقعی مجھ سے مطلب؟'' اس نے بات دہرائی اور فون کاٹ دیا۔ اس جیسی سرپھری لڑکی سے محبت کرنا پچاتوے کا نہیں

تو جوڑا نوے فیصد کا ضرور ہی گھاٹا تھا۔

"ایڈیٹ..... اسٹوپڈ۔" وہ تلملا ہی گئی تھی۔

"آپ اس طرح کے پھڈے میں نہ پڑیں بی بی؟" عروبہ کافی لے کر آئی تھی' چپ نہ رہ سکی' ہانیہ نے اس کی جرأت پر اسے بہت حیرت سے دیکھا تھا۔

"تم سے مطلب؟" وہ غرائی۔

"کسی کو پتا چل گیا بی بی' تو ناحق اس معصوم کی جان چلی جائے گی۔" عروبہ کو خیر خواہی کا ابال اٹھا جو کہ اسے کافی مہنگا پڑ گیا تھا۔

ہانیہ نے دومنٹ میں اسے اس کی اوقات یاد دلا کر آئندہ اس کے معاملات میں دخل اندازی نہ کرنے کی تنبیہہ کردی تھی۔ وہ خاموشی سے اسے دیکھتے پلٹ گئی تھی۔ بی بی جو بھی کھیل کھیل رہی تھی' وہ سب کے لیے خطرناک تھا اور وہ جانتی تھی کہ سب سے پہلے وہی گولی کا نشانہ بنے گی کہ وہ حفاظت نہ کرپائی تھی۔

معاشرہ کب قبول کرتا ہے محبت کو؟ خواہ ہم پلہ ہو یا بے جوڑ..... اور جس طبقے سے ہانیہ کا تعلق تھا وہاں یہ چھوٹی موٹی محبتیں کیڑوں سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی تھیں۔ اسے ہانیہ کی سنائی گئی باتوں پر غصہ نہیں آیا تھا لیکن وہ فکر مند ضرور ہوگئی تھی۔ جلد یا بدیر یہ بات کھل ہی جانی تھی اور تب کس کے ساتھ کیا ہونا تھا' سارا نہیں تو تھوڑا بہت تو وہ جانتی ہی تھی۔ اس نے بے اختیار ہانیہ کے لیے دعا مانگی تھی۔

❀.....❀.....❀.....❀

"مالٹے کے باغات ہیں ابا کے۔" عبدالحسیب نے کافی کا گھونٹ لیتے ہوئے پکے منہ سے جھوٹ بولا تھا۔

"اچھا.....!" وہ حیران ہوئی تھی۔ "کہاں..... میرا مطلب کس شہر میں؟" دل کو تسلی ہوئی تھی کہ وہ اتنا بھی گیا گزرا نہیں ہے۔ وہ بتانے لگا اور جیسے جیسے وہ بتاتا گیا' ہانیہ کی آنکھیں کھلتی گئیں' کس قدر تفصیل سے وہ اسے ان باغات کے بارے میں بتا رہا تھا جو اس کے تھے ہی نہیں' ان باغات کی مالکن کے سامنے بیٹھا وہ ان باغات کی آمدن بتا رہا تھا..... نہ صرف بتا رہا تھا بلکہ اسے پاکستان آنے پر ان باغات کی سیر کی دعوت بھی دے رہا تھا جو کہ ہانیہ نے فوراً قبول کرلی تھی۔

"میں تم سے ان باغات میں ضرور ملنا چاہوں گی۔" اس نے مخمور نگاہوں سے اسے دیکھا تھا اور وہ نظریں چرا گیا تھا۔ وہ نہیں سمجھ پا رہا تھا کہ اس لڑکی کے لیے کیا جذبات رکھتا ہے۔ وہ اس سے دور بھی رہنا چاہتا تھا اور اس سے ملنے کو بے چین بھی رہتا تھا اور یہ ہانیہ کا مجبور کرنا ہی تھا جو وہ اس سے ملنے اس کے بتائے پتے پر پہنچ جاتا تھا ورنہ خود میں تو اتنی ہمت نہیں تھی۔ وہ اس کے لیے ہر بار کچھ نہ کچھ لے آتی' شرٹ' پرفیوم' والٹ' لیپ ٹاپ بیگ' رسٹ واچ' ہانیہ کے قیمتی تحائف نے اس کا حلیہ ہی بدل کر رکھ دیا تھا۔

ابا اور ماں کا جب بھی فون آتا' روتے' تسلیاں دیتے گزر جاتا' اس کے پاس فالتو کاموں کے لیے نہ تو وقت تھا نہ ضرورت' لیکن اس لڑکی ہانیہ کے آگے وہ جیسے ہارنے لگا تھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اس کی ضرورت بنتی جارہی تھی اور اس کی وجہ وہ قیمتی تحائف ہرگز نہیں تھے۔ وہ تو اس کو بارہا منع کرچکا تھا کیونکہ وہ جواباً اسے کچھ بھی نہیں دے سکتا تھا لیکن ہانیہ کو طلب ہی کب تھی' پیسہ اس کے لیے ثانوی چیز تھی' خرچ کرتے ہوئے اس نے کبھی نہیں سوچا تھا۔ وہ تو خود نہیں جانتی تھی کہ کیوں اسے ہر چیز اس لڑکے کے لیے پسند آنے لگی ہے جو کہیں سے بھی اس کے برابر کا نہیں تھا۔ اس کی جگہ اس کے دل میں تو تھی لیکن اور کہیں نہیں بن سکتی تھی۔ وہ دانستہ یا نادانستہ اس کی زندگی سے کھیل رہی تھی۔ جانتے ہوئے بھی وہ اسے اپنے ساتھ اس راستے پر لے آئی تھی جہاں دونوں کا انجام موت تھا' لیکن یہ تو ابھی بہت دور تھا' تب تک وہ محبت جی سکتی تھی' بعد کی بعد میں دیکھی جائے گی۔ فقط محبت ہی تو ہے' وہ کون سا اس کا ساتھ ہمیشہ کے لیے چاہتی تھی۔ اس کے پاس خود کو دینے کے لیے بہلاوے بہت تھے اور فی الحال وہ انہی کے ساتھ جینے کا ارادہ رکھتی تھی۔

❀.....❀.....❀.....❀

"بی بی' بڑی بی بی کا فون آیا تھا۔" وہ ابھی واپس آئی ہی تھی کہ عروبہ آن دھمکی۔ وہ بہت خوش تھی' اس نے آج عبدالحسیب کے ساتھ سارا دن گزارا تھا۔ اس کی منت سماجت کے بعد وہ آج کا دن اس کے ساتھ گزارنے پر آمادہ ہوا تھا اور عبدالحسیب کے ساتھ اس نے کتنی باتیں کی تھیں' اپنے بچپن کی' کالج کی' ماما کے رویے کی' بھائیوں اور ڈیڈی کی اور اس نے کتنی توجہ سے اس کی بور باتیں سنی تھیں اور یہی تاثر دیا تھا کہ وہ بہت محظوظ ہورہا ہے۔ اس نے عروبہ کی بات پر دھیان نہیں دیا تو وہ ڈرتے ڈرتے دوبارہ گویا ہوئی۔

"بی بی کہہ رہی تھیں آپ ان کا فون اٹینڈ نہیں کررہی ہیں۔" ہانیہ کو اس کی دخل اندازی بری لگی تھی۔

"اونہو...... عروبہ کبھی جان چھوڑ بھی دیا کرو۔ کیوں میری خوشی کی دشمن بنی رہتی ہو ہر وقت۔" وہ جھنجلا کر بولی۔ عروبہ نے نظریں جھکالیں۔

"آپ ان سے بات کرلیں وہ کافی پریشان تھیں آپ کے لیے۔"

"تم نے بتایا نہیں کہ میں سب کچھ ان کی ہدایت کے مطابق لے رہی ہوں۔" وہ جوتے کے اسٹریپس ڈھیلے کرنے لگی۔

"جی۔" وہ مختصراً بولی۔

"پھر......؟" اس نے پاؤں دبیز قالین پر رکھ کر دبائے تھکے پیروں کو کچھ سکون ملا تھا۔

"میں تو خدمت گار ہوں بی بی حکم عدولی نہیں کرسکتی۔"

"ہاں تو کیوں کرتی ہو حکم عدولی؟" اللہ جانے وہ اسے زچ کررہی تھی یا خود ہورہی تھی۔

"میں آپ کے لیے جوس لاتی ہوں۔" عروبہ نے وہاں سے ہٹ جانے میں ہی عافیت جانی۔ ان بڑے لوگوں کے مزاج کا بھی کچھ پتا نہیں چلتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ جوس لے کر واپس آئی تو ہانیہ کمرے میں نہیں تھی۔ بیڈ پر پڑا موبائل ہولے ہولے وائبریٹ کررہا تھا۔ وہ تھوڑی دیر کھڑی رہی پھر گلاس تپائی پر رکھ کر واپس آ گئی۔ اس کے دل میں یک لخت ہی کئی خوف جاگ اٹھے تھے۔



"میں چار سال کی تھی جب بہت زیادہ بیمار ہوگئی تھی ماما بتاتی ہیں۔" اس نے کہنا شروع کیا وہ اس وقت دریائے ٹیمز کے کنارے ٹہل رہے تھے۔ شام ہونے کو تھی اور ننھے ننھے دیوں کی طرح روشنیاں ٹمٹمانے لگی تھیں۔ اس نے عبدالحسیب کا ہاتھ مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔ آج جانے وہ اپنی زندگی کا کون سا پہلو بے نقاب کرنے چلی تھی۔

"مجھے یہ شہر بہت اچھا لگتا ہے۔" اس نے ایک گہری سانس لے کر موسم کی خنکی کو اپنے اندر سمویا تھا۔ عبدالحسیب نے ذرا سا سر گھما کر اس کی طرف دیکھا تھا شاید پہلی اور دوسری بات کا تعلق جاننے کے لیے۔

"تم بیمار ہوگئی تھیں؟" عبدالحسیب نے یاد دلایا۔ اسے ہانیہ کی زندگی بہت خواب ناک لگتی تھی۔ اس کی باتیں عبدالحسیب کی زندگی سے ذرا میل نہیں کھاتی تھیں جیسے وہ کسی اور دنیا کی باسی تھی۔

"ہاں تو میں بیمار ہوگئی اتنی بیمار کہ کسی ڈاکٹر کو سمجھ ہی نہیں آرہا تھا کہ میری بیماری اصل میں ہے کیا؟ پھر ٹیسٹ ہوئے اور پتا چلا......" وہ ایک لحظہ کو چپ ہوئی پھر کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔

"پتا چلا کہ ہانیہ زبیر احمد کو بلڈ کینسر ہے۔"

"کیا......؟" عبدالحسیب بے ساختہ چیخ اٹھا تھا۔

ہانیہ کے ہاتھ میں دبا اس کا ہاتھ یک لخت لرزا کررہ گیا تھا۔ ایک لمحے میں اسے زندگی کے ہونٹ نیلے ہوتے نظر آئے تھے ہانیہ کو کینسر ہے اس نے بے یقینی سے مطمئن کھڑی ہانیہ کو دیکھا تھا۔

"تم جھوٹ بول رہی ہو؟"

"جھوٹ کیوں بولوں گی؟" اس نے تیوری چڑھائی تھی۔

"دیکھو ہانیہ اگر یہ مذاق ہے تو بہت برا مذاق ہے۔" عبدالحسیب نے ہاتھ چھڑا لیا تھا۔

"مذاق میں کوئی مرجانے کی بات کرتا ہے؟" وہ سنجیدہ تھی۔

"پہلے تم میری پوری بات تو سن لو۔" کندھے اچکا کر وہ پھر سے پہلے والے موڈ میں آ گئی تھی۔

"دیکھو ہانیہ...... اگر تم یہ بتانے والی ہو کہ تمہارے مرنے میں تھوڑے سے دن رہ گئے ہیں تو پلیز......"

"تمہارا مسئلہ کیا ہے؟" ہانیہ اس کی بات کاٹ کر غرائی۔

"زیادہ مجنوں بننے کی ضرورت نہیں۔" وہ وہیں نیچے بیٹھ گئی اور پھر سے سلسلہ کلام جوڑا تھا۔

"تو جب یہ ڈکلیئر ہوگیا کہ مجھے کینسر ہے تو مانو قیامت ہی آ گئی تھی۔ ڈیڈ نے سارے ڈاکٹرز بلا لیے تھے انہیں یقین ہی نہیں تھا کہ مجھے بلڈ کینسر ہوسکتا ہے۔ تمام ڈاکٹرز کی رائے بھی ایک ہی تھی اور ہر جگہ سے کرائے ٹیسٹ کا رزلٹ بھی ایک......" وہ رکی اور ایک نظر حیران کھڑے عبدالحسیب پر ڈالی پھر اپنی ہتھیلیاں پھیلا دی تھیں۔

"پامسٹ کہتا ہے میرے ہاتھ میں زندگی کی لکیر بہت لمبی ہے اور میرے میڈیکل ٹیسٹ کہتے ہیں کہ میں اب مری کہ تب مری۔" اس کا لہجہ عبدالحسیب کو بہت سفاک لگا تھا۔

"تم بالکل ٹھیک ہو۔" وہ آگے بڑھا اور اس کی پھیلی ہتھیلیاں تھام لی تھیں۔ ہانیہ کی آنکھوں میں جگنو چمکے تھے۔

"ہاں اب میں بالکل ٹھیک ہوں بارہ سال میں کینسر سے

لڑتی رہی ہوں' بہت تکلیف سہی ہے میں نے اور یہ معجزہ ہی ہوا کہ اب میرے سارے ٹیسٹ کلیئر آئے ہیں میں اب مکمل صحت یاب ہوں۔ اب میڈیکل کی رو سے تو ٹھیک ہوگئی ہوں لیکن یہ جو محبت کا کینسر لگ گیا ہے سنا ہے یہ جان لے کے ہی چھوڑتا ہے۔" بولتے ہوئے وہ ہنسنے لگی تھی۔ عبدالحسیب واقعی اسے سمجھ نہیں پارہا تھا' بات بہ بات بگڑتی' کبھی بات بہ بات ہنستی' خفا ہوتی' شور مچاتی' اس کی ہر عادت دوسری سے متضاد تھی' کوئی بھی اس کی شخصیت کے بارے میں حتمی رائے نہیں دے سکتا تھا۔

"اچھا یہ ہاتھ چھوڑو گے تو نہیں؟" ہنستے ہوئے اس نے پوچھا تو وہ گڑبڑا گیا' فوراً گرفت ڈھیلی کردی اس سے پہلی بار یہ حرکت سرزد ہوئی تھی۔ ورنہ خود سے اس نے کبھی ایسا نہیں کیا تھا' ہانیہ کی طرف سے پیش قدمی ہوتی تو ہوجاتی تھی۔

"توبہ ہے عبدالحسیب۔" وہ پھر لوٹ پوٹ ہونے لگی تھی۔

"تم نے کہا تھا ہانی' ہمارے بیچ ساتھ نبھانے والا کوئی معاہدہ نہیں ہوگا' کوئی رشتہ نہیں بنے گا۔" اس نے یاددہانی کروائی تو ہانیہ سنجیدہ ہوئی۔

"کوئی بننے نہیں دے گا عبدالحسیب میرے اور تمہارے بیچ بہت فاصلے ہیں۔" اس نے مٹھیاں بھینچیں جانے اس کے دماغ میں کیا چلتا رہتا تھا۔

"تو پھر؟" اس نے مسکرا کر ماحول کی سنگینی ختم کرنے کی کوشش کی۔

"اپنی لائف لائن دکھاؤ۔" وہ پُرجوش ہوئی تھی۔

"بہت لمبی ہے۔" اس نے ہتھیلیاں پھیلائیں۔ "لیکن دیکھو ان لکیروں سے کچھ نہیں ہوتا' اللہ بہتر جانتا ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔"

"ہوں جانتی ہوں۔" اس نے ایک گہری سانس لی تھی۔

عبدالحسیب کا ذہن اس کی باتوں پر بے حد الجھ کر رہ گیا تھا۔

❀......❀......❀......❀

"تو بھی کسی قابل ہوجاتا گڈے بھائی کو دیکھ وہ وظیفے پر پڑھ رہا ہے وہ بھی باہر کی یونی ورسٹی میں۔" فاطمہ نے گرم گرم روٹی توے سے اتار کر نذیر کے آگے رکھی۔ مخاطب عبدالمعیز تھا۔

"چل تو شکر کر وہ کون سا نکما ہے۔ دکان سنبھال رکھی ہے اس نے۔" نذیر نے نوالہ توڑ کر منہ میں رکھتے ہوئے چائے کا گھونٹ لیا اور ساتھ ہی بیٹے کی حمایت بھی کی تھی۔

"میں نے کب کہا کہ وہ نکما ہے' یونہی دل کیا کل کو اس کے دل میں ہی خیال آئے گا کہ بھائی بڑا افسر بن گیا اور یہ......" فاطمہ نے دوسری روٹی عبدالمعیز کی چنگیر میں رکھی اور لکڑیاں بجھانے لگی۔

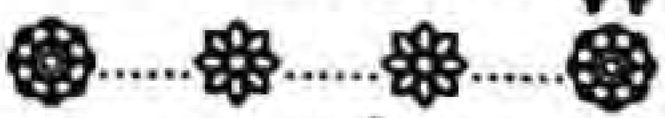
"نہیں کہوں گا اماں اور میں کون سا ان پڑھ ہوں؟"

"اور پھر ہم یہ محنت انہیں کے لیے تو کررہے ہیں' ہمارے طبقے میں ہزار کوشش کے بعد بھی کسی ایک کے ہی خواب پورے ہوتے ہیں اور اکثر کے نہیں ہوتے۔ تو اللہ کا شکر ہے کہ وہ اپنے خواب پورے کررہے ہیں۔ اللہ اسے کامیاب کرے۔" عبدالمعیز بڑا صابر انسان تھا' کم پر قناعت کرنے والا۔ جو مل جائے اس پر شکر اور جو نہیں ملا اس پر صبر' ویسے بھی عبدالحسیب کی نسبت وہ زیادہ حساس تھا۔ دوسروں کا حد درجہ خیال رکھنے والا' عبدالحسیب ذرا لاپرواہ تھا' کام تو آتا تھا لیکن کسی بھی معاملے کو زیادہ سنجیدگی سے نہیں لیتا تھا۔

"چل بھئی عبدالمعیز۔" نذیر علی نے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا تھا اور عبدالمعیز نے بھی تقلید کی تھی۔

"اچھا بھئی بھلیے لوکے۔" نذیر نے کھونٹی سے لٹکا صافہ اتار کر کندھے پر ڈالا' عبدالمعیز نے موٹر سائیکل باہر نکالی تھی۔

دونوں نے فاطمہ کو اللہ حافظ کہا اور روانہ ہوگئے۔ فاطمہ نے کنڈی چڑھائی اور جلدی جلدی کام سمیٹنے لگی آج اسے خورشید بھابی کے ساتھ رشتے دیکھنے جانا تھا۔ اس بارے میں اس نے ابھی تک کسی سے بات نہیں کی تھی' وہ چاہتی تھی پہلے لڑکیاں پسند آجائیں' ہاں ہوجائے تو پھر ہی وہ کسی اور کو بتائے گی۔ عبدالحسیب کے واپس آنے میں بھی تھوڑا عرصہ رہ گیا تھا۔ ہر ماں کی طرح اس کے دل میں بھی بڑے ارمان تھے جو اسے بیٹوں کی شادیوں پر پورے کرنے تھے۔



اس روز وہ اپنی پسندیدہ کافی شاپ میں تھے۔ ہانیہ خلاف توقع خاموش ہی تھی اور عبدالحسیب اس کی خاموشی کو محسوس کررہا تھا لیکن پوچھ نہیں رہا تھا' وہ خود ہی بتاتی تو بتاتی۔

"چلیں؟" خاموشی طویل ہوگئی اور کافی ختم تو عبدالحسیب نے کہا۔

"مجھے کچھ دنوں کے لیے پاکستان جانا ہے۔" بالآخر اس نے چپ توڑی۔

"تو اس لیے خاموش ہیں میم؟" وہ مسکرا لیا تھا۔

"نہیں وہاں جا کر کوئی نیا تماشا نہ ہو جائے۔ بظاہر تو بھائی کی منگنی کا فنکشن ہے مگر میری چھٹی حس مسلسل خطرے کی گھنٹی بجا رہی ہے۔" وہ دل میں کوئی بات رکھنے کی قائل ہی نہیں تھی۔

"ہمارے ہاں شادیاں دل دیکھ کر نہیں اسٹیٹس دیکھ کر کی جاتی ہیں..... تم نے کوئی خواب تو نہیں پال لیا؟" سر پھری تھی باتیں بھی سر پھری کرتی تھی۔

"نن..... نہیں میں کیوں پالوں گا..... محبت میں رشتہ نہیں بنانا۔" اس نے کئی بار کی کہی بات پھر دہرائی۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا پھر دونوں اٹھ گئے تھے۔ اس شام انہوں نے دیر تک واک کی تھی' یونہی بلا مقصد سڑکوں پر' گلیوں میں' پارک میں' ہانیہ کا فون کئی بار بجا لیکن اس نے نہیں سنا' پتا نہیں کون کون سی باتیں اس کو یاد آ رہی تھیں اور وہ مسلسل عبدالحسیب کو سنا رہی تھی آج خلاف معمول وہ مکمل مشرقی لباس میں تھی ورنہ وہ ہمیشہ ٹاپ اور جینز میں ملبوس ہوتی تھی اور آج وہ ہمیشہ سے زیادہ اچھی بھی لگ رہی تھی۔ عبدالحسیب نے کئی بار اسے نظر بھر کے دیکھا تھا۔

"میں پاکستان جا کر تم سے رابطہ نہیں رکھوں گی۔" جدا ہوتے وقت اس نے کہا تھا۔

"اوکے۔" عبدالحسیب نے ہمیشہ کی طرح سر تسلیم خم کیا اور وہ ایک دوسرے کو اللہ حافظ کہہ کر اپنے اپنے راستوں پر ہو لیے تھے۔ کچھ عرصہ کے لیے انہیں رابطے میں نہیں رہنا تھا اور اس عہد کو نبھانا تھا۔

ہانیہ عبدالحسیب کو تنہا کر کے پاکستان چلی گئی تھی' وہ اس سے ملنے کا عادی ہو چکا تھا' اس کی باتوں کا' اس کی ہنسی کا' خودسری وہٹ دھرمی کا' اس کے ساتھ کافی پینے کا۔ اب کافی بدمزہ ہوئی' راستے ویران لگے اور ہنسی خاموش اداسی میں ڈھل گئی تھی۔ اسے غصہ آنے لگا' کیسی عجیب لڑکی ہے' محبت کرتی ہے اور رشتہ بنانے سے منع کرتی ہے۔

اس نے کافی پینا چھوڑ دیا۔ واک پہ جانا چھوڑ دیا اور ان راستوں کو بھی بھلانے کی کوشش کی جہاں جہاں وہ اس کا ہاتھ تھام کر لے گئی تھی۔ اس نے وعدہ کیا تھا لوٹ آنے کا لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہا تھا کہ خبر نہیں جب وہ لوٹے گی تو مکمل بھی ہو گی یا تقسیم ہو چکی ہو گی۔

"اتنا سچ اچھا نہیں ہوتا ہانیہ؟" وہ اس کو ٹوکتا تھا۔

"جھوٹ کے سہارے زندہ رہنے سے بہتر ہے سچ کا کڑوا گھونٹ ایک ہی بار پی لیا جائے۔ خوش گمانیاں بہت ذلیل کرتی ہیں۔"

"جب تم اتنا کچھ جانتی ہو تو روکا کیوں نہیں خود کو کیوں مجھے بھی گھسیٹ لائی ہو اس مقام پر؟" وہ زچ ہوا تھا۔

"جہاں سے واپسی ممکن نہیں۔" اگلی بات اس نے زیر لب کہی تھی۔ ہانیہ کھلکھلا کر ہنسی تھی۔ اس کی کوئی بھی کل سیدھی نہ تھی۔

"سانوں لگ گئی بے اختیاری' سینے دے وچ نہ سمائی ہے۔" وہ گنگنائی تھی اور عبدالحسیب اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

ہانیہ کے جانے کے بعد اس کی زندگی پرانے ڈھب پر واپس آ گئی' پڑھائی پڑھائی اور بس پڑھائی۔ پارٹ ٹائم جاب اور رات کو تھک ہار کر جب وہ لیٹتا تو ہانیہ کا خیال جیسے اس کی ساری تھکن پوروں پر چن لیتا اور پھر وہ اس کی باتوں کے سفر پہ نکلتا اور نیند کی وادی میں جا قیام کرتا۔ وہ غلط کہتی تھی' بنا تعلق اور رشتے کے محبت کیسے کی جا سکتی تھی؟ اور عبدالحسیب کے دل کا تعلق اس بہت اعلیٰ حسب نسب کی لڑکی سے آپوں آپ ہی بندھ گیا تھا۔ اسے اب دنوں' ہفتوں اور مہینوں کا حساب نہیں رکھنا تھا۔ لمحوں کو انگلیوں پہ گننا تھا۔ وہ اس کے مقدر میں تھی یا نہیں..... یہ بھی نہیں سوچنا تھا' اس نے محبت کی تھی' محبت کرنا تھی اور محبت ہی نبھانی تھی اور اس کے لیے صرف محبت کا رشتہ کافی تھا۔ وہ دوبارہ دکھائی نہیں دی' اس نے اپنا سمسٹر دیا اور پاکستان واپس آ گیا۔ خوب صورت شامیں وہیں رہ گئیں لیکن ان شاموں کی یاد کسک بن کر دل میں بس گئی تھی۔ عجیب لڑکی کی عجیب سی محبت۔

❀......❀......❀......❀

وہ پارلر سے ابھی ابھی ہال پہنچی تھی' سب مہمان آ گئے تھے اور وہ اور مام ہی تاخیر کا شکار تھیں۔ مام سب سے معذرت کرنے لگیں اور وہ مہمانوں سے ہیلو ہائے کرتی اسٹیج تک پہنچ گئی تھی۔ عبدالرافع زبیر اور تانیہ صبوحی سجے سنورے کیمروں کی زد میں تھے۔ وہ کچھ دیر کھڑی ان کے فارغ ہونے کا انتظار کرتی رہی پھر واپس پلٹ آئی' بھاری شرارہ اوپر سے اونچی ہیل والی سینڈل اس کے پاؤں تھک سے گئے تھے' وہ سامنے رکھے صوفوں کی طرف آ گئی۔ عورتیں محو گفتگو تھیں وہ ذرا ایک طرف ہو کر بیٹھ گئی۔ اب اس پر بیزاری چھانا شروع ہوئی تھی۔

ایک ماہ دس دن..... اس نے ذہن میں حساب لگایا۔ اس نے عبدالحسیب کو دیکھا نہیں تھا' بات نہیں کی تھی اور زندہ تھی۔ درحقیقت وہ خود کو جانچ رہی تھی۔ وہ کتنے دن محبت کیسے بنا جی

پائے گی؟ اس نے موبائل میں سیو کیا اس کا نمبر دیکھا جی میں آیا ڈائل کرلے بات نہ کرے اس کی آواز ہی سن لے پھر فوراً بند کردے گی خیال جاں فزا تھا اور ابھی اس نے نمبر کو ہلکا سا ٹچ کیا ہی تھا کہ کوئی اس کے قریب چہکا اس نے گھبرا کر فوراً کاٹ دیا۔

"ہیلو..... آپ ہی ہانیہ ہیں ناں حذیفہ بھائی کی سسٹر؟" دھپ سے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے پوچھا گیا تھا۔ اس نے اس بے تکلفی پر ناک چڑھاتے ہوئے غصے کا برملا اظہار کیا تھا۔

"میں ڈی ہوں..... جے بھائی کی سس۔" اس نے اپنا تعارف کروایا۔ وہ خاک نہ سمجھی۔ اس اے بی سی کے خاندان کو۔

"جے..... جرار بھائی..... آپ ملی تو ہیں ناں ان سے۔" اس نے یاد دہانی کروائی اب جرار کے حوالے سے ایک ہی یاد تھی اور وہ بھی بہت بری۔

"اچھا وہ جن کو مینرز نہیں ہیں کہ لیڈیز کے ساتھ کیسے بی ہیو کرتے ہیں اور ان کے ہمراہ ٹریول کیسے کرتے ہیں؟" اس نے وہ بری یاد فوراً شیئر کی۔ ڈی کا منہ چیکے ہوئے الف جیسا ہوگیا تھا۔

"یہ سچ نہیں ہے۔" اس نے فوراً بھائی کی طرف داری کی۔ "وہ بہت نائس پرسن ہیں۔" وہ کھلی جارہی تھی کسی لوئر کلاس طبقے کی لڑکی کی طرح۔

"میں نے بھائی سے کہا تھا اگر مجھے لڑکی پسند نہیں آئی تو یہ شادی نہیں ہوگی۔" وہ بھی آج سارا کچھ شیئر کر کے ہی جانے والی تھی۔ ہانیہ کے ماتھے کے بلوں میں اضافہ ہوگیا تھا۔ قریب تھا کہ اسے کھری کھری سنا کے اٹھ جاتی کہ ماما چلی آئیں اپنے ہمراہ ایک خاتون کے ساتھ۔

"ہانیہ یہ مسز ابشام ہیں جانتی ہو ناں؟ تمہارے پاپا کے بیسٹ فرینڈ..... بھئی جرار کے فادر....." اس کے سپاٹ چہرے کو دیکھ کر انہوں نے وضاحت کی ساتھ میں آنکھیں بھی دکھائی تھیں۔

"ہیلو آنٹی۔" اس نے زبردستی کی مسکراہٹ سجاتے ہوئے کہا اور ساتھ ہی معذرت کرتی وہاں سے چلی گئی تھی۔ سب کچھ کھل کر سامنے آگیا تھا۔

ڈیڈ اسے جرار ابشام کے ساتھ بیاہنے کا ارادہ کر چکے تھے۔ وہ انکار کرسکتی تھی لیکن نہیں کرنا چاہتی تھی کہ ڈیڈ اس کے انکار کی وجہ جان جاتے وہ جانتی تھی عبدالحسیب کے ساتھ اس کا کوئی رشتہ نہیں جڑ سکتا..... سوائے اس ایک رشتے کے جو اس کے دل نے اس کے دل سے جوڑا تھا اور یہ بھی جانتی تھی اس کی شادی وہیں ہوگی جہاں ڈیڈ کا ذاتی فائدہ ہوسکتا ہو اور یقیناً جرار ابشام سے ان کو بہت بڑا فائدہ مل سکتا تھا اور عبدالحسیب..... اس کے دل میں کسک سی ہوئی جسے اس نے کمال مہارت سے دبا دیا تھا۔ وہ اس کے بارے میں کسی کو ہوا بھی نہیں لگنے دینا چاہتی تھی۔ وہ چپ چاپ ایک طرف بیٹھی اس شخص کو سوچتی رہی جس سے اس نے محبت کی تھی اور محبت بھی بے پناہ تقریب کے اختتام پر ڈیڈ نے جب اس کا رشتہ جرار سے طے کردینے کا اعلان کیا تو اس کی آنکھ سے ایک آنسو ٹپک گیا تھا محبت کے نام کا پہلا اور آخری آنسو اور یہ سب شاید پہلے سے طے شدہ تھا۔ ابشام انکل اپنی پوری تیاری کے ساتھ آئے تھے۔ عبدالرافع کے ساتھ ہی ان دونوں کو بھی بٹھا دیا گیا تھا۔

"جرار اور ہانیہ....." جرار کی ماما نے بات کا آغاز کیا تھا۔ "اس دھرتی کا سب سے حسین کپل ہے یہ۔" ہانیہ ساکت تھی اس کا دل خاموش..... واویلا تو انہونی پہ مچتا ہے۔

اس کی شادی اسی طرح کے لوگوں میں ہونا تھی نام کوئی بھی ہوتا کیا فرق پڑتا تھا۔ ہانیہ سر جھکائے بیٹھی سوچ رہی تھی۔ ماما نے اس کے لیے اتنا خاص ڈریس کیوں بنوایا تھا اور پھر پارلر میں خصوصی تیاری حالانکہ اسے اس قدر میک اپ تھوپنے کی نہ عادت تھی نہ ضرورت..... انداز تو جرار ابشام کا بھی لیا دیا ہی تھا مارے باندھے والا..... فنکشن تو اختتام پذیر ہوگیا لیکن ہانیہ کے دل میں بھی بہت کچھ اختتام پذیر ہونے لگا تھا۔



وہ ابھی ابھی سو کر اٹھا تھا فاطمہ ہنس رہی تھی۔

"تو..... تو ایسے آکر سویا جیسے پچھلے کئی سالوں سے تیری نیند پوری نہ ہوئی ہو۔"

"اپنا گھر اپنا ہوتا ہے اماں چاہے جیسا بھی ہو جو سکون اس گھر کی چھت تلے ہے ناں کہیں نہیں۔" اس نے ایک لمبی سانس لی اور فاطمہ کو تکنے لگا تھا۔ اس کے چہرے پر اب جھریاں جگہ بنانے لگی تھیں لیکن آنکھوں میں چمک اب بھی تھی دروازہ بجا اور ساتھ ہی نذیر کی آواز آنے لگی۔

"ٹی وی کھول بھلیے لوکے پولیس نے ایک اور دہشت گرد کو مار دیا۔ اللہ میرے سوہنے ملک کو اپنی پناہ میں رکھے۔" وہ بڑے جوش سے بولتا آرہا تھا۔ فاطمہ نے میز پر رکھے بلیک اینڈ وائٹ ٹی وی کا بٹن دبایا اور دیکھنے لگی۔ نذیر بھی اندر آگیا تھا اپنا بکسا

چارپائی کے نیچے رکھتے ہوئے اس نے گڈو کے بارے میں پوچھا۔

"باہر گیا ہے دوستوں میں۔" عبدالحسیب نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے باپ کے لیے جگہ بنائی۔ بریکنگ نیوز دی جارہی تھی۔ نذیر چارپائی پر بیٹھتے بیٹھتے رکا' فاطمہ نے بے یقینی سے ٹی وی اور پھر نذیر کی طرف دیکھا' عبدالحسیب بھاگ کر ٹی وی کے نزدیک ہوا' خطرناک دہشت گرد کے ان کاؤنٹر کی خبر پورے جوش کے ساتھ دی جارہی تھی۔

"میرا بیٹا......! دہشت گرد......" فاطمہ بڑبڑائی تھی اور مڑ کر پیچھے دیکھا تھا۔

"دہشت گرد......" عبدالحسیب کو اپنے بہرے ہوجانے کی خواہش کرنا پڑی تھی۔

"مقتول کا تعلق کالعدم تنظیم سے تھا۔" بتایا جارہا تھا۔

"مقتول کے ورثاء کی تلاش جاری۔ مقتول کئی سالوں سے دہشت گرد تنظیم کے ساتھ منسلک تھا۔" ڈزن ڈزن ڈزن۔

"مقتول کو بڑے دنوں سے چیک کیا جارہا تھا اور بالآخر آج وہ اپنے انجام کو پہنچا گیا۔ کچھ عرصہ قبل ہی وہ بیرون ملک سے دہشت گردی کی تربیت حاصل کرکے آیا تھا۔" خبریں تھیں کہ ایک کے بعد ایک آرہی تھیں لیکن نذیر موچی کے اینٹوں والے فرش کے آنگن میں موت اوندھے منہ پڑی تھی اور سوچ رہی تھی کیا واقعی مرنے والا یا قتل ہونے والا دہشت گرد تھا؟ یا پھر پولیس مقابلہ میں مارے جانے والے ہر شخص کو دہشت گرد کہتے ہیں؟ فاطمہ ساکت تھی اور نذیر اور عبدالحسیب ایک دوسرے کے گلے لگے ایک ہی بات سوچ رہے تھے' گڈو کو کس کے نام کی گولی کھا گئی؟

موت آئی تھی اور سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ کوئی ایک کب مرتا ہے؟ اس سے وابستہ ہر شخص مرجاتا ہے' ہر خواب' ہر خواہش مرتی ہے اور رفتہ رفتہ یہ موت سب کچھ اپنے ساتھ لے جاتی ہے اس اکیلی کو قبر میں کہاں چین آتا ہے؟ اور فاطمہ کو لگتا تھا وہ قبر جو گڈو کے نام کی کھدی تھی اس میں وہ دفن ہوگئی ہے۔ نذیر علی نے گھر سے باہر نکلنا چھوڑ دیا تھا۔ لوگ اسے دہشت گرد کا باپ سمجھتے تھے یہ اس نے خود ہی سوچ لیا تھا' حالانکہ کوئی پرسہ دینے بھی نہیں آیا تھا' کسی نے کوئی طنز کا تیر بھی نہیں چلایا تھا۔ کوئی حرف ملامت' کوئی گالی' کچھ بھی تو نہیں سب کچھ یونہی چل رہا تھا' نذیر منتظر تھا کوئی تو آئے گا' کوئی خفیہ پولیس کا افسر' کوئی ٹی وی والا' کوئی تو' کوئی تو پوچھے اور وہ سب کو چیخ چیخ کر بتائے گا کہ اس کا بیٹا دہشت گرد نہیں ہے لیکن کوئی نہ آیا۔

"مقتول دہشت گرد پسماندہ علاقے کا رہائشی تھا۔" خبر چلی۔ "متعلقہ محکمے پتا چلانے کی کوشش کررہے ہیں۔ مجرم متعدد وارداتوں میں ملوث تھا۔" عبدالحسیب اٹھا وہ سب کو بتادینا چاہتا تھا اس کا بھائی دہشت گرد نہیں تھا' وہ تو معصوم تھا لیکن فاطمہ اس کے قدموں سے لپٹ گئی تھی۔ وہ دوسرا بیٹا نہیں کھونا چاہتی تھی۔ کوئی ان تک نہیں آیا تھا تو مطلب کوئی نہیں جانتا تھا کہ گڈو کا تعلق رشتہ کہاں سے تھا۔ پولیس نے شاید اپنی کوتاہی یا غلطی چھپانے کے لیے اسے دہشت گرد قرار دے دیا تھا اور فائل بند کردی تھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔

"اور کتنا اچھا ہو مرنے والے کے ساتھ ہی موت آجائے۔" فاطمہ دن میں کئی بار سوچتی۔ اس کی نظروں میں جواں بیٹے کا سراپا گھومتا رہتا اور نذیر علی تو بس چپ ہی ہوگیا تھا۔ سارا دن کمرے میں پڑا چھت کو گھورتا رہتا تھا۔ اس کا دل بھی مرگیا تھا' کچھ موتیں دل کے اندر بھی واقع ہوجاتی ہیں جن کے نہ جنازے اٹھتے ہیں نہ مزار بنتے ہیں۔ بس ہوجاتی ہیں چپکے سے۔



اس کی آنکھ فون کی مسلسل ہوتی بپ سے کھلی تھی۔ رات سے اس کی طبیعت بے حد خراب تھی۔ اس نے مام اور ڈیڈ کے فیصلے پر احتجاج نہیں کیا تھا تو دل سے تسلیم بھی نہیں کیا تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر میز سے فون اٹھایا' اسکرین پر انجان نمبر تھا' اس نے کاٹ کر دوبارہ بیڈ پر پھینک دیا۔ اس کا دل بستر سے اٹھنے پر آمادہ نہیں تھا۔ فون دوبارہ بجنے لگا۔ وہ لیٹی رہی' دس منٹ تک بار بار کالز آتی رہیں اور پھر اس کے کمرے کا دروازہ دھڑ دھڑایا جانے لگا تھا اور ساتھ ہی اس کو آوازیں بھی دی جارہی تھیں۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھی' کیا قیامت آگئی تھی۔ پیروں میں سلیپر اڑستے دروازے تک آئی' لاک کھولنے سے پہلے اس نے اپنے کھلے بال کچھ میں سمیٹے تھے' دروازہ کھولتے ہی اسے حیرت ہوئی' سامنے ہی جرار موجود تھا' اس کی نظر بے ساختہ دیوار گیر کلاک کی طرف اٹھ گئی۔ رات کے آٹھ بج رہے تھے۔

"اوہ......" وہ اتنی دیر سوتی رہی تھی۔ حلیہ ہرگز اس قابل نہیں تھا کہ کسی غیر مرد کے سامنے جایا جاتا وہ فوراً سے پہلے پیچھے ہٹی تھی اور ہاتھ بڑھا کر صوفے پر رکھی شال اٹھا کر لپیٹ لی تھی۔

"میڈم ہانیہ نیر۔" جرار دروازے سے ہی چلایا تھا۔

"آپ کے نخرے کچھ زیادہ ہی نہیں ہیں؟" وہ جتا رہا تھا یا بتا رہا تھا ہانیہ کو شدید جھٹکا لگا تھا۔ اس کے گھر میں اسی کے کمرے کے سامنے کھڑے ہو کر ہانیہ زبیر کی صفات گنوائی جا رہی تھیں پتا نہیں پوری دنیا سے اٹھا کر یہی بندہ اس کے متھے مارنے کی کیا اشد ضرورت پیش آ گئی تھی اُسے ایک بار پھر تپ چڑھ گئی تھی۔

"آپ شاید بھول رہے ہیں کہ آپ کھڑے کہاں ہیں اور بات کس سے کر رہے ہیں؟" اس نے پاس آ کر جتلایا تھا۔

"جی نہیں۔" وہ مسکرایا۔ "میں کیسے بھول سکتا ہوں کہ میں اس وقت رئیس ابن رئیس جناب قبلہ محترم زبیر احمد کے محل میں ایک شہزادی محترمہ سے محو گفتگو ہوں۔" اس کے ایک ایک لفظ میں طنز تھا۔

"تو پھر محل کے آداب سے آپ یکسر ناواقف ہیں۔" اس نے دانت پیسے تھے۔ اس کا دل شدت سے چاہ رہا تھا کہ سامنے کھڑے جرار ابشام کا سر پھوڑ دے لیکن اسے اپنی خواہش پر قابو رکھنا پڑا تھا کیونکہ پیچھے ہی مام دکھائی دے گئی تھیں۔

"جرار بیٹا آپ یہاں کیوں آ گئے؟" جرار کے کوئی بھی جواب دینے سے پہلے مام نے سوال کیا۔

"یونہی مسز زبیر۔" وہ پلٹ کر مسکرایا۔ "آپ کی بیٹی کے مزاج بخیر نہیں رہے سمجھانے آیا تھا۔" اس نے بات کرتے ہوئے کن اکھیوں سے ہانیہ کو دیکھا جو خونخوار نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"او کم آن اس کی باتوں کو اتنا سیریس لینے کی ضرورت نہیں اور ہانی ڈیئر آپ بھی ریڈی ہو کر آؤ جلدی۔" مسز زبیر نے پہلے جرار اور پھر ہانیہ کو ہدایت کی اور جرار کا بازو پکڑے پلٹ گئیں۔ ہانیہ نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور شاور لینے باتھ روم میں گھس گئی تھی۔ کپڑے بدل کر جب وہ نیچے آئی تو لاؤنج میں کافی رونق تھی۔ خلاف توقع ڈیڈ اور دونوں بھائی بھی موجود تھے ہر وقت طنز کے تیروں سے چھلنی کر دینے والی زبان شیر و شکر ہوئی جا رہی تھی۔

"کمال کیا جرار تم نے۔" وہ آخری سیڑھی پر تھی جب ڈیڈ کی زبان سے یہ جملہ نکلا وہ رک گئی اب کیا کمال دکھا دیا تھا اس پانڈے نے؟ وہ سوچ میں گم سی اندر چلی آئی۔ اس نے سلام کیا اور ایک طرف ہو کر بیٹھ گئی تھی۔ جرار اپنے سیل میں سے کچھ نکال نکال کر دکھا رہا تھا اور ڈیڈ داد کے ڈونگرے برسا رہے تھے۔ ملازم نے کھانا لگنے کی اطلاع دی تو سب اٹھ گئے وہ بھوک محسوس نہیں کر رہی تھی اس لیے اٹھنے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے ریموٹ سے چینل بدلنے لگی اور فل سائز اسکرین پر دکھائی دینے والی اس تصویر نے اس کے دل کو دھڑکنا بھلا دیا تھا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے تصویر اور بریکنگ نیوز دیکھ رہی تھی۔ سماعتیں مفلوج ہوئیں اور بصارتیں اندھی وہ ایک طرف کو لڑھکتی چلی گئی۔ ڈائننگ روم کی انٹرنس پر کھڑے جرار نے صوفے پر گرتی ہانیہ پر ایک معنی خیز نظر ڈالی تھی اور مڑ کر کرسی گھسیٹ کر بیٹھنے لگا تھا۔



فاطمہ نے توے سے روٹی اتار کر چنگیر میں رکھی اور کپ میں چائے نکالنے لگی۔ ساتھ ہی گڈو کو پکارنے لگی تھی۔

"آ رہا ہوں ماں۔" اس نے جواباً کہا تھا۔ تولیے سے منہ پونچھتے ہوئے اس نے ایک نظر دیوار پر ٹنگے آئینے پر ڈالی اُسے اپنا چہرہ بہت اجنبی بہت بیگانہ لگا تھا۔

"یہ جو راہ چلتے مر جاتے ہیں انہوں نے کبھی پچھلوں کا نہیں سوچا؟" نم ہوتی آنکھوں میں سوال ابھرا تھا۔

سارا سارا دن محنتیں کرنے کے بعد جو ٹکڑے نصیب ہوتے تھے وہ کب اتنے ہوتے تھے کہ آسائش بھری زندگی گزاری جائے یا پیٹ بھر لیا جائے۔ نوالے حلق میں کیوں اٹکتے ہیں؟ اور ان کو تر کرنے کے لیے آنسو کیوں لڈ آتے ہیں؟" اس نے حلق میں پھنس جانے والے نوالے کو آنسوؤں سے شکم میں دھکیلا اور دھندلائی نظروں سے فاطمہ کو دیکھا جس کے چہرے پر وقت کی سنولاہٹ کے سوا کچھ نہ تھا۔ خاموش اداس آنکھوں میں وقت کی سفاکی نمایاں تھی اس کا جوان بیٹا اس کے ہاتھوں وقت نے اچک لیا تھا اور وہ کچھ نہیں کر پائی تھی۔ موت کی سفاک گولیاں اسے چھلنی کرتی رہیں اور اس پر عمر بھر کا داغ لگا گئیں وہ جس نے آج تک ایک مکھی نہیں ماری تھی وہ دہشت گرد کیسے بن گیا تھا۔ ماں اور باپ کے بغیر ایک قدم نہ چلنے والا کب کسی ایسی تنظیم کا کارکن بن گیا کہ انہیں کانوں کان خبر نہ ہو سکی؟ چمڑے کے ٹکڑوں کو ٹھکورے لگاتے لگاتے کب اس نے خودکش جیکٹس تیار کرنا شروع کیں اور کہاں چھپ کر یہ سب کیا کہ وہ جان ہی نہ سکے تھے۔

موت دکھ تھی جان لینے والا دکھ...... لیکن جو الزام لگا تھا وہ کبھی نہ مٹنے والا تھا اور یہ دکھ زہر قاتل بن رہا تھا...... وہ نہیں جانتے تھے دہشت گرد کو مارنے کے بعد کوئی بھی ان تک کیوں نہیں پہنچا تھا جبکہ ٹی وی پر دعویٰ کیا جا رہا تھا کہ مجرم کے گھر

والوں تک رسائی ہوگئی ہے۔ نذیر کا دل اٹھ گیا اور ایک دن چپ چاپ وہ خود بھی بیٹے کے پاس چلا گیا تھا۔ وہ اس کا سنگی ساتھی تھا چمڑا ٹھکتے وہ اس سے کتنی چھوٹی چھوٹی باتیں کیا کرتا تھا اور یہ باتیں اس کے اندر تحریک پیدا کرتی تھیں۔ وہ تحریک ختم ہوئی تو اس کی چلتی زندگی کے پہیے بھی جام ہوگئے تھے، جس گھر کے در و دیوار نے ایک بیٹے کی موت پر بین کیے انہی آہوں میں نذیر علی بھی ایک سسکی بن گیا تھا۔

''عبدالحسیب نہیں لوٹا ابھی؟'' یہ پہلا سوال تھا جو محلے والوں کی جانب سے کیا گیا تھا اور پتا نہیں کیسے اس کا سرنفی میں ہل گیا تھا۔

''چھٹی نہیں ملی۔'' یہ پہلا جھوٹ تھا جو اس کی زبان پر آیا تھا اور اس نے اسی جھوٹ کو اوڑھ لیا تھا۔ اس نے ساری کتابیں اٹھا کر بکسے میں رکھیں اور نذیر علی کا بکسا اٹھا لیا تھا۔

وہ موچی ابن موچی تھا۔ اس کی ذات بھلا کیسے بدل سکتی تھی اور اوقات تو کبھی بھی نہیں اور عبدالحسیب نے اس لوہے کے بکسے میں جس میں چمڑے کے ٹکڑے، کیل، میخیں اور دوسرے ہتھیار تھے..... اپنا آپ بھی رکھ چھوڑا تھا اور ایک چھوٹے سے بکسے میں ایک لاش اٹھائے پھرنا دشوار ترین عمل تھا۔ اس صورت میں اور مشکل جب لاش بھی اپنی ہی ہو۔

❁......❁......❁......❁

اسے کوئی خوش فہمی نہیں تھی۔ وہ خوش فہمی پالنے کے حق میں ہی نہیں تھی۔ وہ جان گئی تھی، مرنے والا عبدالحسیب ہی تھا۔

''زندگی اے زندگی......'' وہ کرلائی تھی، کتنا پراسرار تھا وہ۔

''کیا نام ہے؟'' اس نے پوچھا تھا۔

''نام سے کیا فرق پڑتا ہے میم؟'' اس کی ہنسی، خوب صورت ہنسی ہانیہ زبیر کا دل اچھل اچھل کر جاتی تھی۔

''کہاں رہتے ہو، کیا کرتے ہو؟''

''مالٹوں کا باغ ہے جی......'' دانت نکال کر دیا گیا جواب۔

''مالٹوں کا باغ؟'' وہ کتنا ہنسی تھی جس باغ کی وہ نشاندہی کررہا تھا اس کی مالکن سامنے بیٹھی تھی اور ہانیہ نے اس کو محسوس تک نہ ہونے دیا تھا۔

اس نے اسے باغات دکھانے کا وعدہ کیا تھا اور وہ یقین کر گئی تھی۔ وہ اپنے بارے میں کبھی کوئی بات نہیں کرتا تھا۔ وہ یہاں کیسے آیا، کیوں آیا؟ کبھی اس کی زبان سے نہیں نکلا تھا۔ ہاں ایک بار ضرور کہا تھا اس نے کہ وہ اسکالر شپ پر آیا ہے یہاں اتنی بڑی یونیورسٹی کے اخراجات پورے کرنے کے لیے وہ نوکریاں بھی کرتا تھا لیکن...... کبھی بھی، وہ اس کے سامنے کھلا نہیں تھا، اپنے بارے میں ایک لفظ نہیں نکلا تھا اس نے زبان سے۔

''محبت......'' اس نے ایک سسکاری بھری۔

محبت کیوں ہوجاتی ہے آخر؟ اور وہ بھی کسی ایسے شخص سے جسے ہم جانتے تک نہیں۔ جس سے ہمارا کوئی تال میل نہیں ہوتا اور کیا بدمعاشی ہے یہ محبت کی؟ زبردستی ہمارے دل میں گھس کر بیٹھ جاتی ہے اور ہاتھ پیر توڑ کر لاچار بنا دیتی ہے آنکھوں پہ ہاتھ رکھ دیتی ہے، اور سب کچھ آنکھوں سے اوجھل کرکے آنکھ مچولی کھیلنے لگتی ہے۔

''تو ہانیہ زبیر احمد......'' اس نے آنکھ سے بہتے جھرنے کو ہتھیلیوں سے رگڑا۔ ''تمہاری قسمت بھی نرالی نہیں ہے۔ دھوکہ، فریب، سب کچھ تمہارے حصے کا تمہیں مل گیا، تم کوئی بھی ہو، اونچے محلوں میں رہنے والی شاہزادی یا پھر ٹاٹ کے پردے کے پیچھے سے جھانکتی کسی غریب محلے کے غریب ترین گھر کی لڑکی...... محبت سب کے ساتھ ایک سا سلوک کرتی ہے۔'' وہ کمرے میں بند ہوگئی تھی اس روز بے ہوش ہوجانے کے بعد جب وہ لوگ اسے ہاسپٹل لے کر گئے اور واپسی پر مام پوچھتی رہیں کہ اسے کیا پریشانی ہے تو وہ بس ان کی شکل دیکھتی رہی پھر مام خود ہی گویا ہوئیں۔

''دیکھو اگر تم جرار کو لے کر پریشان ہو رہی ہو تو یہ پریشانی فضول ہے اگر تمہیں اس سے محبت نہیں بھی ہے تو...... یہ کوئی مسئلہ نہیں، جرار کے پاس وہ سب کچھ ہے جو ایک خوش حال زندگی گزارنے کے لیے ضروری ہوتا ہے، محل سے محل تک کا یہ سفر۔ بہت خوش رکھنے والا ہے وہ تمہیں، اس جیسے رشتے تو مقدر والوں کو ملتے ہیں، سوچو تمہارا اسٹیٹس...... تمہارے پاپا کا اسٹیٹس بلکہ ہم سب کا اسٹیٹس کہاں پہنچ جائے گا بھلا؟ اتنا اسٹرانگ خاندان ہے ان کا اوپر سے لے کر نیچے تک ایروچ ہے ان کی اور پھر جیسا لائف اسٹائل ہے تمہارا جرار ہی دے سکتا ہے، باقی......'' انہوں نے بولتے ہوئے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ ''رشک کریں گے لوگ تمہاری قسمت پر......'' یہ کہتے ہوئے ان کی بھنویں تن گئی تھیں۔

''یہ دماغ کی نس پھٹ کیوں نہیں جاتی؟'' اس نے گھبرا کر سوچا تھا۔ مام کی باتیں نئی نہیں تھیں...... جو صدیوں سے رائج تھیں وہ زبان زد عام تھیں۔

رشتے کرتے ہوئے سب والدین ضرب کا کلیہ ہی کیوں اپنا لیتے ہیں' دل اور جذبوں کو صفر جمع صفر برابر صفر کا قاعدہ ہی کیوں دیا جاتا ہے۔

"کور دل......" اس نے پل کی پل دل کی طرف نگاہ کی تھی۔ تارے جیسا دل' چاند کے قرب کا متمنائی ہو کر ٹوٹ کر ریزہ ریزہ کیوں ہو جاتا ہے۔

"وہ محبت ہی کیا' جو پیروں میں گھنگرو باندھ کر ناچنے پر مجبور کردے۔" اس نے دل کو محبت کی تال پر چھوڑا اور خود دکھ کی لے پر دھیرے دھیرے رقص کرنے لگی تھی۔

اس کا دکھ گہرا ہی نہیں' دوہرا بھی تھا۔ اس نے محبوب کھویا تھا' محبوب بھی وہ جو قاتل تھا' مجرم تھا لاکھوں کروڑوں کی جانوں سے کھیلنے والا سفاک مجرم' غدار وطن...... اور اس کی زندگی میں آنے والا دوسرا مرد...... جو اس کو سسکا سسکا کر مارنے والا تھا۔ یہ وہ جان گئی تھی۔

"تو ہانیہ زبیر احمد؟" اس نے آئینے میں خود کو دیکھتے ہوئے مخاطب کیا۔

"تمہارے لیے دو دو سولیاں تیار ہیں' چڑھنے اور مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔" اس نے خود کو حوصلہ دینے کی ناکام کوشش کی تھی۔



آج پہلا دن تھا ابا اور بھائی کے بعد وہ دکان کھولنے آیا تھا۔ اس روز زیادہ تر لوگ نذیر علی کے مرنے کا افسوس ہی کرنے آتے رہے وہ لال رنگ کی میل سے بھری چوکی پر بیٹھا دیوار پر کیلوں سے ٹنگے جوتے دیکھتا رہا' یہ دکان نذیر علی کی زندگی کا سرمایہ تھی' اس دکان کو گروی رکھ کر اس کے خوابوں کے پورے ہونے کا سامان کیا گیا تھا' وہ اکیلا اس دکان کو چلا پائے گا اور کب تک؟ ابا نے زیادتی کی تھی' اس کو اپنا ہنر نہیں سکھایا تھا۔ اس کے ہاتھ میں قلم تھما کر اوزار چھین لیے تھے۔ وہ بیٹھا روتا رہا تھا۔ ایک ایک شے کو اٹھا کر الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا' کاش وہ ثابت کر سکتا کہ اس کا بھائی بے گناہ تھا۔ وہ دوپہر تک ہی وہاں بیٹھ سکا' یادیں' باتیں اتنا شور کر رہی تھیں کہ کچھ سنائی نہ دے رہا تھا۔ اس نے دکان پر تالا لگایا اور ایک سمت چل پڑا تھا۔

اس کا دل پھوٹ پھوٹ کر رونے کو کر رہا تھا۔ وہ کس قدر اکیلا ہو گیا تھا۔ نہ سر پر آسمان رہا تھا' نہ زمین پر کوئی جائے پناہ...... وہ چلتا رہا اور وہ برگد کا پیڑ تھا جس کے نیچے شامو موچی اپنی دکان سجائے بیٹھتا تھا۔ وہ اس کے پاس بیٹھ گیا' شامو نے حیرت سے اسے دیکھا' صاف ستھرے کپڑے پہنے یہ لڑکا گندی زمین پر کیوں بیٹھ گیا تھا۔

"کوئی کم اے پتر؟" پلاسٹک کی جوتی گانٹھتے ہوئے اس نے پوچھا تھا۔

"دل پھٹ گیا چاچا...... سی دے۔" وہ گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوئے سر کو جھکا گیا تھا اور شامو کا چلتا ہاتھ رک گیا تھا۔



ایک ہنگامہ جاری تھا' وسیع و عریض سٹنگ ایریا میں کھڑی وہ عورت غل مچا رہی تھی' ماما صوفے پر بیٹھی فون ملا رہی تھیں' بڑے بھیا غصے سے اس عورت پر چیخ رہے تھے۔ دروازوں سے جھانکتے ملازم آنکھوں آنکھوں میں ایک دوسرے کو اشارے کر رہے تھے اور زرش بھابی اپنے خواب گاہ کے دروازے میں کھڑی صورت حال کا جائزہ لینے کی کوشش کر رہی تھیں۔

"اسے اندر آنے کس نے دیا؟" رفاقت زبیر احمد اچانک اندر داخل ہوئے اور اندر کے ماحول نے انہیں سرتاپا سلگا کر رکھ دیا تھا۔

"اندر آئیں پلیز۔" وہ عورت باہر منہ کر کے چلائی اور ایک لمحے کے اندر کیمرے والے اندر آ گئے تھے وہ کب تنہا تھی' سب نے گھبرا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور اگلے ہی لمحے عبدالرافع بھائی آگے بڑھ کر اس کا کیمرہ چھین کر زمین پر زور سے مار چکے تھے۔ رفاقت زبیر احمد بوکھلا کر آگے بڑھے تھے۔

"یہ کیا کر دیا پاگل؟" وہ قریب جا کر بولے تھے۔ "میڈیا سے بھڑنے کا مطلب جانتے ہو؟" وہ بدبدائے پھر فوراً ہی لڑکی کی طرف متوجہ ہوئے۔

"دیکھو لڑکی جو کچھ تم کہہ رہی ہو' ہمیں اس پر یقین نہیں ہے اگر تمہارے پاس ثبوت ہے کہ تم حذیفہ کی قانونی بیوی ہو تو...... نکاح نامہ لے آؤ' ہم تمہیں اپنی بہو تسلیم کرلیں گے۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا لیکن اگر تم کسی کے کہنے میں آ کر محض ہمیں بلیک میل کرنے کے لیے یہ سب تماشا کر رہی ہو تو......" انہوں نے بات ادھوری چھوڑ کر کن اکھیوں سے حذیفہ کی طرف دیکھا جو حزیں سا کھڑا تھا۔

"تو پھر تم اپنا انجام سوچ لو۔" بات مکمل کر کے انہوں نے عبدالرافع کو وہاں سے جانے کا اشارہ کیا...... وہ چلا گیا۔ وہ لڑکی آگے بڑھی اور اپنے بیگ میں سے ایک لفافہ نکال کر ان کی

طرف بڑھادیا۔

"اس میں میرے اور حذیفہ کے نکاح کی تصویریں ہیں اور اس بچے کی بھی جو اس شخص کا بیٹا ہے۔ ہمارا نکاح ان کے دوستوں کی موجودگی میں ہوا تھا‘ یہ کیسے مکر سکتے ہیں؟" وہ جس طرح بات کررہی تھی رفاقت زبیر احمد کے شک کو تقویت بخش رہی تھی۔

عبدالرافع بھری جیبوں کے ساتھ واپس آیا اور کیمرہ اور مائیک والے کو اشارہ کرتا سٹنگ روم سے باہر نکل گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اکیلا ہی واپس آیا تھا اپنے چہرے پر ایک کمینی سی مسکراہٹ لیے...... معنی خیزی سے زبیر احمد کو دیکھا اور اس لڑکی کے قریب چلا آیا۔ رفاقت زبیر احمد اطمینان سے صوفے پر بیٹھے سگار کا کش لگانے لگے تھے۔ دروازے میں کھڑی زرش کا دل کسی انہونی کے نہ ہونے کی دعا کرنے لگا تھا اور اپنے کمرے کی بالکونی میں کھڑی ہانیہ زبیر احمد...... وہ سوچ رہی تھی کہ اب کیا ہونے جارہا ہے۔ حذیفہ آرام سے کھڑا تھا۔ اچانک ہی کمرے میں زوردار چٹاخ کی آواز گونجی اور پھر یہ آوازیں تسلسل سے بڑھتی چلی گئیں لڑکی کی چیخ وپکار سنتے ہی زرش کمرے میں گھس گئی تھی۔

مام جو اس وقت سے مختلف لوگوں سے رابطے کرنے میں مصروف تھیں پھٹی آنکھوں سے حذیفہ کو دیکھنے لگیں۔ وہ لڑکی چیخ رہی تھی اور حذیفہ لاتوں‘ گھونسوں سے اسے پیٹ رہا تھا۔

"آج کے بعد...... آج کے بعد اگر تو نے اس علاقے میں داخل ہونے کا سوچا بھی تو‘ کسی کو شکل دکھانے کے قابل نہیں رہے گی...... غائب کر اپنی شکل فوراً...... اکرم...... اکرم۔" حذیفہ نے ملازم کو آواز دی۔ وہ بھاگا آیا۔

"جی صاب۔" اس قدر عقیدت تھی لہجے میں کہ حذیفہ کے اندر تک سکون کی لہر اتر گئی تھی۔ مالک ومختار ہونے کا طنطنہ کچھ اور بڑھ گیا تھا۔

"لے جاؤ اس عورت کو اور خود ہی سوچ لو اس کا کیا کرنا ہے۔" اس نے ایک اور لات رسید کی۔ اس عورت کی چیخ وپکار نے اس محل کو سر پر اٹھالیا تھا۔ ہانیہ بھاگتی ہوئی نیچے آئی تھی وہ اس سے زیادہ ظلم ہوتا برداشت نہیں کرسکتی تھی۔

"کیا کررہے ہیں حذیفہ بھائی؟" وہ سیدھی حذیفہ کے پاس آئی اور اس عورت کے آگے کھڑی ہوگئی تھی۔

"آگے سے ہٹ جاؤ ہانیہ...... "حذیفہ کی آواز گونجی۔

"نہیں بھائی...... آپ ظلم کررہے ہیں۔" وہ ان دونوں کے بیچ دیوار بنی کھڑی تھی۔ اس لڑکی کا چہرہ لہولہان ہوگیا تھا لیکن وہ اب بھی اپنی بات پر قائم تھی۔ وہ حذیفہ کی منکوحہ تھی اور سارے ثبوت اس کے پاس تھے کوئی اس کو کیونکر جھٹلائے۔

"حمیدہ ہانیہ کو لے جاؤ یہاں سے۔" اب کہ مام کی آواز آئی تھی۔ حمیدہ اس کی طرف بڑھی تو وہ چلائی۔

"مام آپ بھی......! آپ بھی......؟ آپ تو بڑا پرچار کرتی ہیں انسانیت کا‘ عورتوں کے حقوق کا آپ کے سامنے آپ کا بیٹا ایک عورت کی زندگی سے کھیل رہا ہے اور آپ اسے کچھ نہیں کہہ رہیں اور ڈیڈ آپ...... آپ بھی...... ایک بار اس کی بھی سن لیں‘ وہ کیا کہہ رہی ہے۔ نکاح نامہ‘ تصویریں‘ سارے ثبوت تو ہیں اس کے پاس اور کیا چاہیے آپ کو؟" ہانیہ کو اس عورت سے ہمدردی محسوس ہورہی تھی۔

عبدالرافع مٹھیاں بھینچے اس کو دیکھ رہا تھا اور وہ مجبور تھی کہ کچھ کر نہیں سکتی تھی۔ حذیفہ اپنا کام کرنے کے بعد اطمینان سے بیٹھ گیا تھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں عبدالرافع کو اشارہ کیا تھا۔

"حمیدہ آپ بی بی کو اندر لے جائیں۔" مام نے اس کے واویلے کو ایک بار پھر نظر انداز کیا تھا۔ حمیدہ نے اس کے بازو کو تھام لیا تھا۔

"چلیں بی بی......" وہ حکم کی تعمیل کو تیار کھڑی تھی۔

"چھوڑیں مجھے۔" اس نے اپنا آپ چھڑایا اور وہاں سے ہٹ گئی۔ عبدالرافع نے اپنے ضمیر کو کسی بھی بوجھ تلے دبنے سے ہر ممکن بچایا اور دعویٰ دار‘ گستاخ لڑکی کو گھسیٹتا ہوا باہر لے گیا۔ انسانیت کی ساری حدیں شاید اسی گھر میں ختم ہوتی تھیں۔ مام اور ڈیڈ کے پُرسکون چہرے اور عبدالرافع اور سب سے بڑھ حذیفہ کی بے حسی کا اطمینان‘ کونوں کھدروں سے جھانکتے ملازم اپنے کاموں میں مصروف ہوگئے اور وہ زرش کے سر پر کھڑی اسے اس کے حقوق یاد کروا رہی تھی۔

"کیوں اجازت دے رکھی ہے آپ نے بھائی کو...... ہر دوسرے روز کوئی نہ کوئی عورت نکاح نامہ اٹھائے چلی آتی ہے۔ مجھے تو یوں لگتا ہے آدھے شہر میں حذیفہ بھائی کی بیویاں اور بچے رل رہے ہوں گے۔" زرش خاموشی سے بیٹھی ناخن چباتی رہی۔

"آپ کو کچھ فرق نہیں پڑتا بھابی؟" وہ اس کی خاموشی پر تپ اٹھی۔

"میں کہوں گی فرق پڑتا ہے تو کیا کوئی میرے اس درد کا مداوا

کرد ے گا؟" زرش زہر خند ہوئی۔

"کوئی حیثیت نہیں ہے میری' جو کوئی سنے اور دھیان دے' دس سالوں میں تمہارے بھائی نے مجھے انسان سے بھی نچلے طبقے کا درجہ دے رکھا ہے۔ ساری رات غیر عورتوں کے پہلو میں گزار کر صبح دم گھر لوٹ کر آنے والے مردوں کو بیویاں پسند نہیں ہوتیں...... ان کا اسٹینڈر کچھ اور ہوتا ہے۔ شریف اور خاندانی بیویاں انہیں زہر لگتی ہیں' نازنخرے دکھانے والی' جسم تک خالی کرا کر اٹھ جانے والی عورتوں میں ان جیسے مرد محبت اور وفا ڈھونڈتے ہیں۔ ہونہہ' گھر میں تو انہوں نے ایک شوپیس رکھا ہوتا ہے' شرافت کا سرٹیفکیٹ۔ تمہیں آدھا شہر لگتا ہے اور مجھے پورا شہر...... کچھ بیویاں ہوں گی اور کچھ سہیلیاں...... میری کوئی اوقات نہیں ہے نہ میں بیوی کے درجے پر نہ ہوں گرل فرینڈ......" بات مکمل کر کے وہ ہنسیں پھر ہاتھ اٹھا کر اسے جانے کا کہا تو ہانیہ کو غصہ آ گیا تھا۔

"آپ بھی ہو جائیں ناں ان کے جیسی' بینک بیلنس گاڑی سب کچھ آپ کے پاس بھی تو ہے آپ بھی اپنا ٹائم گزارا کریں کیوں اس کمرے کے دوزخ میں جلتی کڑھتی ہیں' ان کو آپ کی پروا نہیں تو آپ بھی مت کریں...... جب سے ہوش سنبھالا ہے' اسی طرح دیکھا ہے آپ کو...... چلیں میرے ساتھ پارلر میں آپ کو ویسا ہی بنوا لاتی ہوں جس کے لیے یہ باہر کھے کھاتے پھرتے ہیں۔" زرش بے اختیار ہنس دی۔

"یہ لفظ 'کھے' کہاں سے سیکھا تم نے؟" اسے اچنبھا ہوا تھا' وہ بولتے ہوئے رکی ایک خیال سا آ کر گزر گیا تھا۔

"کل آ رہے ہو؟" امید کا جھولا جھولتی آواز۔

"کیوں...... میں کھے کھانے آنا ہے؟" (کیوں میں نے خاک پھانکنے آنا ہے) صاف جواب دینا بھی اسی کو آتا تھا۔

"مر دو تم۔" اس کا جھنجلانا اور اس چھ فٹے کا سر خم کرنا اور اب مر گیا ہے تو جانے کہاں کہاں سے زندہ ہو کر پریشان کرنے آ جاتا ہے۔ ہانیہ نے سر جھٹکا اور مزید کچھ بولے بغیر باہر نکل آئی تھی۔

جو کیفیت اس پر سوار تھی' ایسے میں وہ کمرے میں بند ہو جاتی تھی' اسے اس کا دکھ منانا اچھا لگتا تھا' پہروں کمرے میں اندھیرا کیے اس سے شکوہ کرنا مرغوب تھا اسے' وہ اس سے نفرت کرنا چاہتی تھی لیکن اس کے حوالے سے کوئی منفی لہریں اس کے دل و دماغ کو چھوتی ہی نہ تھیں۔ وہ غیر ملکی جاسوس تھا...... قابل نفرت تھا...... اس نے اس کے ملک کے ہزاروں لوگوں کا قتل کیا تھا۔ پھانسی کے لائق تھا لیکن سارے حقائق کو ایک ہی دلیل جھٹلانے کے لیے کافی ہوتی' اس دہشت گرد نے اس کا دل آباد کیا تھا۔

وہ جاسوس اس کے دل کا دروازہ کھول کر بے دھڑک اندر آ بیٹھا تھا اور دھکے مارنے پر بھی نکلنے کو تیار نہ تھا۔ وہ اس سے نفرت کرنا چاہتی تھی لیکن اس کا گولیوں سے چھلنی وجود اسے پھوٹ پھوٹ کر رونے پر مجبور کر دیتا تھا۔

وہ اپنی محبت میں اکیلی تھی...... وہ اپنے دکھ میں اکیلی تھی اور وہ اس نفرت میں بھی اکیلی ہی تھی' جو وہ اس مرے ہوئے شخص سے کرنے کا ارادہ رکھتی تھی۔

وہ تو اس کو اپنے خاندان سے ڈراتی تھی...... بے خبر تھی کہ وہ تو جان ہی ہتھیلی پر لیے پھرتا ہے' زندگی اور موت اس کے لیے بے کار چیزیں تھیں لیکن پھر بھی...... پھر بھی...... اس نے ہانیہ زبیر کے ساتھ بہت غلط کیا تھا...... بہت غلط...... اسے پھر اپنا دکھ رلانے لگا تھا۔



"دل پھٹ گیا چاچا جی دے۔" شامو نے اس کی طرف دیکھا اسے دلاسہ دینے کو بڑھا۔

"کی ہو گیا پتر' حوصلہ کری دل" شامو موچی نے اسے اٹھا کر گلے سے لگایا۔ (کیا ہو گیا بیٹا؟ حوصلہ کرتے ہیں)

"مک گیا حوصلہ...... ٹٹ گیا حوصلہ۔" وہ پھپک پھپک کر رو دیا' دکھ بھی اپنے جیسوں کے سامنے ہلکا ہوتا ہے۔

"نہ پتر نہ۔" شامو نے اس کے بہتے آنسو صاف کیے۔

"رب کی مرضی پر کھپ پاون والے آپاں کون؟" (رب کی مرضی کے آگے شور مچانے والے ہم کون ہوتے ہیں)

"دیکھ بلیا' ایہہ تے دنیا' آنا جانا لگیا ہی رہندا...... صبر کر' شکوہ نہ کر...... آپاں حکم دے غلام' اوس اچی ذات نال گلے کردے چنگیں لگدے؟ چل شاو شے' حوصلہ کر۔ اتھے بیٹھ میرے نال' دکان وچ جی نہیں لگدا تے۔" شامو نے ہمت بندھائی۔ (دیکھو بیٹا' یہ دنیا ہے' یہاں آنا جانا لگا ہی رہتا ہے' صبر کرو' شکوہ نہ کرو' ہم تو حکم کے غلام ہیں' اس بلند مرتبہ رب کے سامنے گلہ کرتے اچھے نہیں لگتے؟ چل شاباش حوصلہ کرو' اگر دکان میں دل نہیں لگ رہا تو میرے ساتھ بیٹھ جا)

اور اس نے اپنا بکسا کھولا اور وہیں بیٹھ گیا۔ پہلے چند دن وہ شامو کی کاری گری دیکھتا رہا پھر آہستہ آہستہ سیکھ گیا۔ اب وہ ایک

مکمل موچی بن گیا تھا۔ مہینوں بعد اس نے باپ کی دکان کھولی' جو گرد آلود ہوگئی تھی۔ سارا دن صفائی میں گزرا دکان کا قرضہ چڑھ گیا تھا اس نے تمام جوتے اونے پونے بیچ کر قرض چکایا اور وہ علاقہ ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ دیا' اس نے ایک بہت بڑے بازار میں اپنا ٹھیلا لگا لیا تھا' جوتے سیتے' پالش کرتے' وہ سڑک سے اٹھنے والی گرد میں کہیں چھپ سا گیا تھا۔ اس کی ایک ہی پہچان رہ گئی تھی گندا موچی اور وہ اپنی اس پہچان پر مطمئن اور دکھی تھا۔



سارے شہر کو خبر ہوگئی تھی۔ نشرو اشاعت کے تمام ادارے چیخ رہی تھے۔ اخبار دھڑا دھڑ خبریں چھاپ رہے تھے۔ معروف سیاسی شخصیت کے بیٹے نے اپنی منکوحہ کو بیوی تسلیم کرنے سے انکار کردیا اور صرف انکار ہی نہیں میڈیا کو چپ کرانے کے لیے بھاری رشوت کی بھی پیش کی گئی تھی لیکن خبر پھر بھی شائع کردی گئی تھی۔ اب سب جھنجلا رہے تھے۔ رفاقت زبیر حذیفہ کو رگید رہے تھے۔ جس نے عین انتخابات کے دنوں میں اتنا بڑا مسئلہ کھڑا کردیا تھا۔ وہ لڑکی پریس کانفرنس کرتی پھر رہی تھی۔ خوب ہی تماشا لگ رہا تھا۔ نتیجتاً رفاقت زبیر کو بھی ایک پریس کانفرنس کرنا پڑی جس میں انہوں نے نہ صرف اس لڑکی سے معافی مانگی بلکہ اسے اپنے گھر کے دروازے کھلے ہونے کی نوید بھی سنادی تھی۔

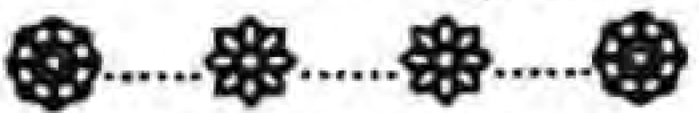
حذیفہ کو رفاقت زبیر کا یہ فیصلہ یا اقدام قطعاً پسند نہیں آیا تھا اور وہ اس بات پر ان سے الجھا بھی تھا لیکن رفاقت زبیر نے اسے ڈانٹ کر چپ کرادیا تھا۔ حالات کا تقاضا یہی تھا کہ فی الحال اس لڑکی کو بہو تسلیم کرلیا جاتا' شاندار محل کے کسی کونے میں پڑی دو وقت کی روٹی کھاتی رہتی' کون سی کمی آجانی تھی لیکن اگر اسے دھتکارے جانے کی رسم برقرار رکھی جاتی تو ان کے انتخابات کے لیے وہ لڑکی زہر قاتل ثابت ہوتی' سو وہ کسی بھی طرح اس لڑکی سے الجھنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔ مجبوراً وہ اس گھر میں آ گئی تھی اور انہیں اس لڑکی کو قبول کرنا پڑا تھا۔

اس سارے تماشے کا عبدالرافع کے رشتے پر اثر پڑا تھا۔ وہ لوگ حذیفہ کے کارناموں سے ڈر گئے تھے اور اب انہیں شک ہورہا تھا کہ کل کلاں ایسے ہی کوئی اور لڑکی آ کر عبدالرافع کی بیوی ہونے کا دعویٰ کردے گی تو وہ کیا کرلیں گے؟ رفاقت زبیر نے انہیں پوری طرح یقین دہانی کروانے کی کوشش کی لیکن وہم کا بال شیشے میں آ گیا تھا۔ عبدالرافع کی ہونے والی ساس تو بدکی گھوڑی کی طرح ہوگئی تھیں۔ وہ اپنی بیٹی کا مستقبل داؤ پر لگانے کو ہرگز تیار نہیں تھی۔ عبدالرافع بھی ہر ممکن کوشش کررہا تھا کہ انہیں اس کے کردار پر یقین آجائے اور رشتہ بچ جائے لیکن اب یہ بیل منڈھے چڑھتی نظر نہیں آرہی تھی۔ ہانیہ البتہ سکون میں تھی' وہ توقع کررہی تھی کہ حذیفہ بھائی کا یہ اقدام اس کی فیور میں جائے گا' وہ منتظر تھی کہ عبدالرافع کی طرح اس کے لیے بھی ایسا کوئی پیغام آجائے گا لیکن اس کی امید امید ہی رہی' جرار الثا اس کے ماں باپ کے ساتھ بیٹھا عبدالرافع کے سسرال والوں کو قائل کرتا نظر آیا۔ ہانیہ کا کئی بار دل چاہا تھا کہ اس کے ہلتے سر کے نیچے جو گردن ہے' مروڑ کر رکھ دے لیکن ایسا وہ صرف سوچ سکتی تھی......

بہت بار اس کا جی چاہا کہ وہ اس شخص کے لیے جوگ لے لے' کبھی شادی نہ کرے' پھر ازلی اکڑ عود کر آتی۔

"کیوں لے وہ جوگ؟ ایک غدار کے لیے' ایک قاتل کے لیے؟ اسے اس شخص کو بھلانا ہی ہوگا' بھولنا ہی ہوگا۔" وہ جانتی تھی جرار انگلیاں مار مار کر اس کی آنکھوں سے اس شخص کے خواب نکالے گا' اس کے دل پر تب تک چڑھ کر کھڑا رہے گا جب تک اس شخص کے لیے ایک ایک دھڑکتی رگ بھی ختم نہیں جاتی۔

وہ اس کی بند مٹھیاں چارپائی کے پاؤں تلے دے کر تب تک انجان بن کر سوتا رہے گا جب تک اس شخص کی محبت لکیر لہو بن کر بہہ نہیں جاتی' سوائے نہ چاہتے ہوئے بھی اس راستے پر سفر کرنا تھا جس پر چلنے کے لیے اس کا دل اور دماغ کسی ص... آمادہ نہیں تھے...... اسے قبروں پر کھڑے ہوکر بین نہیں کرنے تھے بلکہ ایک مدفن اپنے اندر بنانا تھا' جس میں سب کچھ اسے دفن کرنا تھا' سرخ کفن میں لپیٹ کر۔



رملہ کے بارے میں رفاقت زبیر کے سب اندازے غلط ثابت ہوئے تھے۔ انہوں نے تو سمجھا تھا کہ اس لڑکی کو گھر کے ایک کونے میں رکھ کر چین کی بانسری بجائیں گے لیکن وہ تو بہو ہونے کا پورا کردار نبھانے کو تیار تھی۔ سب سے پہلے تو اس نے اس کمرے میں رہنے سے انکار کیا جو اسے دیا گیا تھا۔

"کیا مطلب؟" اس نے ہاتھ کمر پر ٹکاتے ہوئے آنکھیں گھمائیں۔ "میں اس کمرے میں رہوں گی؟"

"جی......" صادقہ (ملازمہ) نے اثبات میں سر ہلایا' وہ ہی تو اسے اس سرونٹ کوارٹر میں لے کر آئی تھی۔

"سامان اٹھاؤ سیرل۔" رملہ نے حکم سے کہا تو صادقہ نے فوراً اٹھا لیا۔ رملہ آگے چل دی تھی۔

"میرے پیچھے آؤ۔" وہ سامان اٹھا کر اس کے پیچھے چل دی۔ صادقہ پیش آنے والے ہنگامے کو سوچ کر ڈر رہی تھی بڑی بیگم صاحبہ سے اس کی بہت زیادہ عزت افزائی ہونے والی تھی، دونوں آگے پیچھے لاؤنج تک پہنچی ہی تھیں کہ بیگم رفاقت کی دھاڑ سنائی دی۔

"صادقہ......"

"جی......" وہ بیگ نیچے رکھ کر فوراً مڑی تو بیگم رفاقت کی قہر بار نظریں دونوں کے وجود کے آر پار ہونے لگی تھیں۔

"کہاں جا رہی ہو لڑکی! تمہیں کسی نے بتایا نہیں کہ تمہاری حدود کہاں تک ہیں؟" سوال رملہ سے اور نظریں صادقہ پر تھیں۔

"میں نے بتایا تھا بیگم صاحب۔" صادقہ گھگھیائی۔

"میں اس گھر کی بہو ہوں آنٹی اور میں اس گھر کے کسی بھی حصے میں رہنے کا پورا حق رکھتی ہوں۔" رملہ کے لہجے سے جھلکتا اعتماد بیگم رفاقت کو تیر کی طرح چبھا۔

"بہو اور حق؟ ہوش میں آؤ لڑکی...... رئیسوں کے بیٹے بہت جگہ منہ مارتے ہیں اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم سارے شہر کا گند اٹھا کر اپنے گھر میں جمع کرلیں۔" ان کا لہجہ حد سے زیادہ تحقیر آمیز تھا اس کا چہرہ سرخ ہوگیا۔

"آپ زیادتی کر رہی ہیں بیگم رفاقت۔" رملہ نے کمال تحمل کا مظاہرہ کیا تھا۔ "آپ کے بیٹے نے نکاح کیا ہے مجھ سے میں ان کی جائز بیوی ہوں۔"

"ہونہہ۔" انہوں نے نخوت سے سر جھٹکا۔

"جس کلاس سے تمہارا تعلق ہے نا، ہمارے ہاں اس کلاس کا نوکر بھی نہیں رکھا جاتا...... صادقہ سامان اٹھاؤ اور سرونٹ کوارٹر میں لے جاؤ اور بی بی کو سمجھاؤ۔" وہ صادقہ سے کہتی سیڑھیاں چڑھ گئیں۔ رملہ ان کے پیچھے جانے لگی کہ صادقہ نے روک لیا۔

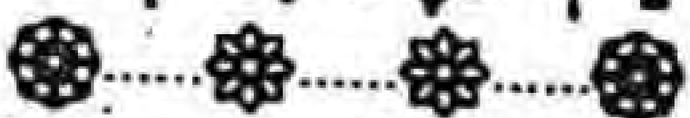
"ضد مت کریں بی بی! آپ کے لیے یہی بہتر ہے فی الحال گزارا کرلیں...... ایک دو دن بعد بات کرلیجیے گا۔ چلیے آیئے میرے ساتھ، میں کھانا نکالتی ہوں آپ کے لیے۔" صادقہ ایک ہاتھ سے بیگ اور دوسرے ہاتھ سے رملہ کا بازو تھامے باہر آگئی۔ رملہ کسی صورت سرونٹ کوارٹر میں رہنے کو تیار نہیں تھی لیکن مجبوری تھی رات کے اس پہر سوئے ہوئے بچے کو کاندھے سے لگائے وہ کہیں اور جانے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

صادقہ نے کمرے کی کنڈی کھول کر لائٹ جلائی کمرے میں پیلے بلب کی مدقوق روشنی پھیل گئی تھی۔ صادقہ نے بیگ نیچے رکھا اور ٹرنک کھول کر نئی چادر، تکیہ اور لحاف نکالا پھر دیوار کے ساتھ لگے پلنگ پر چادر بچھائی، تکیہ اور لحاف رکھ کر اس نے بچہ لے کر پلنگ پر لٹایا اور اسے باتھ روم کا بتانے لگی۔ رملہ کو اس کمرے سے خوف آرہا تھا۔ باتھ روم جانے کیسا ہو؟ وہ بنا کچھ کہے پلنگ پر بیٹھ گئی۔ اسے یہ ملازماؤں والی زندگی نہیں گزارنی تھی۔ وہ حذیفہ زبیر کی جائز بیوی تھی اور اسے اپنے شوہر کے ساتھ ہی رہنا تھا۔ صادقہ اسے منہ ہاتھ دھونے کا کہہ کر کھانا لینے چلی گئی۔ رملہ کا دل کچھ بھی کھانے کو نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ سوئے ہوئے طلحہ کے ساتھ لیٹ گئی۔ صادقہ واپس آئی تو ٹرے میں دال اور دو چپاتیاں تھیں۔

"کچن میں یہی بچا تھا۔" وہ ٹرے رکھتے ہوئے نظریں چرا گئی۔ رملہ جان گئی کہ اسے یہ کھانا کیوں دیا گیا تھا۔

"مجھے طلحہ کے لیے دودھ لا دو بس، کھانا میں نہیں کھاؤں گی۔" اس نے منع کیا تو صادقہ نے اصرار نہیں کیا، چپ چاپ ٹرے لے کر واپس پلٹ گئی۔ واپس آئی تو دودھ کا ڈبہ اس کے ہاتھ میں تھا۔

"فیڈر وغیرہ دھونا ہے تو مجھے دے دیں۔" گلاس رکھتے ہوئے اس نے پوچھا تو رملہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔ صادقہ دروازہ بند کرکے چلی گئی۔ رملہ کتنی دیر چھت کی کڑیاں گنتی رہی اور پھر خود بھی سوگئی۔ نیند کا کیا ہے سولی پر بھی آجاتی ہے۔



زرش نے ڈریسنگ کے آگے کھڑے حذیفہ کو دیکھا جو اپنے بال سنوارتے ہوئے گنگنا بھی رہا تھا۔ گویا گھر میں جو قیامت آگئی تھی اس نے اس کی زیادہ فکر نہیں کی تھی۔ فکر کرنے والی کوئی بات تھی بھی نہیں یہ تو اس گھر کے ہر فرد کا مشغلہ تھا خود رفاقت زبیر کون سا کم تھے فارم ہاؤس پر جو ویک اینڈ پارٹیاں ہوتی تھیں، ان کی کہانیاں زبان زد عام تھیں۔

"حذیفہ۔" وہ باہر جانے لگا کہ زرش نے پکارا۔

"پلیز کوئی ایسی بات مت کرنا کہ میرا موڈ بہت خراب ہوجائے۔" اس نے مڑے بغیر تنبیہ کی۔

"مجھے رملہ کے بارے میں بات کرنی ہے۔" وہ اٹھ کر

قریب آئی۔

"اب تم دو ٹکے کی عورتوں سے بھی خوف زدہ ہوگی زرش بیگم۔" وہ مڑ کر اسے کندھوں سے تھام کر بولا۔ اس کا لہجہ اور اس کی آنکھیں ایک دوسرے کے متضاد تھے۔ اس کی نظروں میں چھپا تمسخر زرش بخوبی جانتی تھی۔

"جب تم دو ٹکے کی عورتوں سے نکاح کر کے انہیں گھر میں لاؤ گے تو میں خوف زدہ ہی ہوں گی۔" اس نے ترنت جواب دیا۔

"مردانگی پر ضربیں مت لگاؤ لڑکی۔" حذیفہ نے اسے جھٹکا دے کر چھوڑا۔

"جو عورت ویسے حاصل نہ ہو اس سے نکاح کے دو بول پڑھوا لیتا ہوں میں...... وہ کیا ہے کہ یہ جو میرا دل ہے ناں...... بس رنگ برنگی تتلیوں کے پیچھے دیوانہ ہے۔" وہ بے حد نرمی سے اس کی سماعت میں زہر گھول رہا تھا۔

"کبھی کبھی تتلیاں دامن پہ پکے داغ بھی چھوڑ جاتی ہیں۔" زرش کے کہے الفاظ پر وہ جی بھر کے ہنسا۔

"لگتا ہے تم نے بھی عورتوں کی لکھی کہانیاں پڑھنی شروع کر دی ہیں...... اس طرح کے فلسفے عورتیں ہی بگھار سکتی ہیں۔" اس نے طنزیہ کہا اور باہر نکلنے کو تھا کہ زرش پھر سامنے آ گئی۔

"مجھے رملہ کے بارے میں بات کرنی ہے۔"

"اوہو۔" وہ جھنجلایا۔ "رملہ کیوں ہاٹ کیک بن گئی ہے تمہارے لیے؟"

"بیوی ہے آپ کی اور آپ کے بچے کی ماں بھی...... اسے اگر اس گھر میں رکھ لیا ہے تو جائز حقوق دیں اسے...... افورڈ کر سکتے ہیں آپ اور......"

"ایک منٹ۔" وہ اس کی طرف بڑھا۔

"تمہارا مسئلہ کیا ہے میڈم پچھلے چار دن سے تم سوگ منا رہی ہو اور اب تمہیں ہمدردی اور حقوق کا خیال آ گیا۔ کیا چال چل رہی ہو تم؟ ہاں بولو...... بولو کون سی گیم چل رہی ہے تمہارے دماغ میں؟" وہ اسے کندھوں سے تھام کر بری طرح جھنجوڑنے لگا' تکلیف کی شدت سے زرش کی آنکھیں بھر آئیں۔

"حذیفہ چھوڑو مجھے۔" اس نے اپنا آپ چھڑانے کی کوشش کی لیکن حذیفہ کی گرفت مضبوط تھی۔ اس کی آنکھوں سے غیض وغضب چھلک رہا تھا۔

"حذیفہ پلیز......" وہ چلائی۔

"یہ جو تمہارا دماغ ہے ناں اس کو زیادہ تکلیف مت دیا کرو کبھی تم۔" حذیفہ نے اسے پوری شدت سے دھکا دیا اور سنبھلتے سنبھلتے بھی اس کا سر بیڈ کی پٹی سے ٹکرا گیا تھا آنکھوں کے آگے مکمل اندھیرا چھا جانے سے پہلے اس نے گردن کے پچھلے حصے پر گرم بہتے خون کی لکیر محسوس کی تھی۔

❁......❁......❁......❁

فاطمہ نے ہرے ویلوٹ کی پوٹلی کی ڈوری کو کھینچا اور اسے چارپائی پر الٹ دیا' یہ اس کے پانچ سالوں کی بچت تھی' کبھی دس' کبھی بیس' کبھی پچاس بچا کر وہ اس تھیلی میں رکھتی رہی تھی۔ یہ اس کی جمع پونجی تھی۔

دس دس اور پچاس کے کئی نوٹ میلے کچیلے سے چارپائی پر بکھر گئے تھے۔ وہ انہیں سیدھا کر کے ترتیب سے رکھتے ہوئے گنتی بھی کر رہی تھی۔ صبح ہی اس نے دیکھا تھا گڈو کی شلوار کا پائنچا پھٹ گیا تھا۔ پانچ سالوں میں یکمشت اتنے پیسے آئے ہی نہیں تھے کہ تن کو نیا کپڑا میسر آتا...... ویسے بھی غریب کی جھگی میں کون سا الماریاں اور اٹیچی بھرے ہوتے ہیں۔ ضرورت کے دو سوٹ میسر آتے ہیں یا پھر ایک آدھ آنے جانے کا جوڑا اور وہ آنے جانے والا جوڑا بھی اتنی بار پہنا گیا ہوتا ہے کہ اس کا رنگ وروپ بدل جاتا ہے' نذیر علی تھا تو جیسے تیسے کر کے سال میں دو جوڑے تو بنوا ہی دیتا تھا لیکن اس کے جانے کے بعد تو جیسے ہر چیز نے اس گھر سے منہ موڑ لیا تھا۔ دروازے پر کھٹکا ہوا تو غیر ارادی طور پر فاطمہ نے روپوں والا ہاتھ اوڑھنی کے نیچے چھپا لیا تھا' تھوڑا سا اوپر کو اٹھتے ہوئے اس نے کھڑکی کی سلاخوں کے اس پار جھانکا تو گڈو اپنی سائیکل کھڑی کر رہا تھا۔ پانچ سالوں میں اس میں ذرا بھی فرق نہ آیا تھا۔ دکھ اور غم کی جو بکل اس نے ماری تھی' اس کو کھولنے پر وہ تیار ہی نہ تھا۔ غم بانٹنے سے کم ہوتا ہے' سنبھالنے سے اور بڑھتا ہے' دکھ اور تاسف کا پودا اندر ہی اندر دل کا آنگن اس قدر بھر دیتا ہے کہ پھر صفائی مشکل ہو جاتی ہے اور گڈو نے بھی اپنا دل بھر لیا تھا۔ وہ غم جو پہلے دل میں تھا پھل پھول کر آنکھوں' ہاتھوں' باتوں تک آ گیا تھا۔

"سلام اماں۔" ڈھیلے ڈھالے انداز سے چلتا وہ اندر آیا' سلام کرنے کے بعد وہ بکسا چارپائی کے نیچے سے کھینچنے لگا۔

"تو اسے باہر کیوں نہیں رکھتا۔" کئی بار کا کہا جملہ اس نے دہرایا۔

"اس میں بہت قیمتی سامان ہے اماں۔" کھڑے ہوتے

ہوئے اس نے جواب دیا۔ فاطمہ کی آنکھیں ڈبڈبائیں۔
"پتر ہم اس غم کو بانٹ نہ لیں؟" فاطمہ نے تھکے ٹوٹے لہجے اس بیٹے کو دیکھا۔
"بانٹ تو چکا ہوں۔ یہ دیکھ۔" اس نے ہتھیلیاں پھیلائیں۔ "سارا بانٹ دیا میں نے اب تو خالی ہاتھ ہوں۔"
"تو اس بکسے کو دریا میں پھینک دے۔" فاطمہ کی کہی بات پر اس نے چونک کر دیکھا۔
"بکسے کو؟" اس نے دوبارہ پوچھا کہ ماں کی بات ناقابل یقین تھی۔ یہ نذیر علی کا بکسا تھا۔ ماں اسے پھینکنے کا کیسے کہہ سکتی تھی؟ لیکن وہ کہہ رہی تھی بلکہ اصرار کر رہی تھی۔
"یہ ابا کا بکسا ہے۔" اس نے ٹین کے میلے کچیلے بکسے کو دیکھتے ہوئے یاد دہانی کروائی۔
"جانتی ہوں۔" فاطمہ کی آنکھوں کے کنارے بھیگے۔ "نشانی ہے یہ تیرے باپ اور بھائی کی۔" لہجہ پتھر کا ہوا۔ "لیکن بیٹا مردہ لوگوں کی یہ نشانیاں ہمیں جینے نہیں دے رہیں تو کھول اس بکسے کو اور نکال دے سب کچھ آج کے بعد تو جوتے نہیں سیئے گا اس بکسے کے تہوں میں رکھا اپنا وجود نکال اپنا آپ سمیٹ اور اس بکسے کو دفنا دے کہیں۔" فاطمہ کے منہ سے پتھر برس رہے تھے اور سامنے بیٹا گڈو سوچ اہلہان ہو رہا تھا۔
"اس بکسے نے ہمیں جینے نہیں دینا گڈو۔ کتنے برس بیت گئے زندہ لاشوں کو اٹھائے پھرنا آسان نہیں زندوں کا تعفن مردوں سے زیادہ ہوتا ہے پھینک دے اسے۔" اس نے اوڑھنی بین کرنے کے انداز میں چہرے پر ڈالی اور ڈھیلے ڈھالے انداز میں لیٹ گئی پیسے اس کی مٹھی میں تھے میلے کچیلے پرانے نوٹ۔
گڈو نے بکسا گھسیٹا اور کھول کر بیٹھ گیا۔ کیا تھا اس میں چند اوزار چمڑے کے ٹکڑے سلوشن کیلیں پالش برش میلا کپڑا وہ ایک ایک چیز کو الٹ پلٹ کرتا کچھ ڈھونڈتا رہا تھا۔ پھر اپنی ہتھیلیاں پھیلا کر بیٹھ گیا۔ ہاتھوں کی لکیریں بھی کالی ہوگئی تھیں۔ دن بھر لوگوں کے جوتے پالش کرتے گانٹھتے اس کے ہاتھوں کی نرمی کہیں کھو سی گئی تھی۔ ایک کھردرا پن انگلیوں میں پیدا ہو گیا تھا۔
"عبدالحسیب تمہارے ہاتھ لڑکیوں کی طرح ہیں گورے چٹے اتنی لمبی انگلیاں تو میری بھی نہیں ہیں۔" وہ میز پر اپنی ہتھیلیاں پھیلائے اپنے اور اس کے ہاتھوں کا موازنہ کر رہی تھی۔
"فنکار ہوتے ہیں ایسے لوگ۔" اس نے پھر کہا تو وہ ہنس دیا تھا۔
"توبہ ہے ہانیہ میں اور فنکار۔"
"سچ کہہ رہی ہوں دیکھو تو۔" اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنا ہاتھ برابر کیا تھا۔
"سچ میں کسی آرٹسٹ کا ہاتھ لگ رہا ہے۔"
"تمہیں ہاتھ دیکھنا آتا ہے؟" وہ جل ہوا تھا۔ ہاتھ پیچھے کھینچ لیا تھا۔ ہانیہ کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔
"ہاتھ ہی نہیں تم حرکتیں بھی لڑکیوں والی کرتے ہو۔ اب دیکھو ذرا اپنے چہرے کا رنگ کیسے بلش کر رہے ہو۔" وہ ہنس ہنس کر دہری ہو رہی تھی۔
"شریف آدمی ہوں پہلی بار کسی لڑکی سے مل رہا ہوں۔ میں کوئی عادی مجرم تھوڑی ہوں۔" وہ ذرا سا مسکرایا تھا۔ "مجھے تو ویسے ہی ڈر لگتا ہے یہ تمہاری لمبی گاڑی اور میرے پاس تو ایک سائیکل تک نہیں...... یہ مس میچ......"
"اوئے...... اوئے۔" ہانیہ نے اس کی آنکھوں کے آگے ہاتھ لہرایا تھا۔ "کن خیالوں میں ہو جی اور مس میچ کا ہے کا...... میں نے پہلے ہی بتا دیا تھا تمہیں کہ تعلق نہیں بنانا پھر مس میچ کیسا؟ دوستی ہے اور دوستی میں کون پرفیکٹ اور مس میچ کے بارے میں سوچتا ہے اور میں نے کب کہا تم سے کہ اماں ابا کو بھیجو یا پھر میرے پیرنٹس تمہاری راہ تک رہے ہیں۔" اس نے کندھے اچکا کر نا گواری سے کہتے ہوئے تیوری چڑھائی تھی عبدالحسیب نے چند لحظہ رک کر اس کے چہرے کو دیکھا تا کچھ بھی تو نہ تھا اس کے چہرے پر نہ محبت کی روشنی نا آنکھوں میں چاہت کا پرتو...... تو پھر وہ کیوں مل رہا تھا اس سے؟ اس نے اپنا آپ کو ٹٹولا تھا۔
کچھ بھی نہیں تھا...... اسے اطمینان نہیں ہوا خالی دل کے ساتھ آپ کب تک کسی سے راہ و رسم بڑھا سکتے ہیں۔ یہ لڑکی اسے جانے کہاں لے جا رہی تھی اور کیوں؟ وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔
"چلیں......" ساحلوں کی ریت جیسا تعلق تھا ان کا۔
"چلو......" اس نے اپنا بیگ اور موبائل اٹھایا اور اس سے پہلے چل پڑی۔ وہ تیز قدم اٹھاتا اس کے ہمراہ ہوا تھا۔
"دیکھو عبدالحسیب......" اس نے سن گلاسز اپنے سر پر جمائے اور ایک نظر اس پر ڈالی تھی۔
"مجھے تم سے ملنا باتیں کرنا اچھا لگتا ہے لیکن میں چاہ کر بھی تمہیں کوئی امید نہیں دلا سکتی ہم میں فقط دوستی ہے تم جب تک

یہاں ہو جب تک میں یہاں ہوں یہ دوستی ہے اور اس دوستی کا امین بس یہ دیار غیر ہی ہے ہمارا اپنا وطن اور وطن والے اس دوستی کو قبول نہیں کریں گے۔"

"کیوں میں ہندوں ہوں کیا؟" وہ خفا ہوا تھا۔

"نہیں۔" وہ ہنس دی تھی۔ "لیکن تم تو جانتے ہو ناں جو ہمارے اسٹیٹس سے کم...... کم تر ہوتا ہے ناں...... وہ اچھوت ہی ہوتا ہے ہمارے لیے...... جس کلاس سے میرا تعلق ہے...... میں تمہاری کلاس نہیں جانتی لیکن اگر تم یہاں اسکالرشپ پر آئے ہو جاب کر کے اپنے اخراجات پورے کرتے ہو تو......" وہ رکی تھی۔

"ائی وے...... یہ محبت نہیں ہے صرف اچھا لگنا محبت نہیں ہوتا۔" اس نے اپنی انا کا پرچم سرنگوں نہیں ہونے دیا تھا۔ عبدالحسیب نے ایک نظر اس لڑکی کو دیکھا اور مردانگی کے بھرپور غرور سے اسے دیکھا تھا۔

"محبت تو تمہیں مجھ سے ہے۔" اس نے بڑے ذوق سے سوچا تھا۔ "ورنہ جس کلاس سے تمہارا تعلق ہے وہاں تو دوستیاں بھی اپنے جیسوں میں کی جاتی ہیں دیکھ بھال کر ٹھوک بجا کر لیکن میں اس محبت کا اقرار نہیں چاہوں گا کبھی بھی نہیں۔" وہ خاموشی سے اس کے ساتھ سر جھکائے چلتا رہا تھا اس کی کسی بھی بات پر ردعمل دیے بغیر۔

یہاں تک وہ راستہ آ گیا جہاں سے وہ دونوں الگ الگ سمتوں کو چلے جایا کرتے تھے۔ ان کے درمیان کبھی رسمی جملوں کا تبادلہ نہیں ہوتا تھا نہ ملتے وقت نہ جدا ہوتے وقت۔ دونوں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ وہ اگلی بار ملیں گے وہ ہر ملاقات آخری سمجھ کر کرتے تھے عجیب ملاقاتیں تھیں وصل کی تمنا اور ہجر کے خدشوں کے بغیر۔

"یہ پیسے رکھ لے گڈو۔" فاطمہ کی آواز اسے آناً فاناً ان راستوں سے اس سیلن زدہ کمرے میں واپس لائی تھی۔

"یہ کہاں سے آئے اماں؟" وہ سر جھکا گیا آنکھوں میں جو نمی تھی بے سبب نہیں تھی۔

"پانچ سالوں کی جمع پونجی ہے۔ (لوٹ یادیں آنسو دکھ)"

"کتنے نوٹ تو ختم بھی ہو گئے ماں۔ نئے آ گئے۔" اس نے ہاتھ نہیں بڑھایا تھا۔

"ہاں ہر ختم ہونے والی چیز کی جگہ نئی آ جاتی ہے پتا نہیں ہم نئے کیوں نہیں ہو رہے؟" فاطمہ نے مٹھی اس کی گود میں کھول دی تو نوٹ بکھر گئے تھے۔

"تم بھی کھول دو مٹھی بیتے لمحوں کو اڑ جانے دو۔" اس نے ایک بار پھر نصیحت کی اور وہ غیر ارادی طور پر اپنی ہتھیلیاں دیکھنے لگا تھا۔ اس کی ہتھیلیاں تو پہلے ہی کھلی تھیں کچھ تھا ہی نہیں۔ نہ قسمت نہ دولت اور محبت تو بالکل بھی نہیں۔

"وہ جو سرخ رنگ کا بندہ ہے ناں تیرے پاس جس کا ہے اسے واپس کر دے۔" فاطمہ کے الفاظ نے اسے بیٹھے سے کھڑا کر دیا تھا۔ وہ یک ٹک فاطمہ کو گھور رہا تھا۔ وہ کیسے جان گئی اس بندے کے متعلق؟ اس نے تو سب سے چھپا کے رکھا تھا۔

"مرے ہوئے رشتوں کو دفنا دیا کرتے ہیں۔ چیزیں چھپا چھپا کر رکھنے سے سوائے تکلیف اور دکھ کے اور کچھ نہیں بچتا۔" فاطمہ نے کہا۔

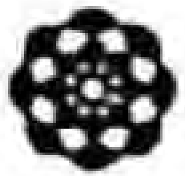
"رشتہ مرا کب تھا؟" اس کی نظریں فرش پر گڑ گئیں۔ آج شام ہی تو وہ پوچھ کر گئی تھی کہ اس کا عبدالحسیب سے کیا رشتہ تھا؟ وہ اپنے کام میں مگن رہا تھا اسے نظریں نہیں اٹھائی تھیں اور اگلے کئی روز وہ اپنے سوال کا جواب لینے آتی رہی تھی۔

"میں کسی عبدالحسیب کو نہیں جانتا میڈم۔" اس روز اس نے اکتا کر جواب دیا تو وہ بے چین ہوئی تھی۔

"تمہاری شکل...... شکل بہت ملتی ہے اس سے۔" ہاتھ مسلتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

"نہیں بی بی آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔" اس نے اپنا سامان سمیٹنا شروع کر دیا تھا۔ وہ مزید اس کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا تھا اور اس نے مٹھی میں دبی چیز اس کے تکیے کے اوپر رکھ دی تھی۔ گڈے موچی کا دم حلق میں آ گیا تھا۔ تکیے پر پڑا وہ بندہ جس میں سرخ رنگ کا پتھر جگمگا رہا تھا۔ بالکل ویسا ہی تھا جیسا اس کی دراز میں رکھے بندے جیسا۔

(ان شاء اللہ آخری حصہ آئندہ شمارے میں)



اک تمنا بے ثمر

فرح ریاض

> بھیگتے رہے ان بارشوں میں اکثر
> کبھی مانگی کسی سے پناہ نہیں
> حسرتیں پوری ہوں یا نہ ہوں محسن
> خواب دیکھنا کوئی گناہ نہیں

اتوار کا دن تھا سب گھر پر ہی تھے۔ خوب رونق بھی لگی ہوئی تھی اور شور شرابا ہو رہا تھا۔ ہر آتے جاتے کی نظر پیا آمدے میں رکھے ہوئے میز پر رکھے تھیلے پر آ کر رک رہی تھی۔ چہ میگوئیاں ہو رہی تھی، اندازے لگائے جا رہے تھے۔ سب کے دل میں انفرادی طور پر لڈو پھوٹ رہے تھے، جیسے ہی ابیہہ اپنے ڈیڑھ سالہ بچے کو گود میں اٹھائے کمرے سے باہر آئی سب تتر بتر ہو گئے۔ یہ تبدیلی اس گھر میں بالکل نئی تھی کہ ابیہہ اپنی دھاک بٹھا پائی تھی۔ شاید یہ کہنا زیادہ درست ہوگا کہ یہ دھاک ابیہہ کی نہیں تھی، وجہ کچھ اور تھی۔

اس گھر میں ابیہہ اور اس کے دو بچوں کے علاوہ اس کی ساس، ایک بن بیاہی نند اور جیٹھانی اپنے تین بچوں سمیت رہتے تھے۔ سسر کو اس نے کبھی دیکھا ہی نہ تھا، اس کی شادی سے پہلے ہی وہ دنیا چھوڑ گئے تھے۔ نند شادی کی عمر پار کر رہی تھی اور بے حد تنک چڑھی ہو چکی تھی۔ پہلے پہل اسے کوئی پسند نہ آتا تھا اور اب حال یہ تھا کہ اس کو کوئی پسند نہ کرتا۔ جٹھانی نجمہ کے تین بچے سارا دن گھر میں اودھم مچائے رکھتے۔ سب سے اہم منصب ساس کا تھا۔ سارا دن نکتہ چینی کرنا کوئی آسان کام تھوڑی ہے۔ جب نکتہ چینی کر کر کے تھک جاتیں تو انہیں بادام کا شربت پلایا جاتا تاکہ دماغ کو فرحت اور تازگی حاصل ہو اور وہ دوبارہ اپنا کام اور بھی بہتر طریقے سے سرانجام دے سکیں۔

گھر کے دونوں بیٹے بیرون ملک روزگار کے سلسلے میں تھے۔ بڑا بیٹا ولید تو اپنا کاروبار جما چکا تھا اور ابیہہ کی جٹھانی نجمہ کی پانچوں انگلیاں گھی میں اور سر کڑاہی میں تھا۔ پیسے اور آسائشوں کی خوب ریل پیل تھی لیکن صرف نجمہ کے لیے۔ دوسری طرف ابیہہ کی قسمت بھی اس کے شوہر کی طرح تھوڑی سست واقع ہوئی تھی۔ فائق صاحب صرف نام کے ہی لائق فائق تھے اور آج تک سارا الزام بڑے شوق سے قسمت پر ہی دھرتے آئے تھے۔ شاید انہیں قسمت کو کوسنا اچھا لگتا تھا اور اب تو یہ ان کا پسندیدہ مشغلہ بھی بن چکا تھا۔ محنت مشقت سے ان کی کوئی خاص دوستی نہیں تھی۔ شاید وہ اپنی کامیابی کی سب سے بڑی رکاوٹ محنت کو ہی گردانتے تھے جب ہی تو اسے کبھی خاطر میں نہ لاتے تھے۔ قسمت تو ان کے پاس تھی لیکن اسے کبھی خوش قسمتی میں بدل نہ پائے تھے۔



”دیکھو ابیہہ...... ابھی تمہارے بچے چھوٹے ہیں اور ان کی ضرورتیں اور فرمائشیں کم ہیں لیکن پھر بھی دیکھو جیسے جیسے مہینے کے آخری دن قریب آتے ہیں تمہاری پریشانی کتنی بڑھ جاتی ہے۔ ہاتھ خالی ہو جاتے ہیں۔ نوبت ادھار تک آ پہنچتی ہے۔ آخر کب تک ایسی ترسی ہوئی زندگی گزارو گی۔“ ماسی زلیخا نے ابیہہ کا سامنا حقیقت سے کروایا۔

”ماسی...... اب میں کیا کروں؟ تم تو جانتی ہو میں فضول خرچی بالکل نہیں کرتی، بہت کفایت شعار ہوں اور صرف ضرورت پڑنے پر ہی خرچ کرتی ہوں۔ میرے ہاتھ تو بندھے

ہوئے ہیں۔" ہیبہ نے بھی حرف حرف سچ کہا۔

"تمہاری سمجھداری سے مجھے انکار نہیں لیکن کس نے کہا تمہارے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں، ماشاء اللہ اچھی تعلیم کے زیور سے آراستہ ہو کوئی نوکری کرلو۔ اس طرح کمانے والے دو ہاتھ ہو جائیں گے۔ اللہ برکت دینے والا ہے۔ تمہاری زندگی کی محرومیاں تو دور ہوں گی۔ میری مانو تم فائق سے بات کرکے دیکھو۔" ماسی نے ایک اچھا مشورہ دیا اور ہیبہ کو پسند بھی آیا۔

"بات تو کروں گی لیکن مجھے یقین ہے فائق کبھی نہیں مانیں گے، انہیں میرا جاب کرنا پسند نہیں آئے گا۔"

"ارے پگلی...... تو بات تو کرکے دیکھ پہلے ہی ہتھیار ڈال رہی ہے۔" ہیبہ کے دل میں امید کی کرن جلانے کے بعد ماسی زلیخا دوبارہ معمول کے جھاڑو پونچھے میں مصروف ہوگئی۔ اس بڑے گھر میں صرف ہیبہ ہی تو تھی جو اس کی ضرورتوں کو حسب توفیق پورا کردیتی اور وہ اس بوڑھی کام والی کو عزت بھی دیتی تھی۔

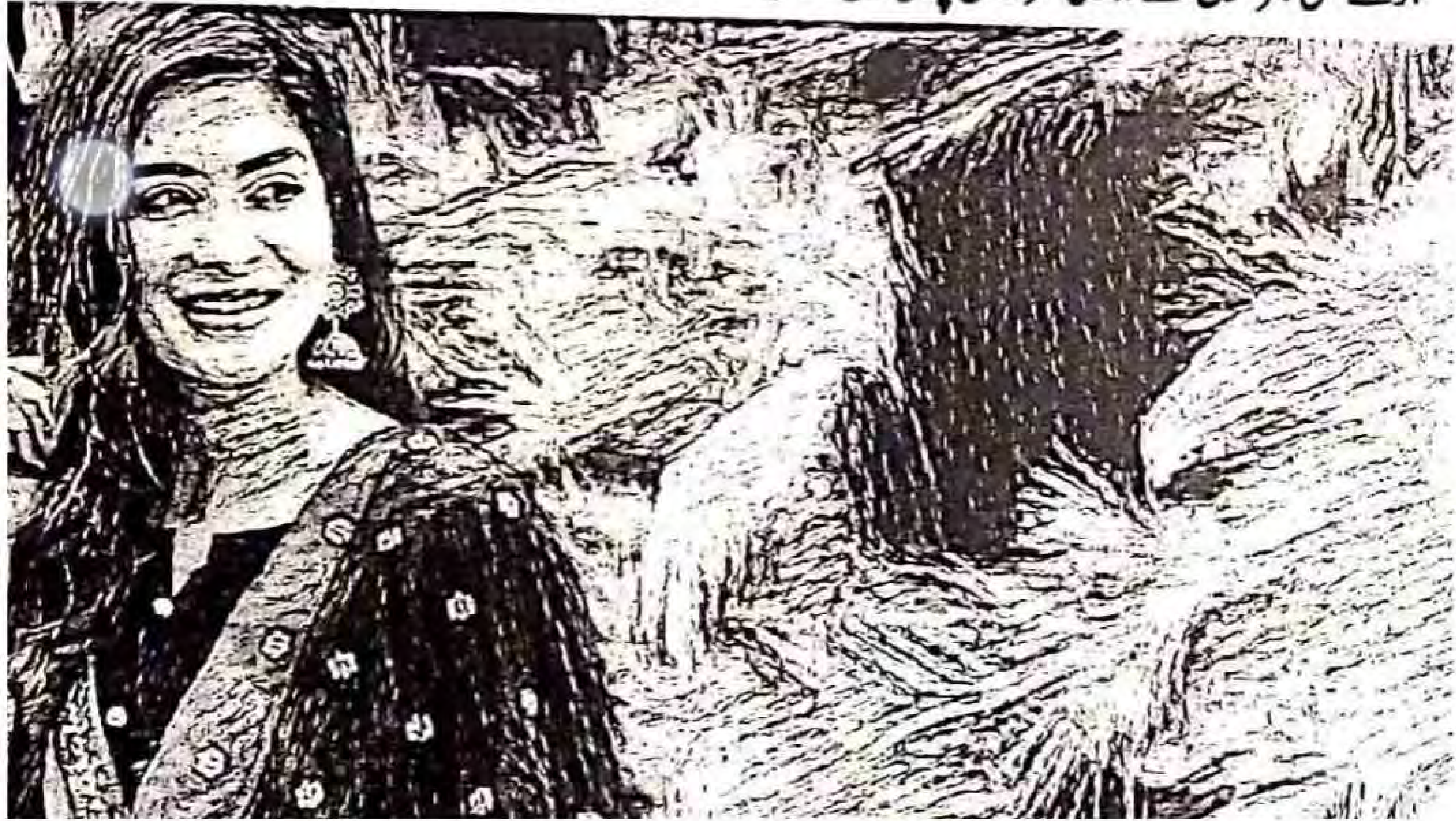


"فائق...... میں جاب کرنا چاہتی ہوں، تمہارے بھیجے ہوئے مٹھی بھر سکوں سے ہماری ضرورتیں پوری نہیں ہوتیں، ابھی بچے اسکول بھی نہیں جاتے، جب اسکول جائیں گے تو......"

"ہاں تو کرلو نہ جاب...... میں نے کب منع کیا ہے بلکہ میں تو یہ سوچ رہا ہوں تمہارے اس چھوٹے سے دماغ میں اتنا اچھا خیال پہلے کیوں نہ آیا۔ ارے کب تک ہاتھ پر ہاتھ دھرے مفت کے نوالے توڑتی رہوگی، تم بھی کوئی کام کرواپنے شوہر کا ہاتھ بٹاؤ۔" فائق نے ہیبہ کی بات بیچ میں کاٹتے ہوئے ہیبہ کی سوچ کے برعکس ردعمل دیا۔ ہیبہ کو اجازت تو مل گئی لیکن وہ ششدر رہ گئی اور کوئی جواب دیئے بغیر فون بند کردیا۔



"تمہاری جاب سے بھلا ہمیں کیا پرابلم ہے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ تمہارے بچوں کو کون سنبھالے گا۔ تم سارا دن گھر سے باہر موج مستیاں کروگی اور بچے گھر پر رہیں گے۔ کون دیکھے گا انہیں، میرے تو گھٹنوں میں درد رہتا ہے۔ مجھ سے تو یہ ذمہ داری نہیں نبھائی جائے گی۔" ساس صاحبہ تو پوتے پوتیوں سے جان چھڑانے کے لیے گھٹنوں پر ہاتھ رکھے تسبیح پڑھتی ہوئی اٹھ کر چلی گئیں۔ ہیبہ نے منت بھری نظروں سے اپنی جٹھانی، نجمہ کو دیکھا۔



"نا بانا...... میرے خود کے تین بچے ہیں۔ مجھے تو وہ ہی تگنی کا ناچ نچائے رکھتے ہیں اور تمہارے بچے تو آفت کا دوسرا نام ہیں۔" نجمہ نے لگا ساجواب دیا۔

"بھابی تین سال اور ڈیڑھ سال کے بچے کیا آفت مچائیں گے، آپ میرا ساتھ نہیں دے سکتیں تو ٹھیک ہے پر میرے بچوں کو آفت نہ کہیں۔"

"ثمن...... تم تو گھر میں سارا دن فارغ ہی رہتی ہو۔ مجھے امید ہے تمہیں تو کوئی اعتراض نہیں ہوگا، تمہارے بھائی کے بچے ہیں۔ بس چند ہی گھنٹوں کی بات ہوگی، میں جلدی آجایا کروں گی۔" ثمن جو کہ ٹی وی ڈرامہ دیکھ رہی تھی جان بوجھ کر ٹی وی کی آواز بڑھا لی جیسے کچھ سنا ہی نہیں۔

"جی بھابی...... کیا کہہ رہی تھیں آپ؟" انیسہ سب کے رویے سمجھ گئی اور چپ چاپ اپنے بچوں کو لے کر کمرے میں چلی آئی۔ ماسی زلیخا بھی اس کے پیچھے پیچھے آئی۔ انیسہ کو پریشان بیٹھے دیکھا تو کہا۔

"ارے تو دل چھوٹا مت کر، میں ہوں ناں، بچے سنبھالنا کون سا جان جوکھوں کا کام ہے، میں صبح آتی ہوں اور شام تک تیرے گھر کی خدمت کرتی ہوں، ایک ذمہ داری اور سہی، ان معصوموں کو سنبھالنے سے میرا کیا جائے گا۔" ماسی زلیخا نے انیسہ کی بہت بڑی پریشانی دور کردی، اس وقت ماسی اس کے لیے کسی فرشتے سے کم نہ تھی۔ انیسہ کی آنکھوں میں دکھ کے آنسوؤں کی جگہ خوشی کے آنسوؤں نے لے لی تھی۔

"آپ کا یہ احسان مجھ پر ہمیشہ رہے گا۔" انیسہ نے فرط جذبات سے ماسی کے بوڑھے ہاتھ تھام لیے۔

"جھلی ہوگئی ہے کیا...... مائیں کبھی بیٹیوں پر احسان نہیں کرتیں۔ پرانی باتیں بھول جا اور اب آگے کی سوچ...... سب معاملات تو طے ہوگئے ہیں۔ اب نوکری ڈھونڈنا تیرا کام ہے۔"



چند دنوں کی دوڑ دھوپ کے بعد انیسہ کو امید سے بڑھ کر اچھی نوکری مل گئی۔ انیسہ مستعدی سے کام کرنے لگی اور بچوں کو بے فکری سے ماسی زلیخا کے پاس چھوڑ جاتی۔ ماسی بھی ایک ماں کی طرح ان کا خیال رکھ رہی تھیں۔ انیسہ ان کی بہت شکر گزار تھی۔ آخر کار انیسہ کو کام کرتے ہوئے مہینہ ہوگیا تھا۔ آج اس نے پہلی بار اپنی محنت کی کمائی وصول کی۔ وہ بہت خوش تھی اور ماسی کی تہہ دل سے شکر گزار بھی۔ جس کے کارآمد مشورے پر وہ یہ قدم اٹھا پائی تھی۔ آج تو انیسہ کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔ جب وہ گھر آئی تو پتا چلا ماسی جا چکی ہے۔ اس کی بیٹی بانو کا رشتہ طے ہو رہا تھا۔ اس لیے آج مجبوراً جلدی جانا پڑا تھا۔

انیسہ اپنی پہلی تنخواہ کی خوشی سب سے پہلے ماسی زلیخا کے ساتھ ہی بانٹنا چاہتی تھی۔ خیر...... انیسہ نے اپنے بچوں کو تیار کیا اور بازار کا رخ کیا۔ بچوں کے لیے نئے کپڑے، کھلونے اور تمام ضروری چیزیں خریدیں۔ واپسی پر رات ہوگئی تھی اور وہ کافی تھک بھی گئی تھی۔ بچوں کو گھر آتے ہی سلا دیا۔ سب سامان سمیٹ کر اندر رکھا اور ایک تحفہ باہر میز پر ہی رکھا رہنے دیا۔ آج اتوار کا دن تھا۔ سب گھر پر ہی تھے۔ جو بھی بند پیکٹ کو تھیلے میں رکھا دیکھتا یہی سوچتا کہ یہ تحفہ اسی کے لیے ہے۔ ناشتے کی میز کے گرد سب جمع تھے۔ انیسہ اپنے چھوٹے بیٹے کے لیے دودھ گرم کرنے کچن میں آئی تو جٹھانی مدد کرنے کو آ گئی۔

"ارے تم یہاں اتنی گرمی میں کیا کر رہی ہو۔ تم بچے کو لے کر باہر جاؤ، دودھ میں گرم کرلاتی ہوں۔" یہ انیسہ کے لیے باعث حیرت تھا۔ اس لیے وہ نجمہ کو حیرت سے دیکھنے لگی۔ جیسے اسے سننے میں غلطی ہوئی ہو۔

"ارے ایسے حیرت سے کیا دیکھ رہی ہو میں تم سے ہی بات کر رہی ہوں۔ جاؤ بھئی، بچے کو گرمی میں کیوں کر رہی ہو، میں دودھ لے کر آتی ہوں۔" انیسہ حیرت کا بت بنی وہاں سے باہر آ گئی۔ ادھر نجمہ یہ سوچ سوچ کر پاگل ہو رہی تھی۔

"اس تھیلے میں اس کے لیے نا جانے کیا تحفہ ہوگا، آخر ایک ہی تو جٹھانی ہوں میں اس کی ضرور کچھ مہنگا ہی لائی ہو گی۔" کچن سے باہر آئی تو انیسہ کی بیٹی کو ثمن گود میں اٹھائے دلیہ کھلانے کی ناکام کوشش میں مصروف تھی۔ ننھی بچی تو اپنی پھوپو کی شکل سے بھی ناواقف تھی اور آج اچانک ایک تند و تیز تاثرات والا چہرہ ننھی بچی کو کھلانے کی کوشش کر رہا تھا تو وہ رو رہی تھی۔ ثمن کے اس نئے انداز نے انیسہ کو اور بھی حیرت میں ڈال دیا۔ آخر سب کو ہو کیا گیا تھا۔

"اکلوتی نند ہوں، پہلا حق تو میرا ہی بنتا ہے۔ جب انیسہ بھابی مجھے تحفہ دیں گی تو نجمہ بھابی کا منہ دیکھنے لائق ہوگا ہی ہی

ہی۔" دل ہی دل میں ثمن خوب ہنسی۔

"ارے نالائق تجھے کیا تجربہ بچوں کو قابل کرنے کا، تو جا جا کے محلے بھر کی کن سوئیاں لے جو تیرا پسندیدہ کام ہے۔ لا اس کو میری گود میں بٹھا، میں بتاتی ہوں بچے کو کیسے کھلاتے ہیں۔" ندا کی دادی میدان میں اتریں۔ ننھی ندا آسمان سے گری کھجور میں اٹکی۔ دادی کا چہرہ بھی اس معصوم کے لیے نیا ہی تھا۔ آج تک ایسہ کے بچوں کو گود میں لینے کی بھی زحمت نہ کی تھی۔ ان کی دنیا اپنی ماں تک ہی محدود تھی۔ جیسے ہی دادی نے دلیے کا چمچ بھرا ندا نے آنکھیں بیچ کر رونا شروع کردیا اور ہاتھ چمچ پر دے مارا۔ دلیہ ہوا میں اڑتا ہوا بارش کے قطروں کی طرح دادی پر آ گرا کچھ موٹے سے چشمے پر اور باقی سر پر۔ دادی اندر ہی اندر غصہ پی گئیں، مرتی کیا نہ کرتیں۔

"کمبخت ماری...... ایک چھوٹے سے تحفے کے بدلے کیا کچھ سہنا پڑ رہا ہے۔ پتا نہیں تحفہ مجھے پسند بھی آئے گا یا نہیں۔" دادی دل ہی دل میں کڑھ رہی تھیں مگر مجال ہے جو چہرے پر ناگواری کا ایک تاثر بھی دیا ہو۔ وہ الفاظ اور تاثرات سے کھیلنے کی ماہر کھلاڑی تھیں۔ بیچاری ایسہ کے ساتھ تو صبح سے ہی انہونی ہو رہی تھی۔ اپنی ساس کی یہ حالت دیکھ کر اور بھی گھبرائی کہ کہیں الٹا سیدھا نہ سنا دیں۔

"لائیں میں صاف کردیتی ہوں۔" ایسہ آگے بڑھی۔

"ارے نہیں بیٹا...... میرے اپنے بچے ہیں، دادی کے ساتھ نہیں کھیلیں گے تو اور کس کے ساتھ کھیلیں گے۔" ایسہ کو لگ رہا تھا جیسے وہ کسی اور گھر میں آ گئی ہو، ہر کوئی ایسہ کے گرد چاپلوسی کرتا پھیر رہا تھا۔

"ایسہ یہ لو آملیٹ، گرم گرم چائے اور پراٹھا کھاؤ...... یہ تمہارے بچے کا دودھ...... یہ وہ...... فلاں...... فلاں۔" ایسہ کو لگا وہ اپنے ہوش میں نہیں، حقیقت میں تو یہ سب ممکن نہیں۔ وہ اپنے بچوں کو اٹھائے کمرے میں جانے ہی والی تھی کہ ماسی زلیخا ہاتھ میں مٹھائی کا ڈبہ لیے بوجھل قدموں سے اندر داخل ہوئی اور سب سے پہلے ایسہ کو خوش خبری سنائی۔

"یہ لو بیٹا...... منہ میٹھا کرو، اللہ کے فضل سے گل بانو کا رشتہ پکا ہوگیا ہے۔ اب میرے بوڑھے کندھوں سے یہ ذمہ داری بھی اتر گئی۔ یہ لو منہ میٹھا کرو۔" ایسہ نے بے حد خوشی کا اظہار کیا۔ اس کے بعد ماسی زلیخا جھاڑو پکڑ کر صفائی کرنے ہی والی تھی کہ ایسہ نے آواز دے کر روک دیا۔ "ماسی یہ سب بعد میں کر لینا پہلے ادھر آؤ...... یہاں بیٹھو۔" سب اکٹھے ہوگئے اور ایسہ نے وہ بند تھیلا کھولا سب للچائی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگے جیسے عمرو عیار کی زنبیل سے کچھ نکلنے والا ہو۔

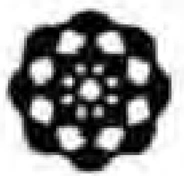
"ماسی...... یہ ایک نیا جوڑا ہے، تمہارے لیے اور یہ کچھ تحائف تمہاری بانو کے لیے، اس کی شادی میں کام آئیں گے۔" جب ایسہ نے یہ سب سامان ایک معمولی سی ماسی کے حوالے کیا تو سب کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔ ماسی بے چاری گھبرائی ہوئی سب کو دیکھنے لگی۔

"لیکن بیٹا میں یہ سب کیسے لے سکتی ہوں۔"

"کیوں نہیں لے سکتیں۔ ان سب پر صرف اور صرف تمہارا حق ہے۔" ایسہ نے تحائف ماسی کو تھماتے ہوئے کہا۔

"لیکن بیٹا ہماری اتنی اوقات نہیں کہ اتنے قیمتی تحائف لے سکیں۔"

"ماسی یہ تم نے کیا کہا...... یہ اوقات کیا چیز ہے۔ اوقات کا تعین پیسے سے نہیں بلکہ ہماری سوچ اور ہمارے کردار سے ہوتا ہے۔ اوقات تو ان کی کم ہوتی ہے جو حالات کے پیش نظر گرگٹ کی طرح رنگ بدلنا چاہتے ہیں۔ جو رشتے نہیں صرف موقع نبھاتے ہیں۔ میرے لیے تم سب سے بڑھ کر ہو اور ان سب تحائف کا حق دار اور کوئی نہیں۔ اگر تم میرا ساتھ نہ دیتیں، میرے بچوں کے سر پر شفقت کا ہاتھ نہ رکھتیں تو آج میں یہ سب نہ کر پاتی۔ یہ سچ ہے کہ محنت میری ہے لیکن راستہ تم نے ہی دکھایا ہے اور ساتھ بھی دیا۔" جب سب پر یہ واضح ہوگیا کہ یہ تحائف ان کی قسمت میں نہیں تو سب تتر بتر ہوگئے۔ ایسہ پلٹی تو میز پر نہ گرم پراٹھا تھا نہ چائے نہ ہی آملیٹ اور نہ ہی بچے کا دودھ وہ مسکرا دی اور اسے یقین ہوگیا کہ وہ کہیں اور نہیں بلکہ اپنے ہی گھر میں ہے۔



آگہی

قسط نمبر 20

عشنا کوثر سردار

جس کو معلوم نہیں منزل مقصود اپنی
کتنا بے کار ہے اس شخص کا چلتے رہنا
ہم نئے خواب بنیں گے نئے منظر لے کر
نئے سورج سے کہو روز نکلتے رہنا

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

وقارالحق محل واپس لوٹ آتے ہیں۔ان کی آمد جہاں نواب صاحب کو حیرت اور خوشی سے دوچار کرتی ہے وہیں ہاجرہ اماں بھی ان کی آمد پر بے حد مسرور ہوتی ہیں۔نواب صاحب کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ اب نواب وقارالحق اپنی ذمہ داریوں کو سمجھتے ہوئے فاطمہ بی بی کو واپس محل میں لے آئیں تا کہ دونوں ایک بار پھر سے دوبارہ خوشگوار زندگی کا آغاز کرسکیں۔یہی بات وہ وقارالحق سے کرتے ہیں تو وہ فاطمہ بی بی کو آزاد کرنے کی بات کرتے ہیں۔اس بات پر نواب صاحب بے حد مشتعل ہوجاتے ہیں انہیں وقارالحق سے اس حماقت کی توقع ہرگز نہیں ہوتی۔وقارالحق فاطمہ بی بی سے ملنے کی خاطر ان کے گھر جاتے ہیں تو فاطمہ بی بی انہیں اچانک سامنے دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتی ہیں۔وقارالحق اپنے سابقہ رویوں کا تذکرہ کرتے شرمندہ ہوتے ہیں لیکن فاطمہ بی بی ان کے مبہم رویے پر الجھن کا شکار نظر آتی ہیں۔وہ اپنی محبت کا تذکرہ کرتے جلد فاطمہ بی بی کی خوشی کی خاطر انہیں آزاد کرنے کا کہتے ہیں ان کی اس بات پر فاطمہ بی بی تڑپ جاتی ہیں اور وقارالحق کی محبت کی نوعیت جاننے سے قاصر رہتی ہیں۔انہیں یہی لگتا ہے کہ وہ جنت کی باتوں میں آ کر یہ سب کررہے ہیں۔فاطمہ بی بی سے ملاقات کے دوران ہی رجت سنگھ سے بھی نواب صاحب کی ملاقات ہوجاتی ہے۔رجت سنگھ نواب صاحب کو سامنے دیکھ کر بوکھلا جاتا ہے کہ کہیں وہ اس کے دل میں چھپے راز کو جان نہ پائیں رجت سنگھ اس بات سے بے خبر ہوتا ہے کہ نواب صاحب کو اس کے تمام جذبوں تک رسائی مل چکی ہوتی ہے۔بہرحال وہ فاطمہ بی بی کی خوشیوں کے لیے دعا گو رہتا ہے اور بخوبی یہ بات بھی جانتا ہے کہ ان کی خوشیاں صرف نواب صاحب سے ہی وابستہ ہیں۔جنت بی بی اپنی تمام تر سازشوں میں مکمل طور پر ناکام ہوجاتی ہیں تو ایک مرتبہ پھر ریحان میاں کی خدمات حاصل کرتی ہیں۔نواب صاحب کی فاطمہ بی بی کے لیے محبت دیکھ کر ان کا جذبہ انتقام مزید بھڑک اٹھتا ہے جب ہی وہ ریحان میاں سے فاطمہ کے کمرے میں آگ لگادینے کا کہتی ہیں اور ریحان میاں جو پہلے ہی فاطمہ بی بی کے ٹھکرائے جانے کے غم میں مبتلا ہوتے ہیں۔اس کام کا ذمہ اپنے سر لے لیتے ہیں۔

(اب آگے پڑھیے)



تاج بیگم کی آنکھ دروازے پر ہونے والی دستک سے کھلی دروازے پر کوئی بے صبراہٹ زور سے دستک دے رہا تھا بلکہ دروازہ

پٹنے جا رہا تھا۔ سارے ملازم جانے کہاں جا سوئے تھے۔ پورا گھر جیسے سویا ہوا مکمل سناٹا ہوا تھا۔

"کہاں مر گئے ہو سارے، کوئی ایک بھی نہیں جاگ رہا؟" تاج بیگم نے گرج دار آواز میں کہا۔ تب ہی ان کا کنڈی تک جاتا ہاتھ رک گیا، جلنے کی ناگوار بو نے نتھنوں کو چھوا تو انہوں نے پلٹ کر دیکھا، فاطمہ بی بی کا کمرہ چونکہ گھر کے پچھلے احاطے میں تھا اس لیے دکھائی تو کچھ نہ دیا۔ البتہ ماحول میں چھایا دھواں اور ناگوار بو نے تاج بیگم کے حواس بیدار کر دیے تھے۔ انہوں نے جلدی سے چٹخنی ہٹائی، وقار الحق تیزی سے اندر داخل ہوئے اور برق رفتاری سے فاطمہ بی بی کے کمرے کی طرف دوڑ لگا دی۔

تاج بیگم جو حواس باختہ چونکیں اور پھر شور مچا دیا۔ آناً فاناً سارا گھر بیدار ہو گیا تھا۔

"گھر میں آگ لگی ہے کوئی فاطمہ کو دیکھے۔" ان کے اندر بولنے کی سکت نہیں نہیں رہی۔ اس عمر میں وہ ایسے صدمات جھیلنے کے قابل نہیں رہی تھیں وہ وہیں گرنے کو تھیں جب ایک ملازم نے سنبھالا۔

"کماں جی آپ آرام سے موڑھے پر تشریف رکھیے، ہم دیکھ لیتے ہیں۔" دھواں تیزی بڑھ رہا تھا اور دوسری جانب تاج بیگم کا دماغ ماؤف ہوا جا رہا تھا۔



وقار الحق پھیلتی آگ کو دیکھ کر حیران رہ گئے تھے۔ لپٹیں بڑھ رہی تھیں اور ان کی نگاہ کھڑکی سے دکھائی دیتیں بے خبر سوئی فاطمہ بی بی پر گئیں۔ وہ لمحہ فیصلہ کن تھا۔ سوچنے کا وقت نہ تھا اور وہ بے خوف و خطر آگ میں کود گئے۔ لات مار کر دروازہ توڑا اور بھاگتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے۔ محبت اپنے لیے سونے کا نام نہیں۔ انہیں فاطمہ سے جو محبت تھی وہ شرائط سے دور اور ہر غرض سے مبرا تھی۔

گہری نیند میں جو خواب دیکھا تھا اس نے ایک لمحے میں اٹھنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ایسی بے چینی تھی کہ وہ تاج بیگم کے گھر پہنچ گئے۔ بنا وقت کی پروا کیے۔ محبت اپنے کی خیر خواہی چاہتی ہے۔ محبت برا نہیں چاہتی، شعوری لاشعوری طور پر محبت اپنے دعف



کھولتی ہے۔وہ جو بے خبر سو رہے تھے محبت نے جگا کر کہا تھا جاؤ اور اپنے محبوب کو محفوظ کرو، شعور اور لاشعور محبت میں اور بھی بیدار ہو جاتے ہیں اتنے کہ دماغ سو بھی جائے تو محبت جگا کر اپنی راہ پر چلا لیتی ہے۔ وقار الحق گہری نیند سے بیدار ہوئے اور بے قرار ہو کر تاج بیگم کے گھر کا رخ کیا۔ایسی نشانیاں محبت والوں کو ملتی ہیں۔ جلتی آگ میں کود کر اپنے محبوب کو بچانے کی لگن بھی کسی کسی کو نصیب ہوتی ہے اور ایسے اوصاف بھی محبت کو کم ہی عطا ہوتی ہے۔ وقار الحق نے لپکتے شعلوں کی پروا کیے بنا فاطمہ بی بی کو اپنی بانہوں میں بھر لیا اور آناً فاناً دوڑ لگا کر کمرے سے باہر نکل آئے آگ کی لپٹوں سے فاطمہ بی بی کو بچالیا تھا۔ محبت ایسی بے خطر بھی ہوتی ہے فاطمہ بی بی اس لمحے کسمسائیں اور آنکھیں کھولیں تو خود کو وقار الحق کی آغوش میں اس قدر قریب دیکھ کر وہ درطہ حیرت میں گھر گئیں۔اچانک آنکھ کھلنے پر جو منظر دیکھا وہ حیران کن تھا۔

وہ خواب دیکھ رہی تھیں کہ وہ شعلوں کی لپٹوں میں گھری ہیں اور وقار الحق نے یک دم آکر ان کو تھام لیا ہے۔ لحہ بھر کو یہ سب خواب ہی لگا۔ یقین نہ ہوا کہ وقار الحق اس درجہ قریب ہیں۔

سب حیرت زدہ سے وقار الحق کو دیکھ رہے تھے۔ جس طرح وہ فاطمہ بی بی کو موت کے منہ سے نکال لائے تھے وہ سب کو ششدر کرنے کو کافی تھا۔

"یا اللہ تیرا شکر ہے۔" تاج بیگم کے سانس میں سانس آئی، تشکر سے آنکھیں بھیگ گئیں۔ملازم آگ کو بجھانے میں لگے ہوئے تھے اور ان کی کوششوں سے اور بروقت اقدام سے صورت حال پر قابو پالیا گیا تھا۔

وقار الحق نے فاطمہ بی بی کو کسی کانچ کی گڑیا کی طرح گود سے اتارا تو فاطمہ بی بی نے مشکور سے انداز میں ان کی طرف دیکھا۔

"تم نے آج بروقت آکر ہماری کل متاع حیات کو بچالیا۔ صد تشکر بچے...... فاطمہ کی حفاظت کا ذمہ ہمارے سر تھا اگر ان کو کچھ ہو جاتا تو ہم خود کو کبھی معاف ہی نہ کر پاتے۔" دادی جان نم لہجے میں بولیں۔ وقار الحق خاموش رہے۔

"مگر یہ آگ لگی کیسے؟" دادی جان کا ذہن کسی قدر پُرسکون ہوا تو سوال ابھرا۔

"کسی کی سازش لگتی ہے اماں جی...... فاطمہ بی بی کا کمرہ گھر کے پچھلے احاطے میں ہے وہ گھر کی سب سے محفوظ جگہ ہے۔ اس جگہ آگ کا بھڑکنا کیا معنی رکھتا ہے جبکہ آس پاس ایسا کوئی مواد بھی نہیں تھا اور نہ ہی باورچی خانہ قریب ہے نا کوئی اور خطرہ موجود ہے۔" ملازم نے کہا۔ دادی جان نے فاطمہ بی بی کی پیشانی پر لب رکھتے ہوئے ایک گہرا سانس خارج کیا۔

"سازش جس نے بھی کی ہے اس کو سزا ضرور ملے گی۔ ہم معاف تو نہ کریں گے مگر یہ طے ہے کہ اس معاملے میں باہر سے زیادہ گھر کا کوئی اپنا ہی شامل ہے باہر والوں میں ایسا دم نہیں جو یہ خطرناک اقدام اپنے ڈھا سکتے ہیں وہ پرائے نہیں کرتے۔ بہر حال ہم اس متعلق تحقیقات کریں گے اور متعلقہ انسان کو اس بار کوئی معافی نہ ملے گی۔" دادی جان نے مضبوط لہجے میں کہا۔ فاطمہ بی بی نے وقار الحق کی طرف نگاہ کی وہ خاموش کھڑے تھے۔

"تمہیں اس بات کی خبر کیسے ہوئی میاں۔ تم تو اس وقت فرشتہ بن کر آئے اور بنا سوچے سمجھے آگ میں کود پڑے، تم آج بروقت نہ آتے تو جانے کیا ہو جاتا۔" دادی جان نے کہا۔

"ہم گہری نیند میں تھے دادی جان شاید خواب دیکھ رہے تھے کہ فاطمہ مشکل میں گھری ہوئی ہیں، ہماری آنکھ کھلی مگر بے قراری ایسی تھی کہ ہم اس جانب آنے سے خود کو نہ روک پائے۔" وقار الحق نے قریب کھڑی فاطمہ بی بی کو ایک نگاہ دیکھا انہیں محفوظ دیکھ کر دل کو قدرے اطمینان ہوا تھا۔

"اللہ نے جب مدد فرمانی ہو تو وسیلے خود بناتا ہے۔ ہم حیران تھے آپ کو دیکھ کر مگر پھر حواس باختگی میں نگاہ آگ پر پڑی تو کسی طرح کا ہوش نہ رہا...... فاطمہ کی جان بچانے کے لیے بہت شکریہ اگرچہ وہ آپ کی زوجہ ہیں اور آپ کے لیے بھی یہ رشتہ اس حوالے سے بہت اہم ہے۔" دادی جان نے کہا تو وقار الحق نے اطمینان کی گہری سانس خارج کی۔

"دادی جان شرمندہ مت کیجیے اس حوالے سے آپ کو شکریہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ اگرچہ ہم نے اپنے فرض کو نبھانے میں ہمیشہ کوتاہی برتی ہے مگر شکر کرتے ہیں کہ اس وقت ہم نے بروقت اقدام لیا ورنہ ہم بھی ساری عمر خود کو معاف نہ کرپاتے۔" وقارالحق نے مدہم لہجے میں کہا۔

"بہرحال مشکل کی گھڑی تھی گزر گئی مگر اپنے اور پرائے کا احساس اسی ایک لمحے میں ہوجاتا ہے۔ بیٹا حادثے کے بعد کئی افسوس کو آتے ہیں مگر حادثے کے دوران جو ساتھ کھڑا ہو وہ اصل ہمدرد ہوتا ہے۔" تاج بیگم نے کہا اور ملازمہ کے ساتھ آگے بڑھ گئیں جو بتانے آئی تھی کہ آگ پر قابو پالیا گیا ہے۔

فاطمہ بی بی نے دادی جان کے جانے کے بعد وقارالحق کی سمت نگاہ کی وہ چونکہ پہلے سے متوجہ تھے سو وہ نظر جھکا گئیں۔

"شکریہ۔" فاطمہ بی بی فقط اسی قدر کہہ سکیں۔ وقارالحق نے بغور انہیں دیکھتے ہوئے سر ہلادیا۔

"زندگی جینے کے لیے مختصر ہے پر جانے اس چھوٹی سی زندگی میں لوگ بڑی بڑی سازشیں کیسے کرجاتے ہیں۔" فاطمہ بی بی مدہم لہجے میں بولیں۔

"سازشیں بھی وہی کرتے ہیں جن کو کچھ فائدہ مل رہا ہو۔" وقارالحق نے کہا تو فاطمہ بی بی پھیکے سے انداز میں مسکرادیں۔

"قبر میں اعمال کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا، کاش جاننے والے جان لیں۔" فاطمہ بی بی کے لہجے میں افسوس تھا وقارالحق نے سر ہلایا گویا تائید کی ہو۔

"زمانہ اس کی فکر نہیں کرتا فاطمہ بی بی اس کے متعلق بھی باخبر لوگ سوچتے ہیں۔ ورنہ کس کو کیا پڑی ہے کل کی لوگ آج میں جینے کے خواہاں ہیں۔" وقارالحق نے کہا۔

"مارنے والے سے بچانے والا کہیں بڑا ہے۔ مدعی لاکھ برا چاہے تو کیا ہوتا ہے؟" فاطمہ بی بی نے جتایا اور وقارالحق دیکھ کر رہ گئے۔

"کہیں آپ یہ تو نہیں سمجھ رہیں کہ ہم اس سازش کے حصہ دار ہیں؟" وقارالحق نے خدشہ بیان کیا تو فاطمہ بی بی خاموش رہیں، وقارالحق بے چین ہوگئے۔

"ہم ایسی سازشوں کا حصہ نہیں فاطمہ بی بی...... ہم نے اگرچہ آپ سے بے وفائی کی ہے مگر کبھی آپ کے حق میں برا نہیں چاہا، محبت انسان کو اچھا بنادیتی ہے۔ وہ برائی سے بچ جاتا ہے۔" وقارالحق کے الفاظ ان کی سچائی کے غماز تھے مگر فاطمہ بی بی خاموش ہی رہیں۔



"یہ ٹھیک نہیں ہم خاموش رہے تو پانی سر سے گزر جائے گا۔" فاطمہ بی بی پر ہونے والے حملے پر نواب صاحب نے تجزیہ کیا وقارالحق خاموش رہے۔

"کیا آپ اس حملے سے واقف تھے؟" نواب صاحب کے پوچھنے پر وقارالحق چونکے۔ ان کی جنت سے وابستگی کا سبب تھا کہ شک کے دائرہ کار میں وہ آرہے تھے۔ انہوں نے کچھ کہنے کے بجائے اطمینان سے سر ہلادیا۔

"وقارالحق مسلسل قاتلانہ حملوں کا ہونا کیا معنی رکھتا ہے؟ کیا ہم حقائق سے نگاہ پھیر لیں۔" نواب صاحب نے جتایا تو وقارالحق کے لیے وضاحت دینا ضروری ہوگیا۔

"ابا حضور...... ہم فاطمہ کے سب سے بڑے خیر خواہ ہیں ہم نے ان کی جان کی حفاظت کے لیے جنت کی ہر بات مانی، ہم جنت کی سازش کا حصہ نہیں ہوسکتے۔ رہی بات جنت بی بی کو باز رکھنے کی تو جب تک ثبوت نہ ہوگا ہم ان کے خلاف کارروائی نہیں کرسکتے۔" وقارالحق نے حقیقت کو نرمی سے بیان کیا۔

"مانا ثبوت ڈھونڈنا ضروری ہے مگر ہم ہاتھ پر ہاتھ دھر کر نہیں بیٹھ سکتے۔ ثبوت ڈھونڈنے کو قانون ہوتا ہے ہم قانونی کارروائی کریں گے تب ہی معاملات اختیار میں آئیں گے۔ بہر طور ہم فاطمہ کو اس طرح بے یارو مددگار نہیں چھوڑ سکتے۔ ہم آج ہی جا کر فاطمہ کو محل واپس لا رہے ہیں اور اس بار آپ نے کس طرح کی نالائقی کا مظاہرہ کیا تو ہم سے برا کوئی نہ ہوگا۔ ہم آپ کو عاق کرنے میں ایک لمحہ نہ لیں گے۔" نواب صاحب نے دوٹوک لہجے میں کہا تو وقارالحق انہیں دیکھ کر رہ گئے۔



"آپ کا نشانہ پھر چوک گیا۔ آپ کو سر بازار کھڑا کر کے توپ سے اڑا دینا چاہیے۔" جنت بی بی برہم دکھائی دیں، ریحان میاں سر جھکائے کھڑے تھے۔

"ہم نے جی جان سے کام کیا اب محترمہ فاطمہ بی بی کی سانسیں اس دنیا میں لینا لکھا ہے تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔ ہم نے تو اپنی سی کوشش کر دی اور ایک بار ہی نہیں کئی بار کی۔ اب کیا کیجیے کہ اللہ ان کی حفاظت کرتے ہیں۔" ریحان میاں کی بات نے جنت بی بی کا غصہ دو چند کر دیا۔

"آب حیات پی کر آئیں ہیں کیا آپ کی فاطمہ بی بی؟ ولی ہیں کوئی جو انہیں الہام ہو جاتا ہے۔" جنت بی بی سیخ پا ہوئیں۔ ریحان میاں سر جھکائے کھڑے تھے۔ جنت تنگ آ کر خود ہی خاموش ہو گئیں پھر کچھ دیر بعد گویا ہوئیں۔

"ہم ان کی موت کی خبر سننے کو مرے جا رہے ہیں ریحان میاں آپ کچھ نہیں کر سکتے تو خود مر جائیے۔ آپ سے اتنا سا کام نہیں ہوتا، سینے میں سانسیں اٹکتی ہے ہمارے..... ہم کیسے جی رہے ہیں، ہم ہی جانتے ہیں۔" ان کی آواز بھرا گئی ریحان میاں کو ان پر بہت ترس آیا تب ہی وہ مدہم لہجے میں بولے۔

"ہم ایک بات کہیں جنت بی بی اگر مزاج پر نا گوار نہ گزرے تو؟" انہوں نے کہنے سے قبل ارادتاً اجازت چاہی جنت بی بی نے خاموشی سے ان کی طرف دیکھا تب ہی وہ بولے۔

"ہم نہیں جانتے وہ اللہ کو کس قدر عزیز ہیں یا وہ اللہ کی کتنی بڑی عبادت گزار ہیں مگر مان لینا پڑتا ہے کہ ان کی عمر طویل ہے اور ہماری سازشوں کا ان پر کوئی اثر نہیں ہو رہا۔ ہمیں اب شرم آتی ہے شاید کچھ انسانیت زندہ ہے ہم میں۔" ریحان میاں کے کہنے پر جنت بی بی نے چونک کر دیکھا۔ ریحان میاں نے بے خوف و خطر سر ہلایا۔

"سچ کہتے ہیں جنت بی بی اللہ ان کی حفاظت کرتا ہے۔ ان کے ساتھ شاید دعائیں زیادہ ہیں یا تو وہ بہت نیک ہیں یا اللہ ان سے خوش ہے۔ ہم نے ایڑھی چوٹی کا زور لگایا ہر طرح کی سازش بن لی۔ سب اقدامات کر دیکھے۔ اب دیکھیے فاطمہ بی بی پھر بھی زندہ ہیں کوئی وجہ یا سبب تو ہے ناں؟" ریحان میاں کے مدہم لہجے پر جنت بھڑک اٹھیں۔

"اگر اب آپ نے ایک حرف بھی ان کی ہمدردی میں کہا تو ہم آپ کو جہنم رسید کر دیں گے۔" اور ریحان میاں بجائے ڈرنے کے مسکرا دیے۔

"کر دیجیے جنت بی بی مگر اب ہمیں بھی یقین آ گیا ہے کہ اللہ کی مرضی کے سامنے ہم انسانوں کی سازش کام آتی ہے نہ ہی ہماری خواہش۔ ہماری نیتوں کو اللہ جانتے ہیں اور اس کے حساب سے ہمیں اجر دیتے ہیں۔ لاکھ چاہے مدعی برا تو کیا ہوتا ہے وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے۔ جنت بی بی جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے؟ ہم اور آپ خاک ہیں خاک رہیں گے۔ ہم دنیا کے نظام کو بدلنے والے کے سامنے چوں چراں نہیں کر سکتے۔ وہ رب ہے جو اس نظام میں چلنے والی سوئی کی حرکت کو بھی دیکھتا ہے اور حکم دیتا ہے کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی کن کا منتظر ہے وہ کہتے ہیں ناں اس کی مرضی کے بنا پتا بھی نہیں ہلتا تو ٹھیک کہتے ہیں۔" ریحان میاں کا اطمینان بھرا لہجہ جنت بی بی کو چڑا گیا۔

"ہم آپ کا سر پھوڑ دیں گے ریحان میاں ایسے ولی ہو گئے آپ؟ ایک عورت نے آپ کا ایمان بدل دیا؟ آپ گناہ گار سے

اللہ کے ماننے والے بن گئے۔ گناہ ثواب کا ہوش آ گیا آپ کو جانتے بھی ہیں آپ کتنے گناہ گار ہیں؟ اب ایک لمحے میں پارسائی یاد آ گئی تو پارسا بن گئے آپ؟" جنت بی بی نے ڈھٹاوہ بجائے برا ماننے کے ہنس دیے۔

"ہم کیا دین دار بنیں گے جنت بی بی۔ پارسا ہم نہیں ہم تو گناہ گار ہیں اور ایسے شرمندہ ہیں کہ اللہ سے معافی مانگنے کے لائق بھی نہیں سمجھتے خود کو۔ ہم تو یہ بھی نہیں جانتے اللہ ہمیں معاف کریں گے بھی کہ نہیں اور کیوں کریں گے؟ ہم نے ہمیشہ ان کی نافرمانی کی ہے ہم نے والدین کی نہیں سنی۔ اللہ کی نافرمانی کی ہر بری عادت اپنائی ہر گناہ کیا اس لیے اب کیا امید رکھیں۔ ہم شاید معافی کے لائق نہیں۔ ہم اللہ کی راہ پر چلنے کے لائق بھی نہیں مگر ہم اتنا ضرور جانتے ہیں کہ اللہ اپنے نیک بندوں کی مدد ضرور کرتا ہے۔" ریحان میاں مسکرائے تو جنت بی بی چڑ گئیں۔

"بتیسی نکال کر ہاتھ پر رکھ دیں گے آپ کی اسی اللہ کی عبادت گزار اور نیک ہیں ناں آپ کی فاطمہ بی بی کہ ان کی سلامتی کا ذمہ لے لیا۔" ریحان میاں جانتے تھے وہ شدید غصے میں ہیں اس لیے جانے کو مڑے۔

"رکیے۔" ان کے روکنے پر ریحان میں نے مڑ کر دیکھا جنت بی بی نے پرس کھولا اور ایک پیکٹ نکال کر ان کی طرف بڑھایا۔ ریحان مسکرا دیے۔

"جو کام ہوا نہیں اس کا دام کھرا کیونکر کریں؟"

"اپنی فاطمہ بی بی کے بے دام غلام ہو گئے ہو تم؟" جنت بی بی نے طنز کیا وہ مسکرا دیے۔

"ہم اس قابل کہاں جنت بی بی، ہم ہوس پرست گناہ گار ہیں اپنی حاجتوں کے پابند، ہمیں دل کے معاملات برتنا نہیں آتے اور عشق کر کے جنت بی بی نے کیا پا لیا یا وقار الحق نے کیا پا لیا یا آپ کو کیا مل گیا؟ عشق کچھ نہیں دیتا جنت بی بی سوائے بے زاری، شکست و ریخت اور دکھ و ملال کے دیکھیے آپ اپنی آگ میں جل رہی ہیں اور وہ دونوں اپنی آگ میں۔ ہم کیا احمق ہیں کہ عشق کریں؟ ہم ایسے ہی بھلے، ہمیں کسی پر تنقید نہیں کرنا ہم تو گناہ میں اصول پرست ہیں۔ اب گناہ نہیں گیا تو اس گناہ کا دام بھی کیوں اٹھائیں؟ آپ رکھ لیجیے کسی ایمان دار کو بخشش کر دیجیے گا۔ ایمان دار لوگ ضرورت مند ہوتے ہیں بخشش لے لیتے ہیں۔" ریحان میاں کا لہجہ تلخ ہوا۔

"بڑے طنز فرما رہے ہیں آج آپ...... گناہ ثواب کی باتیں یاد آ گئیں؟ گویا اللہ یاد آ گیا۔" جنت بی بی نے ترش لہجے میں کہا تو ریحان میاں وہاں سے خاموشی سے باہر نکل گئے۔



ہم کشتگان عشق
سینہ چاک و دل پژمردہ
حسرت ہجراں قفس
عشق کے خیال
مضطرب حال آشفتہ و حیراں
ہم کہ کیف عشق میں مبتلا
ہم کہ کیف عشق نہیں مجبورا
دست تاسف ملتے بہ یک دگر
آرام دہ ساں جان رنجور
تیرے عشق میں جور مسرور

"کچھ کام ہم اپنے لیے کرتے ہیں اور کچھ دل کے لیے اور دل اپنے لیے ممکنات خود بناتا ہے۔" رجت سنگھ کا انداز خود کلامی کا سا تھا جیسے وہ خود کو جتا رہا ہو۔ اس کا دھیان سامنے رکھے کاغذات پر تھا مگر اس کا ذہن کہیں اور بھٹک رہا تھا اور یقیناً اس کا دل کسی اور ہی جگہ تھا۔ وہ کھویا انداز کیا ظاہر کر رہا تھا۔ فاطمہ بی بی سمجھ نہ پائیں نہ بظاہر ان کی طرف متوجہ ہوئیں۔ وہ اپنے آپ میں جیسے غوطہ زن تھے۔

"رشتوں کو موقع اور وقت دیجیے یہ پچھتاوے سے بہتر ہے۔" اس کے کھوئے ہوئے لہجے پر فاطمہ بی بی سے رہا نہ گیا تو براہ راست پوچھ لیا۔

"آپ کس سے گفتگو فرما رہے ہیں محترم؟" وہ چونکا نہیں مگر دانستہ فاطمہ بی بی کی طرف دھیان کرنے سے گریز کیا۔

یار تیغ بکف
تیغ کشیدہ کف
نصف شب کے جاگے ہوئے
رشتہ دل میں گرہ لگائے
بانآمدہ غیر مشروع، غیر مباح، ممنوع
تیرے چارہ ساز، تیرے رفوگر
کیف عشق میں مجبور
چاند کے تمنائی
رشتہ دل میں گرہ لگائے
نصف شب کے جاگے ہوئے

رجت سنگھ جیسے کسی اور ہی جہاں میں معلق تھا۔ فاطمہ بی بی اس کو متوجہ نہ کرنے کے خیال سے نگاہ پھیر گئیں اور وہ مدھم لہجے میں کہتا سنائی دیا۔

"انسان کی فطرت ہے کہ جب کچھ پاس ہو تو اس کی قدر نہیں ہوتی۔ قدر تب آتی ہے جب باقی نہ رہے۔"

"ہم کھونا نہیں چاہتے۔" فاطمہ بی بی منہ ہی منہ میں بے ساختہ بڑبڑائیں۔

"کھونا تو کوئی بھی نہیں چاہتا۔" رجت سنگھ کی بھاری آواز ابھری۔

"ہم وقار الحق سے بہت محبت کرتے ہیں۔" فاطمہ بی بی کا وجود جیسے ایک نقطے پر مرکوز ہو گیا تھا۔ بے حد وقار الحق کی یاد نے آن گھیر لینے سرے سے جیسے نیا عشق آن وارد ہوا تھا۔ وہ انتہائی بے چین ہو اٹھیں۔

"رشتہ دل میں گرہ نہیں لگاتا مگر رفوگر ہار نہیں مانتے' نصف شب جاگتے ہیں' چارہ سازی کی راہ ڈھونڈتے ہیں اور......" رجت سنگھ متوجہ ہوئے بنا کہہ رہا تھا اور فاطمہ بی بی انتہائی بے قراری میں آن گھریں۔ کوئی جیسے ان کے دل کو مٹھی میں لے رہا ہو' ان کو گھیر رہا ہو۔

"رشتہ دل میں گرہ لگانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ رشتہ اپنے اندر گنجائش رکھتا ہے۔ اپنے آپ کو خود گانٹھتا ہے اور کوئی گرہ دکھائی نہیں دیتی۔ جولاہے کے وصف جانتا ہے' عشق جیسے جولاہا دھاگے سے دھاگہ ملا کر بنتا ہے۔ دھاگوں میں کئی گرہ لگاتا ہے اور اس سے آگے بننے لگتا ہے ویسے ہی محبت کرنے والے ہیں جو محبت کی راہ پر چلتے ہیں وہ بس چلتے چلے جاتے ہیں۔" فاطمہ بی بی کا لہجہ مضبوط تھا۔ مدھم آواز میں عجب یقین تھا۔ رجت سنگھ ان کی جانب دیکھنے لگا۔ وہ بے چین سی اور بھی خوب صورت دکھائی

دیں۔وہ مسکرایا۔

"اللہ پاک آپ کی مراد پوری کرے بی بی صاحب' آپ کے رشتے میں کوئی گرہ نہ آئے اور اگر کہیں رشتۂ دل کے لیے گرہ ضروری ہو بھی تو کوئی بھی گرہ دکھائی تک نہ دے۔ اللہ آپ کو ایسا وصف عطا فرمائے۔" وہ خیر خواہی کی دعا مانگ رہا تھا فاطمہ بی بی نے اسے دیکھا۔ رجت سنگھ نگاہ پھیر گیا۔ تب ہی فاطمہ بی بی کھوئے ہوئے لہجے میں بولیں۔

"کوئی کسی سے جدا ہونا نہیں چاہتا رجت سنگھ، جدائی موت ہوتی ہے۔ رشتے الجھتے ہیں تو بہت تکلیف دیتے ہیں۔ دھاگہ ٹوٹ جائے تو جان نکل جاتی ہے۔" فاطمہ بی بی کا لہجہ مدہم تھا۔ رجت سنگھ خاموشی سے دیکھنے لگا۔

"بی بی صاحب محبت خوب صورت احساس ہے۔ زندگی میں رنگ بھرتی ہے مگر محبت کی عدم موجودگی ہمارے رنگ غائب بھی کر دیتی ہے۔ میں دعا کرتا ہوں آپ کی زندگی میں تمام رنگ موجود رہیں۔" لہجہ ہمدرد تھا خیر خواہ تھا فاطمہ بی بی نے چونک کر اسے دیکھا۔

"تم نے کبھی محبت کی ہے رجت سنگھ؟" لبوں پر بے اختیار سوال ابھرا اور اس نے فوراً کوئی جواب نہ دیا۔ فاطمہ بی بی جانے کیوں اس کے چہرے کو تکنے لگیں۔

"بی بی صاحب محبت تختی نہیں، نہ تختہ ہے۔ اس پر کہانیاں درج نہیں ہوتیں چہرے خالی ہوتے ہیں۔ محبتیں تو دلوں میں آباد ہوتیں ہیں آنکھوں سے ہویدا ہوتی ہیں۔" وہ مدہم لہجے میں بولا۔

"تم بتانا نہیں چاہتے؟" فاطمہ بی بی نے جانے کیوں کریدا۔ وہ دیکھنے اور نگاہ ملانے سے گریز کر رہا تھا۔

"محبت چھپائی نہیں جاسکتی بی بی صاحب' کیا چھپائیں گے؟ اور کیا بتائیں گے' داستان ہوتی تو لکھ دیتے۔ بھید ہوتا تو کھوج لگاتے۔ ذکر ہوتا تو بار بار کرتے' کہانی ہوتی تو بار بار دہراتے مگر محبت تو محبت ہے اور محبت کی کوئی تعریف حتمی نہیں، سمجھنا ہو تو دل سے سمجھنا پڑتا ہے۔ عقل کے دروازے بند کر کے۔" رجت سنگھ عجیب وجد میں بولا۔

"کون ہے وہ؟" فاطمہ بی بی نے کریدا تو وہ مسکرا دیا۔

"بی بی صاحب محبت کو ذکر نہیں بنایا جاتا محبت تو تسلسل ہے۔"

"عجیب باتیں نہ کرو محمد جہانگیر۔" فاطمہ بی بی نے دانستہ اسے اس کے نام سے پکارا اور وہ خاموشی ہو کر کرسی کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں موند گیا اس کے لب آہستگی سے ہلے۔

محبت بے سبب

محبت بے وجہ

محبت خوامخواہ

جو متواتر ہے، مسلسل ہے، مستقل ہے

محبت ہے

اس محبت کو مس کیا کروں؟

اس محبت کا میں کیا کروں؟

قہر اجرا

مستمر و ملحق

مربوط بہم، لامحالہ

متواتر و مسلسل

ازل تا ابد
محبت بے سبب
محبت بے وجہ
محبت خوامخواہ

فاطمہ بی بی کو وہ شخص، بہت گہرا لگا مگر اس کے گرد اپنی محبت کا گھیرا تنگ تھا۔

وقار الحق کی محبت جوان کے دل کو جکڑ رہی تھی اور روح کو کھینچ بھی رہی تھی۔

"وقار الحق ہم آپ کے بنا نہیں جی سکتے۔" ان کے لب عجب بے قراری میں ہلے اور کمرے میں رجت سنگھ کی آواز گونج رہی تھی۔

تکرار محبت، جھگڑا محبت
انحراف مسلسل تکرار مسلسل
تذبذب ہے در پیش اضطراب مسلسل
خدشہ نہیں کچھ اغیار ہیں مخالف
انکار نہیں اچنبھا اقرار ہے تعجب
عشق مستتر و ملحق بے کیف بے فیض
بنا پس و پیش کے ساتھ لیے پھرتا ہے
سب ہی تاویلیں رد
دلیلیں برطرف
دل کو قبول نہیں کوئی حیل و حجت

"محبت میں محبت کے بنا محبت کے بغیر جینا دشوار نہیں سوہان روح ہوتا ہے بی بی صاحب ان جدائیوں کو طویل مت کیجیے۔ مسلسل ہوئیں تو محبت غیر آباد رہ جائے گی۔"

"تم اپنی محبت سے رجوع کیوں نہیں کرتے؟" فاطمہ بی بی کو اس کی داستان میں دلچسپی محسوس ہوئی اور وہ پھیکے سے انداز میں مسکرا دیا۔

"کچھ نہیں ہے بس کسک ہے پھانس ہوتی تو جان جا چکی ہوتی۔" وہ سرسری لہجے میں جتاتے ہوئے بولا۔

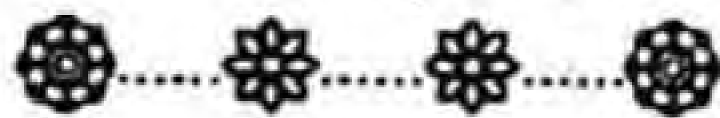
"لگتا نہیں یہ ذکر ایسا سرسری ہے کہ جڑ نہ رکھتا ہو؟" فاطمہ بی بی نے قیاس کیا۔ اس بار بھی رجت سنگھ نے ان کی جانب دیکھنے سے مکمل گریز کیا۔

"یہ پودا بے ثمر بیج سا ہے جڑ نہیں رکھتا۔ زمین بنجر ہو تو پودا جڑ نہیں پکڑتا چند روز رہ جاتا ہے اس لیے کیا بات کریں؟ معذرت چاہتے ہیں مگر ہم آپ سے کچھ چھپا نہیں رہے کچھ چھپانے کی جرأت بھی نہیں کر سکتے ہم آپ کا احترام کرتے ہیں آپ کی بات ٹالنا ممکن نہیں مگر کیا کریں، محبت غیب کے بھید سی ہے اور ہم شاید اس کے اہل نہیں، محبت نا اہلوں کی جنت میں نہیں رہتی۔ یہ خزانے کہیں اور آباد ہوتے ہیں۔" وہ مذاق میں بات کو ٹالنا چاہتا تھا اور فاطمہ بی بی اپنے اندر کی بے چینی سے نبرد آزما ہونے میں ہمتیں صرف کر رہی تھیں اس لیے مزید پوچھنے سے گریز کرتی اٹھ کھڑی ہوئیں اور وہ مسکرا دیا۔

دست تاسف ملتے بہ یک دگر
آرام رسان جان رنجور

تیرے عشق میں چور، مسرور
چاند کے تمنائی
نصف شب کے جاگے ہوئے
رشتہ دل میں گرہ لگاتے
بازآمدہ، غیر مشروع، غیر مباح، ممنوع
تیرے چارہ ساز، تیرے نوگر
ہم کہ کیف عشق میں مبتلا
کیف عشق میں مجبور
چاند کے تمنائی

"کیا کہیں کیا ہیں اور کون سے دیس میں ہیں محبت خبر ہونے نہیں دیتی بی بی صاحبہ تدبیر کام نہیں آتی منہ کوئی راہ نکلتی ہے جان پربنی ہو تو راہ کیا ڈھونڈیں، ہم وہ ہیں جن کے نام سفر لکھا گیا ہے اور یہ سفر ہی ہماری منزل ہے، ہم منزلوں کی کھوج میں نہیں نکلتے۔ منزل کی چاہ بھی نہیں کرتے، ہم غرض نہیں رکھتے اور بے غرض ہونے کا بھی دعویٰ نہیں کرتے۔ کیا کہیں کیا ہیں اور کیوں ہیں، ہماری دنیا کے واسطے کیا ہیں اور راستے کہاں تک جاتے ہیں آپ نہیں سمجھیں گی اور ہم سمجھانا بھی نہیں چاہتے۔ ہم اس قابل نہیں کہ محبت ہمیں آباد کرے۔ اس لائق نہیں کہ محبت اپنی روشنی سونپے۔ ہم محبت کے خواب دیکھنے والی آنکھ بھی نہیں رکھتے۔ محبت ممنوع ہے۔ شہر غیر مشروح ہے اور ذکر بازآمدہ ہے۔ خیال مباح ہے اس لیے ویرانے میں بہار نہیں لاسکتے۔ شجر ممنوع کے متعلق کیا سوچیں، ہمیں جائز نہیں کہ محبت کا ذکر بھی کریں اور خواب دیکھیں اس لیے ہم خاموشی سے تمام خیالوں کو بھٹکنے کو چھوڑ دیتے ہیں۔ روشنی پر دروازے بند کرتے ہیں اور رنگوں پر آنکھیں بند کیے لیتے ہیں۔ جب حق ہی نہیں تو کس بات کا ذکر کریں۔ ہمیں حسب غیر ہے، ممنوع ہے تو غیر مشروع کا ذکر بھی کیا کریں؟" اس کے لبوں پر پھیکی سی مسکراہٹ تھی۔ وہ آنکھیں بجھی بجھی سی تھیں۔ دانستہ خود کو روکنا محال ہوتا ہے اور وہ شخص بند باندھ رہا تھا۔



"اماں جان، ہم اپنی بیٹی کو اپنے گھر لے جانا چاہتے ہیں۔" نواب صاحب نے مدعا بیان کیا تو تاج بیگم خاموشی سادھ گئیں۔

"اماں جان، ہم اس خاموشی کا کیا مطلب سمجھیں، کیا آپ نہیں چاہتیں کہ دو خاندان پھر سے آباد ہوں اور دوبارہ سے زندگی کی ڈور تھام کر چلیں؟" نواب صاحب نے کہا تو ایک پھیکی سی مسکراہٹ تاج بیگم کے لبوں پر بکھر گئی۔

"ارے میاں میرے ارادوں کی کیا کہتے ہو؟ میرا بس چلے تو ہر شے اپنے ٹھکانے پر ہو مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ ہمارے اختیار میں نہیں، بچے اپنی زندگیوں کو اپنے ڈھنگ سے جینا چاہتے ہیں اور ہم زور زبردستی کے قائل نہیں۔" تاج بیگم کا جواب انہیں حیران کر گیا۔

"اماں جان یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟ بچے تو بچے ہیں اگر وہ اپنی ناسمجھی میں غلط فیصلے لینا چاہتے ہیں تو کیا ہم ان کو لینے دیں گے۔ اپنی زندگیاں بگاڑنے پر تلے ہیں۔ بے وقوفی کر رہے ہیں۔ ہم نے تو محترم نواب زادے کے کان خوب کھینچے ہیں ان میں تو ہمت نہیں ہماری حکم عدولی کرنے کی۔ دھاک بٹھا کر کہا ہے اگر فیصلہ نہ لیا تو دو کانوں کے بیچ میں سر کر دوں گا۔" نواب صاحب رعب سے بولے تو تاج بیگم دیکھ کر رہ گئیں۔

"میاں بات ساری یہ ہے کہ کھڑا تختہ پڑا شہتر ہووے۔

شب کا بدر تولیں ہوا آفتاب صبح

لکھے گا عطا رد گرد و حساب صبح

آئینہ سوں سے زنگ کفر دور ہوتے زمانے لگتے دل میں میل آئے یا آئینے میں بال جاتا نہیں، یہ تو وہی مثل ہوگئی آرتی کے وقت سوگئے بھوک کے وقت جاگ اٹھے۔ وقت جو فصیل اٹھائے اسے کاٹے عمر نکل جاتی ہے میاں کیا سمجھتے ہو رشتوں کو مذاق ہوئے وقت کامیاب زمین کی گردش سے کیا جاتا ہے جتنے عرصے میں زمین سورج کے گرد پھرتی ہے اسے سال کہتے ہیں یہ سب جانتے ہیں مگر اس ایک برس میں جو تین سو پینسٹھ دن ہیں ان کی گنتی جب دل کو شمار کرنا پڑتی ہے تو دل جانتا ہے۔ جو دکھ دل اٹھاتا ہے اور جن مصائب سے گزرتا ہے اسے سورج نہیں جانتا مگر زمین جانتی ہے۔ یعنی کوٹھی کٹھلے کو ہاتھ نہ لگاؤ گھر بار سب تمہارا سگندھ لگاؤ تو ابھر مردوں ابھ مردوں سیتے تن ساڑھی ہار چنبل کا بھاری لگت۔ تم جانت ہو تن کی سکھواری۔ میاں رشتے ایسے نہ بنتے ہیں نا ہی نبھتے ہیں خیر سے زمانہ دیکھا ہے تم نے مانا غلطیاں بچوں سے ہی ہوئی ہیں مگر غلطیوں کی بھی کوئی حد مقرر ہے کہ نہیں؟ مانا بندہ غلطیوں سے سیکھے ہے مگر اب لگی بھی کیا حماقتیں کہ ختم ہونے میں نہیں آرہیں؟'' تاج بیگم برہم دکھائی دیں۔ نواب صاحب نے مفاہمت کو سر ہلایا۔

''آپ بجا فرماتیں ہیں اماں جان، ہم انکاری کی جرأت بھی نہیں کرسکتے۔''

''میاں سیانے کہتے ہیں اس مانس پہ، اورے بھائی جس کے دل میں سے بھلائی اس مانس کی تو کدھی نہ اپنے پاس بٹھا۔ جا اجگر دیس میں جو مانس ہو جائے گل کھیتی آگے آگے پچھلی کھیتی بھاگ جاوے جو اپنی پرچھائیں سے بھاگے اس کا کیا علاج ہووے؟ آندھی آئے بیٹھ جائے مینا آئے بھاگ جائے؟ میاں پتھر میں تخم الفت بونا آسان ہے مگر دل میں لگانا بہت مشکل۔ عمریں لگ جائیں دل جیتنے میں اور یہاں لوگ پل میں دل تار تار کر جاویں دنیا اپنا کام ڈوم ڈھاریوں کا محبت عجب چیز ہے۔ جو دل بادۂ محبت سے سرشار ہو اسے کسی اور شے کی کیا حاجت؟ اتباع اور تعلق خاطر بھی کوئی شے ہے کہ نہیں؟ آنکھوں سے اشکوں کا تار بندھنا ہم نے دیکھا ہے۔ دانت گرے اور کھر گھسے پیٹھ نہ بوجھا لے ایسے بوڑھے بیل کو کون باندھ بھس دے؟ عقل کے ناخن کوئی نہیں دیتا عقل ایک شعوری عمل ہے جو بندہ کچھ طے کرتا ہے زندگی کے تجربات سے۔ جو نہ سیکھے اسے کون پڑھائے۔ ہم نے بھی زندگی گزاری ہے۔ دستور زمانہ بھی دیکھا ہے یہ کیا کہ کنوار کا سا جھالا آیا برسا چلا گیا رشتے دودھ کا ابال نہیں جذبات سے نہیں عقل سے سنورتے ہیں۔ یہ رشتے اور مرد رشتوں کو سنبھالتا ہے عورت گھر بناتی ہے اور مرد جیون بناتا ہے اور سنبھالتا ہے گھر داری عورت کا شیوہ ہے اور گھر باندھ کر رکھنا رشتوں کو آباد رکھنا مرد کا کام۔ اب ایسے مرد کو سکھاؤ گے جسے خود اندازہ نہیں کہ کیا کھو رہا ہے۔ دھمکیوں سے گھر نہیں بستے میاں گویا سونے کی انگوٹھی پیتل کا ٹانکا ماں چھنال پوت بانکا۔'' تاج بیگم نے خوب کھری کھری سنا ڈالی۔ نواب صاحب سر جھکائے سنتے رہے قصور ان کے سپوت کا تھا۔

''اماں جان..... آپ بجا فرماتیں ہیں آپ کا غصہ جائز ہے۔ وقار الحق سے غلطیاں ہوئی ہیں مگر اب کیا حل ہے، ہم بڑے اگر ان کوتاہیوں کو نہیں سمجھیں گے یا نہیں سنواریں گے تو اور کون مدد کو آئے گا؟'' نواب صاحب نے مدہم لہجے میں کہا تو تاج بیگم نے سر ہلایا۔

''مانا بڑے سنوارنے کو موجود ہوتے ہیں مگر چھوٹے بار بار غلطیاں کرتے رہیں گے؟ سیکھنے کا عمل کیا ان کو راست نہیں کمن پھل کون سے جو پکے پہ کڑوا پھے لگیں سہاؤنے۔ گدر کریں مٹھاس، یہ تو وہی بات ہوگئی آپ ملے اس لیے دودھ برابر مانگ ملے سو پانی۔ کہے کبیر وہ رکت برابر جامیں انجا تانی، شوہر کے لیے زوجہ کے گن جاننا مشکل نہیں۔ وہ عورت کے حسن سے نہیں اس کی سیرت کا گرویدہ ہوتا ہے حسن کی کھیتی سدا ہری نہیں رہتی۔ پریتم پریم سب کے ہیں پریتم جانے نہ کو ایک بار جو تم ملے سدا آنند بھرہو۔ کبھی کبھی آموں کی مٹھاس سے دانت کھٹے ہو جاتے ہیں میاں آگ لگتا جھونپڑا جو نکلے سو لابھ۔ اللہ لکھ جو ایک ہے بیج میں پیار سے دھوکا کہیں کبیر سنو بھائی سادھو چاول ہو کہ چوکھا۔ عقل میں فتور آنے کا کوئی علاج نہیں میاں، عہد سے پھرنے والے

کوکیا کہو گے کیا دھمکاؤ گے اور کیا سزا دو گے۔ سانپ سب جگہ ٹیڑھا چلتا ہے مگر اپنی بانبی میں سیدھا جاتا ہے۔ آپ کے سپوت کی عقل ٹھکانے لگانے کی ضرورت ہے۔ ہماری پوتی کا آٹھ آٹھ آنسو رلایا ہے، بہتا پانی نہ ملا اور بندھا گندھلا ہوئے سادھو جاں رہتا بھلا واگ نہ لاگے کوئے آپ کا سونا کھونا ہے میاں بجا نقارہ کوچ کا اکھڑن لاگی میخ۔ چلنے یارے چل بسے کھڑا ہوا تو دیکھ سہانے کہتے بیری لاگے ہاتھ تو چھوڑ نہ لے کر مال اس کی جڑ کو مول ہی باہر پھینک نکال آسمان میں تھگل لگنے کا مطلب جانتے ہو میاں جو آپ کے سپوت نے کیا اس نے ہمارے خاندان کی عزت و ناموس پر بٹہ لگانے کے سوا اور کچھ نہ کیا۔ خوب جگ ہنسائی کرائی۔ لوگ ہنستے ہیں منہ جوڑ جوڑ کر باتیں کرتے ہیں۔ چلو یہ بھی مان لیا کہ دنیا کا کام ہے یہ مگر اس بچاری بچی کے دل پر جو بیتی اس کا کیا سدباب ہے؟ آدمی جانے بسے سونا جانے کسے۔ کچھ تو لگام رکھی ہوتی اپنے سپوت پر۔“ تاج بیگم بے حد برہم دکھائی دیں نواب صاحب نے گہری سانس خارج کی۔

”آپ کی باتوں سے انحراف نہیں کرسکتا اماں جان۔ آپ کی سمجھ بوجھ کے آگے ہم چھوٹے ہیں مگر بچے ہیں، ہم فقط سمجھا سکتے ہیں آپ دل بڑا کریں وقار الحق کی غلطیوں کو معاف کردیں، فاطمہ بیٹی کو ہمارے ہمراہ جانے کی اجازت دیجیے۔“ نواب صاحب نے منت کی۔ تاج بیگم نے سرنفی میں ہلادیا۔

”نہیں میاں...... اب اس طرح نہیں ہوگا۔ ناک کی لکیریں نکالنا پڑیں گی۔ آپ کی عزت کرتے ہیں، ہم اپنے سپوت کو بھجوایئے۔ ہم ان سے بات کریں گے۔ آپ بھلے بندے ہیں آپ کو سنانے سے کیا حاصل؟ ہماری پوتی کوئی لکی ارزاں نہیں اس کا اندازہ آپ کے سپوت کو بھی ہونا ضروری ہے۔ آج اگر انہیں اپنی زوجہ کی قدر نہ ہوئی تو پھر کبھی نہ ہوگی۔ ان کی عقل ٹھکانے لگانا ضروری ہے۔ فاطمہ معصوم ہے وہ معاف کردے گی مگر آپ کے سپوت کی عقل کے در وا ہونا بھی ضروری ہیں۔ ہوش ٹھکانے لگیں گے تو ہی ہم فاطمہ بی بی کو ان کے ہمراہ رخصت کرنے کا فیصلہ لیں گے۔ ورنہ ہم پر ان کی دو روٹیاں بھاری نہیں۔ بیٹیاں بوجھ نہیں ہوتیں، آپ کی کوئی بیٹی ہوتی آپ نے اس کے بہتے آنسو دیکھے ہوتے تو آپ کو اندازہ ہوتا۔“ تاج بیگم نے کھری کھری سنانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی، نواب صاحب سر جھکا گئے۔

”اماں جان ایسا مت کہیے، ہم نے فاطمہ بیٹی کو ہمیشہ اپنی بیٹی سمجھا ہے، ہم یہاں موجود ہیں تو اس بات کی گواہی ملتی ہے کہ ہم فاطمہ بیٹی کے دکھ سے واقف ہیں اور ان کے حمایتی بن کر آئے ہیں۔ ہم خود وقار الحق کو سزا دیں گے وہ فاطمہ کے قصوروار ہیں، ہم اس بات سے انکاری نہیں۔“ نواب صاحب نے کہا تو تاج بیگم خاموشی سے دیکھنے لگیں۔

”جو بھی ہے نواب صاحب سبق ملنا ضروری ہے۔“ تاج بیگم نے فقط یہی کہنے پر اکتفا کیا اور نشست برخاست کردی۔ نواب صاحب چپ چاپ اٹھ کھڑے ہوئے۔



”کوئی کیسے جلتا ہے، قطرہ قطرہ پگھلتا ہے اس کی خبر کسی کو نہیں ہوتی محترم پنکج۔ دنیا تماشائی ہے، بس تماشا دیکھتے ہیں، سب کسی کو مرہم جوئی آتی ہے نا دل جوئی۔ ہاں کسی کو کسی کی نہیں پڑی۔ سب اپنی اپنی جیتے ہیں۔“ جنت بی بی نے بہت افسردہ لہجے میں کہا تو پنکج مسکرادیے۔

”کبھی آئینہ دیکھا ہے آپ نے محترمہ؟“ ان کی بات پر جنت بی بی چونک کر انکو دیکھنے لگیں تو پنکج مسکرادیے۔

”خود پر نگاہ کیجیے آپ کا حسن کیا دلربا ہے، اس دلربائی کی چاشنی کو ایسے بیکار میں مت ضائع کیجیے کسی کا ہاتھ تھام لیجیے دنیا ایک فرد پر ختم نہیں ہوتی۔ اسے اپنی راہ پر جانے دیں، آپ اپنی راہ پر چلیں۔ کبھی کبھی یہی بہتر ہوتا ہے کہ وقت جو چاہتا ہے اسے وہ کرنے دیا جائے۔“ پنکج نے مخلصانہ مشورہ دیا تو جنت بی بی کے لبوں کو پھیکی سی مسکان نے چھوا۔

”کاش یہ سب اتنا آسان اور سہل ہوتا جتنا کہنے میں ہے۔“ ان کا لہجہ بھی بے بسی لیے ہوئے تھا۔

دکھائی دیے یوں کہ بے خود کیا
ہمیں آپ سے ہی جدا کر چلے

"عشق میں تدبیروں کا کوئی کام نہیں ہوتا محترم پنکج۔ عشق میں تقدیروں کا بھی کوئی دخل نہیں ہوتا۔" اپنی بات کے اختتام پر وہ طنز سے مسکرائیں۔ ان کی صراحی دار گردن میں چمکتا ہار اپنی آب و تاب سے ان کا غرور اور بڑھا رہا تھا۔ ان پر یہ ناز یہ ادا سجتی تھی۔ پنکج نگاہ ہٹا گئے۔

"آپ ہماری بات مان لیجیے کوئی بھلا انسان دیکھ کر جیون کی گاڑی کو آگے بڑھائیں۔ کیا رکھا ہے ان منفی باتوں میں؟ دل جلانے والی بات ہے ناں؟ آپ جتنا سوچیں گی اس قدر خون جلائیں گی۔" پنکج نے سمجھایا تو وہ ہنس دیں۔

آگ تھے ابتدائے عشق میں ہم
اب جو ہیں خاک انتہا ہے یہ

ان کی آنکھیں بجھی بجھی سی تھیں۔ پنکج کو ان پر ترس آیا۔

"ایسا ظلم نہ کیجیے خود پر خود کو سزا دینا واجب نہیں۔" اور وہ ہنس دیں۔ ایک کھوکھلی ہنسی۔ پنکج چپ چاپ ان کو تکتے رہے۔

"پنکج محترم زندگی کے رستے اور ہیں اور عشق کے اور۔ عشق سے کون کہے کہ اور مجھے برباد کر۔ عشق تو خود آپ تباہی لاتا ہے اور لطف ہے اس بربادی میں۔ ہم نے چکھا ہے یہ مزہ۔ برباد ہو کر دیکھیے اور جانیے کیا مزہ ہے اس برباد ہونے میں۔

وفائی پہ تیری جی ہے خدا
قہر ہوتا جو با وفا ہوتا"

وہ مشروب کا گلاس اٹھا کر بولیں۔

"میر کو ان کے دکھوں کے ساتھ چھوڑ دیجیے جنت بی بی۔ اتنی سندر لڑکی کو غموں سے دور لے جائیے اس زخمی پرملال ہنسی کی جگہ ایک تر و تازہ ہنسی آپ کے لبوں پر کھلے گی تو آپ کی دلربائی اور بڑھ جائے گی۔" پنکج مشورہ دیتے ہوئے بولے۔ جنت بی بی مسکرا دیں۔

"ایسا نہیں ہوتا پنکج محترم۔ عشق ایسا لاچار نہیں کھیل ہے جانا مگر دلچسپ بھی ہے اور ابھی تو دلچسپی بڑھنے لگی ہے اس دلچسپی سے لطف تو لینے دیجیے کتنے وار سہے ہیں زخم کھائے ہیں اب ایسا لطف آیا ہے تو جانے دیں اپنے زخموں سے خون رستا دیکھنا ایک پُرلطف امر ہے۔ ان زخموں کو کریدنا اور سکون دیتا ہے ہم چاہتے ہیں یہ زخم ہرے رہیں اس لیے ہم بربادی کا کھیل کھیل سکیں اور عشق کو ٹھکانے لگا سکیں۔ عشق نے بغاوت کی ہے اب لازم ہے کہ عشق کو مزہ چکھا دیا جائے۔ عشق توبہ نہ کرے یہ ممکن نہیں۔" وہ پُرسکون انداز میں مسکرائیں پنکج انہیں دیکھتے رہ گئے تھے۔



وقار الحق نے گہری سانس خارج کی اور فاطمہ بی بی کو دیکھا جو باورچی خانے میں کھڑی ملازمہ کو کھیر بنانے کی ہدایت دے رہی تھیں۔

"ہمیں آپ سے بات کرنا ہے فاطمہ۔" وقار الحق نے مدہم لہجے میں کہا۔ فاطمہ بی بی نے ان کی طرف دیکھا اور سر ہلایا تب ہی ہاجرہ اماں باورچی خانے میں داخل ہوئیں۔

"ہمارے سپوت آج باورچی خانے میں؟ کسی شے کی ضرورت ہے نواب زادہ صاحب تو ہم سے کہا ہوتا آپ نے خود کیوں زحمت کی۔" ہاجرہ اماں نے محبت سے کہا تو وقار الحق شرمندہ ہو گئے ہاجرہ اماں انہیں بغور دیکھتے ہوئے مسکرائیں۔

"اچھا تو آپ بہو بیگم کی مدد کو آئے ہیں۔ اس سے قبل تو آپ کو باورچی خانے کی سمت بھی یاد نہ تھی غالباً؟" ہاجرہ اماں

مسکرائیں اور وہ خجل سے ہو کر رہ گئے۔ فاطمہ بی بی کو ان کی کیفیت پر ترس آیا اس لیے فوراً بولیں۔

"کیسی بات نہیں ہاجرہ لماں دہ دراصل ہم نے ایک کتاب لی تھی نواب چچا کے کتب خانے سے انہی کی بابت پوچھنے آئے تھے وقارالحق۔" فاطمہ بی بی نے بروقت بہانہ تراشا تو وقارالحق نے بھی سر ہلایا۔

"جی ہاجرہ اماں...... ہم اسی بابت پوچھنے آئے تھے۔" فاطمہ بی بی کی نگاہ ان سے ملی۔ وقارالحق نے نظروں ہی نظروں سے شکریہ ادا کیا۔ فاطمہ بی بی نے سر ہلایا۔ ہاجرہ اماں مسکرادیں۔

"بیوی کی مدد کو آنا کیا غلط ہے میاں۔ اپنی زوجہ کی مدد نہ کرو گے تو کس کی کرو گے۔ اچھے خاوند وہ ہوتے ہیں جو زوجہ کے ساتھ ہاتھ بٹائیں ایک راز کی بات بتاتے ہیں۔" ہاجرہ اماں نے اِدھر اُدھر دیکھ کر تسلی کی اور بولیں۔

"آپ کے ابا حضور بھی آپ کی اماں حضور کی مدد کے لیے اکثر باورچی خانے کا رخ کرتے تھے اور کئی بار تو برملا ان کو آپ کی امی جان کے ساتھ کفگیر چلاتے ہم نے خود دیکھا کھیر پکانے میں ایسے ماہر یونہی تو نہ ہوئے آپ کے ابا حضور۔" ہاجرہ اماں نے مسکراتے ہوئے کہا تو وقارالحق چونکے۔

"ابا حضور نے کھیر پکانا امی جان سے سیکھا؟" ہاجرہ اماں مسکرائیں۔

"تو اور کیا؟ آپ کے ابا حضور نے دال گلانا بھی آپ کی امی حضور سے ہی سیکھا ہے آپ کو سیکھنا ہے تو بہو بیگم کی رہنمائی لیجیے ہم باورچی خانے کو اضافی لوگوں سے خالی کرا دیتے ہیں۔" وقارالحق ہاجرہ اماں کی شرارت سمجھ کر خجل ہو گئے۔

"ہاجرہ اماں اب ایسے کان مت کھینچیے ناں۔" وقارالحق منمنائے۔ مسکراہٹ فاطمہ بی بی کے لبوں کو چھو گئی۔ وقارالحق کی نظریں ان لبوں کی ہنسی پر جا ٹکیں۔ ہاجرہ اماں ہنس دیں۔

"فاطمہ بچی اپنے خوبرو انگلستان پلٹ شوہر کو لے کر اس باورچی خانے سے باہر تشریف لے جایئے ورنہ دیکھنے والے ان کو آپ کا شوفر سمجھ لیں گے۔" ہاجرہ اماں نے ہنستے ہوئے کہا۔ فاطمہ بی بی اپنی مسکراہٹ چھپانے کو رخ پھیر گئیں۔ وقارالحق شرمندہ سے دکھائی دیے۔

"آپ دعا کیجیے ہماری دال گل جائے ہاجرہ اماں فی الحال اس کے آثار دکھائی نہیں دے رہے۔" وقارالحق نے فاطمہ بی بی کی سمت دیکھتے ہوئے کہا۔

"اللہ آپ کی دال گلنے میں مدد دے۔ بہو بیگم اپنے خاوند کو یہاں سے ہاتھ پکڑ کر لے جایئے اور ان کی دال گلا دیجیے ورنہ افسردہ سے یہیں باورچی خانے میں کھڑے رہیں گے۔" ہاجرہ لماں کے ہنسنے پر وقارالحق حواس باختہ ہوئے اور فاطمہ بی بی کا ہاتھ تھام کر ان کو لے کر چلتے بنے۔ فاطمہ بی بی ان کی اس حرکت پر انہیں دیکھتی رہ گئیں۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہیں فی الحال آپ کے خاوند ہی شمار ہوتے ہیں۔"

"ہم نے اس پر اعتراض نہیں کیا۔" فاطمہ بی بی شرمندہ ہوئیں۔

"تو پھر کس شے پر اعتراض ہوا آپ کو؟" وقارالحق نے خجلت مٹانے کو گھورا۔

"ہمیں اعتراض کسی بات پر نہیں ہوا مگر تھوڑا شرمندہ ہوئے جب آپ ہاتھ تھام کر باورچی خانے سے لے آئے ہاجرہ لماں کیا سوچتی ہوں گیں اور دیگر ملازمین۔" فاطمہ بی بی مدہم لہجے میں بولیں۔ وقارالحق نے انہیں بغور دیکھا۔ اس چہرے پر پہلے والی کشش تھی جو اپنے ہمراہ باندھے لیے وقارالحق کی توجہ ان کے چہرے پر ٹک گئی تھی۔

"آپ کو مسکراتے دیکھا آج شاید کئی دنوں بعد مسکرائیں ہمیں آپ کو آگاہ کرنا تھا کہ آپ کے چہرے کی دلکشی اس ایک مسکراہٹ سے کئی گنا بڑھ گئی تھی اس لیے ایسی مسکراہٹ پر قدغن مت لگایئے۔ کھل کر مسکرایئے۔" وقارالحق نے کہا تو وہ چونک کر دیکھنے لگیں۔ پھر نظریں ان کی نظروں سے ملنے پر فوراً نگاہیں پھیر لیں۔

"آپ کو کچھ پوچھنا تھا؟" فاطمہ بی بی نے یاد دلایا۔
"ہاں...... یاد آیا...... کوئی کام تھا شاید" وہ بے حد کھوئے کھوئے دکھائی دیے۔ فاطمہ بی بی چونکیں۔
"خیریت...... کوئی مشکل ہے کیا؟" وقارالحق نے گردن ہلائی۔
"کسی مشکل تو نہیں مگر شاید آپ واقف نہیں کل ابا حضور آپ کی دلوی جان سے ملنے گئے تھے اور ان کا مقصد آپ کو اس گھر میں واپس لانا تھا مگر دلوی جان کا ازلی غصہ عود کر آیا اور انہوں نے آپ کو بھجوانے سے انکار کردیا۔" وقارالحق نے مدعا کہہ سنایا۔
فاطمہ بی بی حیرت میں مبتلا ہوئیں۔
"ہمیں اس کے متعلق کوئی خبر نہیں ہوئی مگر دلوی جان کے فیصلے کی قدر کرتے ہیں۔ انہوں نے اگر ایسا کہا تو کچھ سوچ سمجھ کر ہی کہا ہوگا۔" وہ دلوی جان کے فیصلے کے حق میں بولتیں دکھائی دیں تو فقط گہری سانس لے کر رہ گئے۔
"آپ پریشان دکھائی دے رہے ہیں جبکہ آپ نہیں چاہتے تھے کہ اس رشتہ کا دوبارہ آغاز ہو۔ کیا آپ کا فیصلہ یہ نہ تھا۔" فاطمہ بی بی نے ان کی سمت دیکھے بنا پوچھا۔ وقارالحق نے بغور انہیں دیکھا پھر ہاتھ بڑھا کر ان چہرہ چھوا تو فاطمہ بی بی انہیں دیکھنے لگیں۔
"آپ اس طرح بھی بات کرسکتی ہیں پُر اثر رہے گی۔" وقارالحق کی حرکت پر وہ خجل سی ہوئیں۔ بے ارادہ خود کو دو قدم دور کیا۔ وقارالحق ان کی ہر حرکت پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ وہ جھجکتی دکھائی دیں۔
"ہم دلوی جان کے مزاج کو جانتے ہیں فاطمہ، ان کا غصہ بجا ہے انہوں نے جو کہا اور کیا وہ ایک ردعمل ہے اور ہم ان کے خلاف نہیں جاسکتے۔ انہوں نے جو کہا وہ درست ہے۔" وقارالحق نے فاطمہ بی بی کی ہچکچاہٹ کو دیکھتے ہوئے موضوع بدل دیا۔
"ہم چلتے ہیں۔" فاطمہ بی بی نے کہا اور مڑیں وقارالحق نے بے اختیار روکا۔
"فاطمہ......" فاطمہ بی بی نے پلٹ کر دیکھا، وہ دانستہ ان سے نگاہ ہٹا گئے اور مدہم لہجے میں بولے۔
"کچھ دیر رک جایئے ہم آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔" وقارالحق نے مدعا عرض کیا۔ فاطمہ بی بی خاموشی سے ان کی سمت دیکھنے لگیں۔ ان کی آنکھیں سوالیہ تھیں مگر وقارالحق نے وضاحت نہ دی۔ فاطمہ بی بی مناسب نہ لگا فوری وہاں سے چلیں جائیں اس لیے سر جھکا کر بولیں۔
"ٹھیک ہے ہم یہیں ہیں آپ کہیے سن رہے ہیں ہم۔" فاطمہ بی بی ان کی بات سننے پر مائل ہوئیں تو وقارالحق کی آنکھوں میں اطمینان دور تا دکھائی دیا۔
"شکریہ۔" انہوں نے رکنے اور مان رکھے جانے پر باقاعدہ شکریہ ادا کیا۔ فاطمہ بی بی نے سر ہلا دیا۔ وقارالحق خاموشی سادھ گئے۔ فاطمہ بی بی منتظر دکھائی دیں۔
"فاطمہ...... کبھی کبھی دل چاہتا ہے ایک طویل سفر کی تھکان اتارنے کو رک جاؤں۔ سفر موقوف کردوں، قدم روک لوں مگر پھر سوچتا ہوں کس حق سے رکوں اور کس منہ سے ستاؤں، ہم نے کچھ اچھا نہیں کیا کہ ہم آپ پر کوئی حق جتائیں یا آپ کی توجہ کے طالب بنیں۔ ہم نے فقط غلطیاں کی ہیں، حماقتیں کی ہیں، ہمیں کوئی حق نہیں کہ ہم کوئی سوال کریں۔" وہ تذبذب کا شکار دکھائی دیے۔ فاطمہ بی بی نے نگاہ اٹھا کر انہیں خاموشی سے دیکھا۔ وہ بنا ان کی سمت دیکھے کہہ رہے تھے۔
"ہم خود غرض نہیں فاطمہ...... ہم ایسی سنگین غلطیاں کر کے کوئی حمایت یا رعایت کے خواہاں بھی نہیں۔ ہم معافی کے طلب گار ہیں نا کوئی نظر ثانی چاہتے ہیں۔ ہم شرمندہ ہیں...... بے حد شرمندہ اور اس کے علاوہ کچھ نہیں چاہتے۔ آپ اپنے فیصلے اپنی پوری عقل اور دل سے کریں۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ وہ کریں جو آپ کا دل کہتا ہے، ہم خود غرض نہیں ہیں۔ زندگی نے ہمیں کئی مواقع دیے ہیں۔ ہم نے خود زندگی کو کوئی موقع نہ دیا۔ ہماری نیت اور ارادہ کچھ بھی تھا مگر غلطیاں بہرحال غلطیاں ہیں۔" وہ کہہ کر

خاموش ہوگئے۔فاطمہ بی بی ان کے بولنے کی منتظر رہیں۔وقارالحق کچھ نہ بولے تو وہ گویا ہوئیں۔
"آپ کو اپنے فیصلوں کے ہمراہ چلنا چاہیے بنا کسی پچھتاوے کے، ہم نہیں چاہتے کہ آپ اپنے فیصلوں کے خلاف جائیں۔بنا کسی منفی سوچ کے کہ آپ نے کچھ غلط کیا۔" فاطمہ بی بی نے مدہم لہجے میں کہا تو وقارالحق نے گہری سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔
"فاطمہ.....ہمیں غلط مت سمجھیے گا ہم جو کر رہے ہیں اپنے لیے نہیں،ہم اپنی غرض کو اہمیت نہیں دینا چاہتے۔قسمت نے جو کیا یا زندگی نے جو دیا ہم نے اس کو اپنا حصہ سمجھ کر وصول کیا ہے۔" وہ افسردہ دکھائی دیے۔آنکھوں میں پھیلتی بے چینی واضح تھی۔
"آپ کو لگتا ہے اگر وہ فقط قسمت کا کھیل تھا تو پھر کوئی افسوس نہیں ہونا چاہیے۔" فاطمہ بی بی نے انہیں تسلی دی۔وقارالحق خاموش ہوگئے،خاموشی دونوں کے درمیان پھیلنے لگی وہ بہت شکستہ دکھائی دیے۔فاطمہ بی بی کو سمجھ نہ آیا کہ کیا کہیں اس لیے جنت بی بی کے متعلق پوچھ لیا۔
"جنت بی بی کیسی ہیں؟ آپ نے ان کی طرف سے منہ کیوں پھیر لیا محبت کے ہوتے ہوئے یہ ناانصافی نہیں؟" ان کے پوچھنے پر وقارالحق چونکے۔
"کیسا سوال ہے یہ کیا.....آپ جنت بی بی کے کیس سے واقف نہیں؟"
"تو کیا اس سے محبت ختم ہو جاتی ہے؟" فاطمہ بی بی نے عجب سوال کیا۔وقارالحق انہیں دیکھ کر رہ گئے پھر مدہم لہجے میں بولے۔
"ہم اس متعلق آپ کو آگاہ کر چکے ہیں۔" ان کا لہجہ پُرسکون تھا۔
"محبت ایسے ختم ہو جاتی ہے کیا؟ محبت کا دل تو مہربان ہوتا ہے ناں،معاف کر سکتا ہے۔کیا آپ جنت بی بی کی خطا سے درگزر نہ کر سکے؟" فاطمہ بی بی کی باتیں وقارالحق کی سمجھ سے باہر تھیں مگر وہ قطعاً برہم نہ ہوئے۔
"ہم نہیں جانتے وہ محبت تھی کہ کیا تھا۔" ان کا لہجہ پُرسکون تھا۔فاطمہ بی بی جانے کیوں مسکرادیں مگر وہ مسکراہٹ بہت پھیکی تھی۔
"آپ کیا سمجھتی ہیں؟" وقارالحق نے فاطمہ بی بی کی رائے چاہی،فاطمہ بی بی نے شانے اچکا دیے۔وہ ان کی بے خبری پر پھیکے سے انداز میں مسکرا دیے۔
"محبت کا کوئی سچ جھوٹ نہیں ہوتا فاطمہ،محبت بس محبت ہوتی ہے۔" انہوں نے جتایا۔وہ خاموش رہیں۔
"محبت کا اگر کوئی سچ تھا تو وہ یہ تھا کہ آپ جنت بی بی سے محبت کرتے تھے اور اسی کے ہمراہ چل دیے،پھر شاید حالات بدل گئے اور آپ کو لوٹنا پڑا مگر ہمارا سچ یہ ہے کہ ہم آپ سے واسطہ ختم کرنا نہیں چاہتے رشتہ رہے نہ رہے مگر ہم آپ کے نکاح میں رہنا چاہتے ہیں۔" فاطمہ بی بی نے مدعا کہہ دیا۔
"اس رشتے کا کیا معنی رہے گا فاطمہ بی بی جب آپ ہمارے ہمراہ رہنا نہیں چاہیں گی؟" وقارالحق نے جتایا۔
"آپ کے ہمراہ رہنا ممکن ہی کب رہا ہے ہمارے لیے آپ نے آتے ہی جتا دیا کہ آپ ہمیں آزاد کرنے کی غرض سے آئے ہیں تو کیا باقی بچتا ہے پھر کوئی حوالہ ہمارے درمیان جب سانس بھی نہیں لیتا تو پھر کس کے متعلق احساس پھیلتے ہیں بے حسی کی فضا میں محبت سانس نہیں لیتی وقارالحق،محبت کے سانس لینے کے لیے محبت کی فضا ضروری ہوتی ہے۔" فاطمہ بی بی نے آہستگی سے جتایا۔وقارالحق دیکھ کر رہ گئے کچھ لمحے خاموش رہے پھر قدرے توقف سے بولے۔
"ہم آپ کو تنہا نہیں چھوڑ سکتے،نا تنہا دیکھ سکتے ہیں۔کبھی کبھی کسی کو قصداً چھوڑنا پڑے تو حالات کیسے جان کو آتے ہیں یہ علم نہیں تھا مگر یہ قصداً چھوڑنا بھی جیسے ناگزیر ہو۔" وقارالحق کا لہجہ مدہم سرگوشی کا سا تھا فاطمہ بی بی خاموش رہیں۔

"محبت کا اگلا پڑاؤ فقط جدائی ہوتو محبت پر لازم ہے کہ رخت سفر باندھ لے اور اپنی محبت کی پیشانی پر لب رکھ دے کہ محبت کا کوئی کنارہ نہیں ہے۔ نا ہی کوئی اختتام ہے اگر ہے تو بس ایک اتھاہ سمندر ہے اور بس یہی محبت ہے۔" وقار الحق کا مدھم لہجہ فضا میں ابھرا۔ فاطمہ بی بی کے اندر سے جیسے کسی نے روح کھینچ لی ہو بے چینی ان کی آنکھوں سے چھلکنے لگی۔ وقار الحق مسکرا دیے۔

"فاطمہ..... آپ کو خوش دیکھنا ہماری زندگی ہے، ہم آپ کو تنہا چھوڑ نہیں سکتے۔ ہم چاہتے ہیں آپ زندگی کو جئیں۔" وقار الحق کے الفاظ بے معنی نہ تھے مگر فاطمہ بی بی نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"ہم آپ کے بنا آپ کے علاوہ کوئی انتخاب ضروری نہیں سمجھتے۔ ہم نے ترجیحات کو اپنا پابند رکھا ہے اور خواہشات کو محدود۔ ہماری زندگی کسی ایک ذکر پر سمٹ جاتی ہے اور پھیلاؤ اگر ہے تو فقط ایک سوچ سے آگے نکلتا نہیں، اس لیے کسی ایک خیال سے ہٹ کر کیا دیکھیں؟" فاطمہ بی بی مدھم لہجے میں دریافت کررہی تھیں مگر وقار الحق نے فوری طور پر کوئی جواب نہ دیا۔ فاطمہ بی بی سر جھکائے ان کے بولنے کی منتظر رہیں، وہ خاموش رہے تو خود گویا ہوئیں۔

"محبت میں وہ مقام بھی آتا ہے جب محبت کے سہارے جیا نہیں جاسکتا، محبت کے ساتھ جیا جاسکتا ہے، ہماری محبت آپ سے ہے اور آپ کی محبت مثلث ٹوٹتی نہیں اور رشتے بنتے نہیں۔ بس ایک دوسرے کے سنگ جڑے ہیں اور اس طرح جڑے رہنے کا کوئی معنی نہیں۔" ان کا لہجہ بجھا بجھا سا تھا۔ وقار الحق نے انہیں بغور دیکھا۔

"رحمت سنگھ....." کچھ کہنے کے لیے لب وا کیے مگر اسی قدر کہہ سکے فاطمہ بی بی چونکیں اور وقار الحق کی سمت دیکھا وہ متوجہ دکھائی نہ دیے۔

"کیا مطلب رحمت سنگھ؟" فاطمہ بی بی نے پوچھا مگر وقار الحق خاموش رہے۔

"آپ کیا کہنا چاہتے ہیں اس نام کو پکارنے سے کیا مقصد ہے آپ کا؟" وہ الجھیں مگر وقار الحق پُرسکون بیٹھے رہے۔

"آپ کیا سوچ رہے ہیں شک کررہے ہیں ہم پر؟" فاطمہ بی بی کا لہجہ بکھرتا گیا۔ وقار الحق نے ان کی طرف دیکھا ان کا ہاتھ تھام کر استحقاق سے قدرے قریب کیا پھر ان کی پیشانی پر آہستگی سے لب رکھ دیے۔ فاطمہ بی بی کے لیے یہ انوکھی بات تھی۔ وہ سر اٹھا کر حیرت سے ان کی سمت دیکھنے لگیں کچھ سمجھ نہ پائیں، سوالیہ نظروں سے وقار الحق کو دیکھتی رہیں مگر انہوں نے اطمینان سے سر نفی میں ہلا دیا، انداز سرسری تھا جیسے یہ کوئی معمول کی بات ہو اور فاطمہ بی بی نگاہ پھیر گئیں، انداز میں الجھن صاف نمایاں تھی۔

"کیا سوچتے ہیں آپ ہمارے بارے میں؟" وہ بکھرے لہجے میں گویا ہوئیں، وقار الحق نے انہیں بے ساختہ تھام کر قریب کیا اور ان کی آنکھوں میں جھانکا۔

"شک کررہے ہیں ہم پر؟" فاطمہ بی بی نے تڑپ کر پوچھا۔

"نہیں۔" وقار الحق نے مختصر جواب دیا مگر فاطمہ بی بی کی جیسے تسلی نہ ہوئی۔

"کس نے یہ سوچ آپ کے دماغ میں ڈالی، اگر آپ کچھ ایسا ویسا سوچ رہے ہیں تو سن لیجیے اس بات کا کوئی تصور نہیں۔" ان کی بات مکمل ہونے سے قبل وقار الحق نے ان کے لبوں پر اپنی شہادت کی انگلی رکھ دی۔ گداز لب ساکت ہوگئے مگر آنکھیں چمکنے لگیں اور تو لب ذرا تو وقار الحق اسی قدر سکون سے گویا ہوئے۔

"ہم ایسا کچھ نہیں سوچ رہے فاطمہ ناظم الدین، ہماری سوچ ایسی محدود نہیں آپ کے دامن پر داغ لگانے سے قبل ہم مرنا چاہیں گے ہم آپ کے وقار آپ کے تشخص کی قدر کرتے ہیں۔ آپ بہت باوقار لڑکی ہیں اور آپ کی عزت ہمارے لیے بہت معنی رکھتی ہے۔ ہم آپ کو کسی کے ہمراہ جوڑ نہیں رہے مگر ہم نے بس یونہی سوچا کہ آپ ایک باکردار لڑکی ہیں، ہماری زوجہ نہ ہوتیں تو بھی ایسی ہی باکردار، باوقار ہوتیں اور ہم ہر بار عشق کرنے کا قصد کرتے تو فقط آپ سے کرتے۔ اگر ہم کسی سے دوبارہ عشق کرسکتے ہیں تو وہ آپ ہیں..... آپ کے بعد کیرے مسلسل اور ہمیشہ آپ ہماری سوچوں میں رہتی ہیں اور اس کے علاوہ ہم کسی

بچ سے واقف نہیں ہیں۔" وقارالحق نے آہستگی سے کہا۔ فاطمہ بی بی ان کی اس درجہ قربت پر بوکھلائیں نہیں‘ ان کے الفاظوں نے ان کو حیرت میں مبتلا نہیں کیا‘ بس چپ چاپ انہیں دیکھتی رہیں۔ وقارالحق کے انداز میں یک دم تعرض ابھرا اور وہ دانستہ دھیان پھیر کر دور ہوگئے۔ دانستہ اجنبی ہوئے اور فاطمہ بی بی کا ہاتھ آہستگی سے چھوڑ دیا۔ فاطمہ بی بی نے اپنے ہاتھ کو دیکھا وقارالحق کا لمس جلتا ہوا محسوس ہوا۔

"کیا ہے یہ سب وقار؟ ہاتھ چھڑانا ہے تو اس لمس کو بھی ساتھ لے جائیں‘ اس کو جلنے کو یہاں باقی کیوں چھوڑ دیا؟" بے دھیانی میں کہہ کر ہاتھ کو آنکھوں کے قریب کرکے بغور دیکھا پھر اپنے ہاتھ سے اپنے دوسرے ہاتھ کو چھوا۔

"دیکھو کیسا انگارہ ہے شاید تمہارا لمس‘ ہمیں ابھی سے دہکانے لگا ہے۔ آپ چلیں جائیں گے تو یہ لمس تو ہمیں خاکستر کردے گا۔" عجب کھوئے ہوئے انداز میں وہ بولیں۔ وقارالحق بے قراری سے انہیں دیکھنے لگے پھر نگاہ پھیر گئے۔

"رجت سنگھ اچھے انسان ہیں فاطمہ ناظم الدین‘ ہم نے ان کی نگاہوں میں جو دیکھا ہے۔ وہ ہمارے جاننے کو کافی ہے کہ وہ آپ کا ہاتھ تھام کر اگر چلیں گے تو کبھی ٹھوکر نہ لگنے دیں گے۔ آپ ان کا ہاتھ تھام لیجیے‘ ان کے متعلق غور کیجیے‘ ہمیں یقین ہے کہ آپ کا دل رضامند ہوجائے گا۔ وہ ایک اچھا ہم سفر بننے کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہیں۔" وقارالحق نے بلاآخر مدعا کہہ سنایا اور فاطمہ بی بی ساکت سی انہیں دیکھتی رہ گئیں۔

"ہم آپ کی خیر خواہی چاہتے ہیں فاطمہ‘ ہم اگر آپ کے ہمراہ نہ بھی ہوں تو آپ کو ہمیشہ خوش دیکھنے کے خواہاں رہیں گے۔" نواب زادہ وقارالحق نے یقین دلایا۔

"آپ کی خوشیوں کی جو ترجیحات مقرر ہیں وہ ہماری ترجیحات سے کہیں مختلف ہیں نواب زادہ وقارالحق۔ ہم آنکھیں بند کرکے آپ کی ترجیحات کے پیچھے نہیں چل سکتے۔" وہ وہاں سے چلی گئیں‘ وقارالحق کی بے چینیاں بڑھنے لگی تھیں۔



"کہاں غائب ہو آج کل؟" دادی جان نے ریحان میاں کو بغور دیکھا۔ وہ جو الماری سے کچھ نکال رہے تھے چونک کر رکے اور چہرے کی رنگت قدرے متغیر ہوئی اس لیے فوری طور پر دادی جان کا سامنا نہ کیا۔

"کیا چھپا رہے ہو‘ پرانے کرتوتوں پر لوٹ گئے کیا‘ جو چھپانے کی ضرورت پڑگئی؟ جس دن سے آگ لگی تھی اس کے بعد سے ریحان میاں نے دادی جان کا سامنا نہ کیا تھا مگر تاج بیگم بھی زیرک تھیں۔ ریحان میاں نے اپنی حالت پر قابو پایا اور پلٹ کر دیکھے بنا ہنس دیے۔

"دادی جان کرتوتوں کو کیا چھپانا ہے۔ اماں نے یہ حلوہ بھجوایا تھا اب رمضان کے مہینے میں سب کے سامنے تو کھانے سے رہے۔ اس لیے یہاں الماری میں چھپا دیا کہ کبھی نظر بچا کر چکھ لیا کریں گے۔ ابھی بھی کوئی کمرے میں نہ تھا تو ڈبہ نکال کر ذرا خوش بو سونگھ لی۔ نیت خراب نہیں کرنی اس لیے ڈبہ واپس رکھ رہے تھے تو آپ نے آن لیا۔" ریحان میاں نے بات سنبھال کر ڈبہ دادی جان کے سامنے کردیا‘ وہ بغور دیکھنے لگیں۔

"حج‘ نماز‘ روزہ سے تجھے کیا واسطہ میاں؟ یہ تیور کب سے اپنا لیے؟" چہرہ بغور جانچا۔ ریحان میاں پُرخجالت سے ہنسے۔

"مانا گناہ گار ہیں دادی جان مگر کبھی تو اللہ یاد آجاتا ہے۔ روزہ رکھ نہیں سکتے مگر احترام تو کرتے ہیں ناں؟ افطار میں وقت ہے۔ زور کی بھوک میں اب کیا کرتے؟" ریحان میاں نے خود کو معصوم ثابت کرنے کی حد کردی۔ دادی جان نے فقط خاموشی سے دیکھا اور ان کے ہاتھ سے حلوے کا ڈبہ لے کر دیکھا۔ حلوہ تو وہاں موجود تھا مگر اس شخص کے تیور وہ خوب جانتی تھیں۔

"جس دن گھر میں آگ لگی آپ کہاں تشریف فرما تھے؟" دادی جان نے پوچھا۔ انداز تفتیش والا تھا۔ ریحان میاں نے چونکنے کی اداکاری کی۔

"گھر میں آگ لگی، یہ کب ہوا ہم تو لکھنو گئے تھے ناں اس رات۔"

"کس رات؟" دادی جان نے کریدا۔ ریحان میاں کھسیانے سے ہنسے۔

"بھول گئیں آپ آپ کو بتا کر تو گئے تھے دادی جان وہیں سے تو حلوہ لائے اماں جان نے اپنے ہاتھوں سے پکا کر دیا ہے۔ ہمارے منع کرنے کے باوجود انہوں نے ساتھ باندھ دیا۔" ریحان میاں نے کہانی گھڑی، دادی جان ان کے قریب آن رکیں پھر حلوہ کا ڈبہ ان کے ہاتھ میں تھما کر بولیں۔

"یہ بچوں والے کھیل کھیلنے بند نہ کیے تو ہم آپ کے ہوش ٹھکانے لگا دیں گے۔" دادی جان نے سمجھایا اور پھر کمرے سے نکل گئیں۔ ریحان میاں نے رکا ہوا سانس بحال کیا پھر منہ ہی منہ میں بڑبڑائے۔

"پس ثابت ہوا کہ آپ ہماری دادی ہیں پوتے کو پکڑ ہی لیتی ہیں کیسے نہ کیسے اور ہم جو تیس مار خان بنتے ہیں مانتے بنتی ہے۔" کھسیانی سی ہنسی لبوں پر در آئی۔



رجت سنگھ نواب زادہ وقار الحق کو اپنے سامنے دیکھ کر حیران ہوئے اور فوراً اٹھ کر استقبال کیا۔

"محترم نواب زادہ آپ نے کیوں زحمت کی، ہمیں بلوا لیا ہوتا آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے۔" رجت سنگھ نے احتراماً جھک کر کہا۔ وقار الحق نے اسے تھام کر گلے لگایا۔

"مانا آپ بہت عاجز ہیں مگر یار شرمندہ مت کیا کریں امرأ کی اولاد ہو کر آپ جس طور فقیری اپنائے ہوئے ہیں یہ آپ کا ہی خاصا ہے رجت سنگھ۔"

"محمد جہانگیر۔" اس نے اپنے نام کی درستگی کی درخواست کی۔ نواب زادہ وقار الحق نے سر ہلایا۔

"محمد جہانگیر تم بھلے آدمی ہو، کرموین چاچا کی زبانی آپ کی حیات کے اس روحانی سفر کے متعلق خبر ہوئی، ہم جان کر بہت متاثر ہوئے۔" وقار الحق نے کہا تو محمد جہانگیر نے عاجزی سے سر ہلا دیا اور مدہم لہجے میں گویا ہوئے۔

"جب تک اس رب کی مرضی نہ ہو ہم بندوں کی سوچ ایک نقطے سے آگے نہیں بڑھتی۔" اس نے عاجزی سے کہا تو وقار الحق مسکرا دیے۔

"بجا فرماتے ہیں آپ اور اس کی نظر میں امارت کی کوئی وقعت نہیں، ہم دنیاوی لوگ بندے کی اہمیت کا اندازہ اس کی حیثیت سے لگاتے ہیں۔ اللہ کے پاس شناخت کے ایسے حوالے کام نہیں آتے، جب آپ ہمارے گھر شوفر بھرتی ہوئے تو ہم نے تب بھی آپ کو ایک اچھی ملازمت کی پیشکش کی تھی۔" وقار الحق نے یاد دلایا۔

"آپ نے عزت بخشی ہم آپ کی بڑائی کے معترف ہیں، نواب زادہ آپ انسان دوست بندے ہیں۔" رجت سنگھ نے کھل کر ان کی تعریف کی تو وقار الحق خاموش ہو کر انہیں دیکھنے لگے۔ ان کو محسوس ہوا کہ ان کے دماغ میں کوئی خاص سوچ سرگرداں ہے مگر وہ خود سے پوچھنا بہتر خیال نہیں کر سکے ایک تو احترام دوسرا ان کا مرتبہ۔

"جہانگیر کوئی کسی کی سوچ پڑھنے پر قادر تو نہیں مگر بعض اوقات نگاہیں پڑھی جاسکتی ہیں۔ ایسے میں جب دو فریق ایک ہی مدار میں ایک ہی مرکز کے گرد گھومتے ہوں تو یہ عمل آسان ہو جاتا ہے کیونکہ آنکھوں میں جو عکس بنتا ہے وہ ایک ہوتا ہے جو اس مرکز کا عکاس ہوتا ہے۔" وقار الحق نے بنا تمہید باندھے کہا تو رجت سنگھ چونکا۔ وہ کس متعلق بات کر رہے تھے وہ فوری طور پر سمجھ تو نہ پایا مگر ان کی آمد کا مقصد کچھ واضح ہوتا دکھائی دیا۔

"ہم اتفاقاً یا ارادتاً ایک مرکز کے گرد موجود ہیں، ایک مدار میں ہیں سو کہیں نا کہیں ایک حوالہ بن جاتا ہے۔ اگرچہ مرکز اس بات سے ناواقف ہے کہ اس کے مدار چے میں کون ہے اور کون کہاں اور کس طور گھومتا یا چکر مکمل کرتا ہے مگر اس کے باوجود یہ تسلسل نہ

ٹوٹتا ہے بنا رکتا ہے ایسا ہی ہے ناں؟" نواب زادہ وقار الحق نے دریافت کیا تو رجت سنگھ بنا کچھ کہے خاموشی سے انہیں دیکھتا رہا۔

"جہانگیر بات عجیب ضرور ہے مگر اتنی عجیب بھی نہیں ہم نے آپ کی نگاہوں کو پڑھ لیا ہے اور وہ عکس بھی دیکھ لیا ہے جس کے لیے آپ دنیا کو ہار سکتے ہیں۔ آپ اپنے مرکز سے جس طور لگاؤ رکھتے ہیں اس کی قدر کرتے ہیں ہم۔" نواب زادہ وقار الحق نے کہا تو رجت سنگھ نے سرنفی میں ہلایا۔

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے نواب زادہ وقار الحق..... ایسا کچھ نہیں ہے۔ ہم نہیں جانتے آپ کس متعلق بات کر رہے ہیں ہم نہ کسی مرکز سے واقف ہیں نہ کسی مدار سے۔ ہمارا مدار اگر ہے تو وہ صرف رب کا ہے وہ رب جو مہربان ہے رحیم و کریم ہے اور جو اپنے بندے سے ستر ماؤں سے زیادہ پیار کرتا ہے۔" وقار الحق ان کی بات پر مسکرا دیے۔

"عشق مجازی کے بنا عشق حقیقی تک کا سفر ممکن نہیں۔ اس عشق کا آغاز عشق مجازی سے آغاز ہو کر ہی عشق حقیقی تک پہنچتا ہے۔ دونوں عشق اپنی جگہ اہم ہیں مگر اہمیت عشق حقیقی کی ہے۔ اس عشق کے بنا کائنات کے وجود کو سمجھنا ممکن نہیں۔" وقار الحق نے کہا تو رجت سنگھ نے سر ہلا دیا۔

"بے شک اس رب کی ذات سے کائنات کی تشکیل کا جو سلسلہ ملتا ہے وہ ایک راز ہے اور اس راز کو سمجھنے میں عمر نکل جاتی ہے۔ ہماری سوچ عقل سب محدود ہے اور اس اللہ کی ذات وسعت والی ہے۔ ہماری استطاعت کہاں کہ اسے سمجھیں۔ اگر ہزار ریاضتوں سے ہم ایک سرا ہی پالیں تو کافی ہے۔" اس نے گہری بات کہی وقار الحق نے سر ہلایا پھر مدہم لہجے میں گویا ہوئے۔

"محبت گناہ نہیں محمد جہانگیر، اس پر کوئی پچھتاوا محسوس کرنا مناسب نہیں محبت شرمندہ نہیں کرتی اگر بندہ محبت نہ کرے تو اس پر شرمندگی جائز ہوگی۔ آپ کو ہچکچانے کی ضرورت نہیں، محبت خوش نصیب دروازوں پر دستک دیتی ہے۔" وقار الحق نے جتایا۔ رجت سنگھ نگاہ نہ اٹھا سکا کچھ دیر خاموشی رہی پھر وقار الحق گویا ہوئے۔

"ہم چاہ کر بھی ایک چھت تلے زندگی بسر نہیں کر سکتے محمد جہانگیر..... ہم میں کوئی نا بے وفا ہے نا کسی کی نیت میں کوئی کھوٹ ہے مگر محبت کے باوجود کوئی شے قدم باندھتی ہے اور راستے روک دیتی ہے ہم خود کو فاطمہ کی محبت کے قابل نہیں سمجھتے۔ ہم ان کو کوئی خوشی نہ دے سکے۔ ان سے بے پناہ محبت کی اور انہی سے دور چلے گئے۔ ان سے محبت انہی کے لیے تکلیف بنی، ہم جو ان کی آنکھوں میں ایک قطرہ آنسو دیکھنے کے خواہاں نہ تھے ہم نے ان کی زندگی کو ویرانی اور آنسوؤں سے بھر دیا۔ ہم ان کے مجرم ہیں اگر آج ہم لوٹے ہیں تو بس ان کو آزاد کرنے کی غرض سے مگر وہ اس رشتے سے رہائی نہیں چاہتیں اور ہم ان کو قید کر کے رکھنا نہیں چاہتے۔ ان کو قید کر کے رکھنا ہمارے اصولوں کے منافی ہوگا۔" وقار الحق نے مدعا بیان کیا تو رجت سنگھ خاموشی سے انہیں دیکھنے لگا پھر سر جھکا کر آہستگی سے بولا۔

"ہم محبت کو اپنی راہ پر نہیں چلا سکتے محبت ہمیں اپنی راہ پر چلاتی ہے پھر اس راہ پر کتنی کٹھنائیاں پیش آئیں چلنے والا نہیں سوچتا۔" رجت سنگھ نے خلاصہ کر دیا۔ وقار الحق نے اقرار میں سر ہلایا۔ رجت سنگھ سمجھ نہ پایا کہ وہ اس سے کیا چاہتے ہیں' کیا وہ فاطمہ ناظم الدین کو اسے اس لیے سونپنے آئے تھے مگر فاطمہ بی بی کو کیا یہ فیصلہ قبول ہوگا وہ ان کے جنوں سے واقف تھے اور فاطمہ بی بی کے دل میں نواب زادہ کی محبت کا بھی ادراک تھا۔

"نواب زادہ وقار الحق خوش نصیب دل ہوتے ہیں جن کے لیے محبت دھڑکتی ہے ہمیں نے کئی خالی دل دھڑکتے سنے ہیں مگر ان میں وہ آہنگ نہیں سنا جو دھڑکتی محبت سے سنائی دیتا ہے۔" رجت سنگھ کے کہنے پر وقار الحق دھیمے سے مسکرائے۔

"کاش محبت آباد رہتی مگر ایسا نہ ہوا اور شاید ایسا ممکن نہ ہو، ہم محبت سے حد درجہ شرمندہ ہیں۔" وقار الحق اٹھ کھڑے ہوئے شاید وہ محبت کو ہارنے کا ظرف نہیں رکھتے تھے۔ وہ مڑے باہر نکل گئے رجت سنگھ ان کو دیکھتا رہ گیا تھا۔



وہ جو محبت ہے متواتر ہے
مستقل ہے مسلسل ہے
اس محبت کو میں کیا کہوں
اس محبت کا میں کیا کروں؟

فاطمہ بی بی کتاب پڑھ رہی تھیں جب دادی جان نے کمرے میں قدم رکھا فاطمہ بی بی نے احتراماً کتاب بند کی اور دادی جان کی سمت دیکھتے ہوئے مسکرائیں۔

"دادی جان آپ نے زحمت کیوں کی؟ ہمیں بلوا بھیجا ہوتا ہم حاضر ہو جاتے۔"

"کوئی فرق نہیں پڑتا بزرگ بچوں کے پاس جائیں یا بچے اپنے بڑوں کے پاس چل کر آئیں ایک ضروری بات کرنا تھی نواب صاحب تشریف لائے تھے ان کا ارادہ آپ کو واپس لے جانے کا ہے۔ شرمندہ وقار الحق کے رویے کی معافی مانگ رہے تھے۔" دادی جان نے کہا تو فاطمہ بی بی چونکیں۔

"آپ نے کیا کہا؟"

"ہم نے منع کر دیا۔ ہماری بچی کو آٹھ آٹھ آنسو رلایا۔ یوں ہی تو نہ جانے دیں گے۔ وقار میاں آ کر ناک رگڑیں گے تب معافی ملے گی۔" دادی جان کا رعب صاف دکھائی دیا فاطمہ بی بی خاموشی سے سر جھکا گئیں۔ دادی جان نے انہیں بغور دیکھا۔

"آپ کا ارادہ جانے کا ہے؟"

"دادی جان ہمارے ارادے کی کوئی معنی نہیں رکھتے ہم وہی کریں گے جو آپ کو مناسب لگے گا۔" فاطمہ بی بی سعادت مندی سے گویا ہوئی۔

"جیتی رہو۔" دادی جان نے محبت سے سر پر ہاتھ پھیرا اور نرم لہجے میں بولیں۔

"لوگ بیٹیاں گھر بٹھانے کو نہیں بیاہتے بیٹا مگر سسرال اور خاوند کے دل میں زوجہ کا احترام اور محبت بہت ضروری ہے ہم آپ کو آپ کے گھر آباد دیکھنے کے خواہاں ہیں۔ ہر والدین کی طرح ہماری بھی خواہش آپ کو شاد و آباد دیکھنے کی ہے مگر کیا کریں کہ آپ کے صاحب بہادر کی کوئی کل سیدھی نہیں۔ تھوڑا سبق تو ان کو ملنا چاہیے؟" دادی جان نے کہا۔ فاطمہ بی بی کچھ نہ بولیں۔

"ہم اس رشتے کو آباد دیکھنا چاہتے ہیں میری بچی مگر چاہتے ہیں وقار الحق کو اپنی غلطی کا احساس ہو تاکہ وہ ایسی غلطیاں دوبارہ نہ دہرائیں۔ سسرال اور خاوند کے دل میں بیٹی کی تھوڑی جگہ اور عزت بنانے کے لیے یہ ضروری ہے آپ ہماری بات سمجھ رہی ہیں ناں؟" دادی جان نے کہا تو فاطمہ بی بی نے سر ہلا دیا۔



"چلیے جناب ایک اچھی خبر سننے کو آ گئی میاں مجلس شوریٰ کا وجود سامنے آ گیا۔ 10 اگست کا دن کچھ مبارک لگا۔" نواب صاحب نے کہا۔ وقار الحق نے شطرنج کی بساط کو بغور دیکھتے ہوئے سر ہلایا۔

"ان کراچی دی پارلیمنٹ آف پاکستان میٹ فار دی فرسٹ ٹائم۔" نواب صاحب نے مطلع کیا۔ وقار الحق مسکرا دیے۔

"اچھی بات ہے امید ہے کہ اس سے بڑی خبر بھی سننے کو ملے گی۔" نواب صاحب مسکرائے۔

"ہم تو سننے کے منتظر ہیں کہ پاکستان کا وجود عمل میں آ گیا خیر ایسا کچھ تو ہونا گویا شرط ہے اس کے بنا کوئی چارہ نہیں بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اس کے بنا جیسے کوئی راہ نہیں۔ فرنگی اپنی لنگوٹی سنبھالے جانے کو تیار بیٹھے ہیں تیار کیا بیٹھے ہیں اپنی خجالت مٹانے کی کوشش میں ہیں۔" نواب صاحب مسکرائے۔

"یہ ہونا طے تھا ابا حضور، اتنی جدوجہد کے بعد ایسا پھل ملتا تو ہے یہ مسلمانوں کی محنت کا ثمر ہے۔" وقار الحق خفیف سا

مسکرائے۔

"بے شک محنت کا اجر ملا کرتا ہے۔ یہ سب ہونا تھا اور اس ہونے کی بے انتہا خوشی ہے بڑی جیت ہے ہندوؤں کے مقابل اس سے بڑی فتح ہو نہیں سکتی تھی۔ وہ جس زعم میں تھے مسلمان آٹے میں نمک کے برابر ہیں اور ان کے لیے الگ ملک ضروری نہیں آج کا وقت ان کے منہ پر طمانچہ مارنے کو کافی ہے۔ دوقومی نظریہ کا جز سمجھ میں آ گیا ہوگا انہیں اب۔ وہ قوم ماننے کو تیار نہ تھے اور ان کو خبر ہوگئی کہ اس سے بڑی قوم نہیں ان شاء اللہ دنیا تاریخ کی سب سے بڑی ہجرت دیکھے گی۔" نواب صاحب ایک عزم سے بولے وقار الحق نے سر ہلایا۔

"ان شاء اللہ مسلمان منتظر ہیں کہ خبر آئے اور اس طرف سے لوگوں کی بڑی تعداد کا انخلا شروع ہو ان کا جوش دیکھ کر پتا چلتا ہے کہ خواب سچ ہوتے ہیں اور پاکستان فقط زمین کا ایک ٹکڑا نہیں بلکہ ایک سوچ اور نظریہ ہے جس کا وجود میں آنا اشد ضروری تھا لفظ پاکستان ایک جدوجہد کا نام ہے۔" وقار الحق نے بساط پر کھیل کھیلتے ہوئے اپنا مہرہ چلا۔

"بے شک۔" نواب صاحب مسکرائے اور لب بھینچ گئے۔

"کیا خیال ہے رخت سفر باندھ لیا جائے ہم تو پاکستان جانے کو بہت بے تاب ہیں۔" نواب صاحب نے کہا تو وقار الحق مسکرا دیے۔

"منتظر تو ہم بھی ہیں ابا حضور مگر......"

"مگر؟" نواب صاحب نے متفکر ہو کر وقار الحق کی طرف دیکھا۔

"کچھ ضروری کام ہیں ابا جان، ہم ان کو نبٹا کر ضرور پاکستان جانا چاہیں گے۔" ان کی پیشانی پر فکر کی لکیریں دیکھ کر نواب صاحب چونکے۔

"کیا کوئی فکرمندی والی بات ہے؟" ان کے پوچھنے پر وقار الحق نے سر ہلا دیا۔

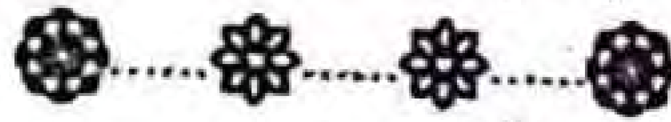
"جنت بی بی کا معاملہ کیا ہوا؟ کیا وہ اب بھی بدلے کی آگ میں جل رہی ہیں؟" وقار الحق کا چہرہ پڑھتے ہوئے نواب صاحب نے پوچھا۔ وقار الحق نے فوری طور پر کوئی جواب نہ دیا کچھ دیر بعد شانے اچکاتے ہوئے بولے۔

"ہم اس معاملے میں لاعلم ہیں ابا حضور، سازشیں کچھ نہیں دیتیں ماسوائے خجالت اور شرمندگی کے اپنی جنگ کو مردانہ وار لڑنے کا حوصلہ ہونا چاہیے۔ وگرنہ اقدام انہا اہلی صاف کھلتا دکھائی دیتا ہے۔" وقار الحق نے بات کو واضح کیے بنا کہا نواب صاحب کو بات تو نہ سہی مگر لب لباب سمجھ آ گیا۔

"وہ ایک ناگن جیسی ہیں اور ناگن بھی زخمی، در اصل ان کی انا پر جو چوٹ پڑی ہے وہ اس کی شرمندگی سے باہر نہیں آ پا رہیں۔ ہار سے زیادہ ان کو اپنی سبکی کا ملال ہے۔ ان کے والد سے ہمارے اچھے مراسم تھے افسوس وہ اپنے والد کے مزاج کے مخالف سوچتی ہیں۔ اگر وہ غیر جانبداری سے سوچتیں تو آج شرمندہ ہوتیں مگر بات یہ ہے کہ اپنی غلطی کوئی ماننے کو تیار نہیں۔" نواب صاحب بولے وقار الحق کی خاموشی برقرار رہی۔

"ہم نے سوچا تھا ایک بار جنت بی بی سے ملیں گے شاید ان کو اپنی غلطیوں کا کچھ احساس ہو جائے۔ ان کے والد کے بہترین رفیق ہیں ہم، ہمیں سامنے پا کر وہ ایک بار سوچنے کے قابل ہو جائیں کہ ان کی طرف سے کسی مہذب رویے کا ثبوت نہیں دیا گیا۔ وہ ایک انتہائی باشعور لڑکی ہیں۔ وہ ایسا فضول رویہ کیونکر اپنا پائی ہیں۔ ہم سمجھ نہیں سکے۔ رشتے اپنی ساخت خود بناتے بگاڑتے ہیں مگر اس میں اس درجہ زہر نہیں گھلنا چاہیے مگر خیر ہر انسان کی اپنی نفسیات ہے ان کا تعلق تو خراب ہوا انہوں نے دیگر زندگیوں کو بھی متاثر کیا دیکھا جائے تو ان کے ہاتھ کیا آیا اور انہوں نے کسی کی زندگی کو کس طرح برباد کیا۔ ان کے اندر اس درجہ منفی سوچیں جنم لیں گی اس متعلق کبھی سوچا نہ تھا۔ وہ ایک باشعور لڑکی تھیں اگر انہیں محبت نہ ہوتی تو۔" نواب صاحب نے کھل کر

کہا۔
"محبت منفی سوچوں کو ختم نہیں لینے دیتی ابا حضور، فاطمہ ناظم الدین کو سب سے زیادہ نقصان پہنچا مگر وہ پُرسکون رہیں ان کا ردِ عمل سکھاتا ہے کہ رواداری بڑی چیز ہے۔" وقار الحق نے کہا۔
"بہرحال تیر کمان سے نکل جائے تو پھر کچھ ممکن نہیں رہتا یہ وہ وقت ہے جب فرق نہیں پڑتا کہ کس نے کیا کیا اور کس نے کیا دیا دینے والا ہاتھ چھینتا نہیں۔" وہ نواب صاحب کی باتوں سے متاثر ہوتے دکھائی دیے۔



"ہم آپ کے لیے سب ناممکن کو ممکن کرسکتے ہیں مگر جانے کیوں ہر بار نشانہ چوک جاتا ہے کیا کریں۔ سمجھ نہیں آتا کیسے کہیں کہ چغد تو ہم نہیں، مانا قدرے سیدھے سادھے ہیں مگر جو کرتے ہیں دل سے کرتے ہیں۔" ریحان میاں افسوس بھرے لہجے میں کہتے ہوئے سر جھکا گئے۔ جنت بی بی نے انہیں بغور دیکھا۔
"اگر آپ ہمارے لیے ناممکن کو ممکن کرسکتے تو ایسے دندناتے نہ گھوم رہے ہوتے۔ وہ نواب زادہ وقار الحق اور فاطمہ ناظم الدین۔" جنت نے تنک کر کہا۔ ریحان میاں نے نظر بھر کر انہیں دیکھا۔ سیاہ رنگ کے لباس میں ان کا دمکتا حسن نمایاں تھا وہ دانستہ نگاہ پھیر گئے۔
"ویسے ابھی تک نکاح میں ہیں نواب زادہ وقار الحق کے اصولاً آپ کو انہیں فاطمہ وقار الحق کہہ کر پکارنا چاہیے۔" جانے کہاں کی کوڑی ڈھونڈ لائے تھے وہ، جنت نے غصے سے گھورا۔
"تم ہمارے حمایتی ہو کہ اس نیلی آنکھوں والی چڑیل کے؟" مزاج میں کڑواہٹ صاف محسوس ہوئی ریحان میاں چونکے۔
"ان کی آنکھوں کا رنگ بھورا تھا یا سرمئی؟" عجب چغد انداز میں کہا تو جنت بی بی نے پاس دھرا گلدان اٹھا کر انہیں دے مارا۔ ریحان میاں نے بچنے کی غرض سے خود کو ایک طرف کرلیا اور گلدان دیوار سے ٹکرا کر زمین پر جا گرا۔ ریحان میاں نے بوکھلا کر دیکھا۔
"واقعی سچ میں ہمیں نہیں یاد پڑتا ان کی آنکھوں کا رنگ بھورا ہے یا سرمئی یا دونوں رنگ ایک ساتھ مگر ان کی آنکھیں ہیں کمال کی۔ آپ کو غصہ آیا ہم نے ان کی تعریف کی؟" ریحان میاں نے گہری سانس لی۔ جنت بی بی فاطمہ بی بی کے نام پر کتنی انتہا پسند واقع ہوئی تھیں۔ اس کا اندازہ ان کو ہوگیا تھا۔
"محبت میں مبتلا تھے تم تو بدلہ لینے آئے تھے ناں...... بھول گئے؟" جنت بی بی نے یاد دلایا تو ریحان میاں چونکے۔
"محبت، یہ تو خیر یاد نہیں مگر ضد تو پکی ہوگئی تھی ٹھکرائے جانے کا بہت ملال تھا۔ ویسے ایک بات شاید آپ نہیں جانتی۔" ریحان میاں نے پُرسکون انداز میں کہا تو جنت بی بی نے سوالیہ نظروں سے دیکھا تب ہی وہ مجب ڈھٹائی سے گویا ہوئے۔
"اچھی خاصی خوب صورت ہیں آپ پھر اس حسد کی آگ میں کیوں جل رہی ہیں؟ آپ ڈھونڈیں تو آپ کو کیا نہیں ملے گا۔ کوئی راجا مہاراجہ شہزادہ...... خیر اس کا دور تو نہیں رہا کہ شہزادہ ملے مگر کوئی خوبرو تو مل جائے گا آپ کو بھی ضد سی ہوگئی ہے ناں؟ یہ ضد ایسی عجیب سی کیوں ہوتی ہے؟" ریحان میاں نے کھل کر تعریف کرکے آخر میں حسد کا سبب ڈھونڈنا ضروری خیال کیا جنت بی بی نے ناگواری سے انہیں گھورا۔
"اپنے کام سے کام رکھو۔"
"وہی تو رکھ رہا ہوں محترمہ۔" وہ بڑبڑایا جنت بی بی نے گھورا تو وہ جانے کیوں مسکرا دیا۔
"حسینہ تو آپ والی نام ہونا چاہیے تھا آپ کا اگر رضیہ سلطانہ ہوتیں تو غضب ہوتیں۔" وہ مسرور سا بولا۔ جنت بی بی اس کی بہکتی بات کو دیکھ کر کسی قدر چونکیں۔

"دماغ ٹھیک ہے، پی کر آئے ہو کیا؟" ریحان میاں نے جھنجلاہٹ میں نفی میں سر ہلا دیا۔

"سیاہ لباس جچتا ہے آپ پر اکثر سیاہ رنگ میں دکھائی دیتی ہی۔ اچھی لگتی ہیں۔" ریحان میاں کچھ بہکے بہکے دکھائی دیے جنت بی بی نے مڑکر ہاتھ بڑھا کر دوسرا گلدان اٹھایا۔ ریحان میاں نے ہاتھ جوڑ دیے۔

"اچھا خطا ہوگئی جانے دیجیے، کیسی عورت ہیں خود کی تعریف سننا بھی اچھا نہیں لگتا اور فاطمہ وقارالحق کی آنکھوں کی تعریف کریں تو بھی حسد سے نگلنے لگتی ہیں۔" ریحان میاں مسکرائے۔ جنت بی بی نے فاطمہ بی بی کے نام کے ساتھ وقارالحق کا نام پکارے جانے پر دوسرا گلدان بھی ریحان میاں کو کھینچ مارا، ریحان میاں بال بال بچے اور ہاتھ جوڑتے باہر نکل گئے۔ جنت بی بی غصے سے سلگتی ہوئی دروازے کو گھورنے لگی تھیں۔



وقارالحق کسی ضروری کام سے نکل رہے تھے جب رجت سنگھ کو آتے دیکھا۔

"کیسے آنا ہوا؟ ہم ضروری کام سے نکل رہے تھے اگر مصروفیت نہ ہو تو ہمارے ہمراہ چلیے راستے میں باتیں بھی کرلیں گے اور ساتھ بیٹھ کر ایک پیالی قہوہ بھی پی لیں گے۔" وقارالحق نے گلے ملتے ہوئے پیشکش کی تو رجت سنگھ نے سر ہلا دیا اور وقارالحق کے ہمراہ موٹر گاڑی کی طرف گئے۔ وقارالحق نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور رجت سنگھ کے بیٹھتے ہی موٹر گاڑی آگے بڑھا دی۔

"آپ سے بات کرنا تھی نواب زادہ وقارالحق، میں ساری رات سو نہیں پایا۔" رجت سنگھ نے کہا۔

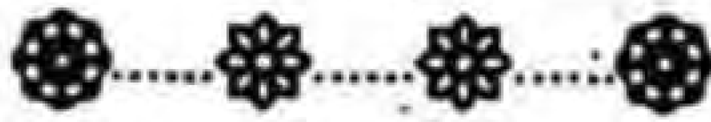
"کہیے ہم سن رہے ہیں۔" وقارالحق نے کہا تو رجت سنگھ خاموش ہوگیا پھر قدرے توقف سے بولا۔

"ہم نہیں چاہتے تھے ہمارا ذکر عام ہو، ہم بہت معمولی ہیں اپنی حیثیت پہچانتے ہیں الجھنا نہیں چاہتے۔ انکاری ہیں مگر آپ نے شاید غلط فہمی کی بنا پر قصہ چھیڑا۔ ایسا کوئی معاملہ سرے سے نہیں، ہم اپنی غرض کے بندے ہیں محبت نہیں کرسکتے۔ عشق، پیار، محبت کے متعلق قطعاً سوچا بھی نہیں۔ یہ ہماری راہ نہیں اگر ہوتی بھی تو ہم اس راہ پر قدم نہ رکھتے اور جن کے حوالے سے آپ نے کہا ان کا بس احترام کرتے ہیں۔ اتنا احترام کہ نظر اٹھا کر ان کی سمت نہیں دیکھ سکتے۔ وہ ہمارے لیے بہت قابل احترام ہیں، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ ہم دل سے ان کی عزت کرتے ہیں۔ وہ اپنی شخصیت میں کتنی خاص ہیں۔ ہم نے کبھی نہیں سوچا مگر ان کے لیے جو احترام، عزت اور مرتبہ ہمارے دل میں ہے اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں۔ ہم اس ضمن میں کسی سے بات نہیں کرنا چاہتے تھے حتیٰ کہ خود سے بھی نہیں، ہم ان کا ذکر کرنے کے لائق بھی نہیں۔ ان کی پاکیزگی پر حرف آئے یا نگاہ اٹھانے سے وہ میلی نہ ہوجائیں اس خیال سے، ہم نے انہیں کبھی نگاہ اٹھا بھی نہیں دیکھا۔ آپ کے ذہن میں یہ خیال کیونکر اور کیسے آیا ہم نہیں جانتے مگر ہم اس معاملے کو یہیں ختم کردینا چاہتے ہیں۔ محبت بہت بڑا جذبہ ہے نواب زادہ۔ ہم تو ان کے پاؤں کی خاک چھونے کے بھی لائق تصور نہیں کرتے خود کو۔ وہ فرشتوں جیسی معصوم ہیں اگر ہمیں ان سے محبت ہوتی بھی تو ہم اس لائق نہ تھے کہ ان سے محبت کرنے کی گستاخی کرتے ہم میں ایسی جرأت نہ ہوتی۔" رجت سنگھ نے کھل کر معاملہ کہہ سنایا۔ وقارالحق نے انہیں ایک نظر دیکھا وہ کھڑکی سے باہر دیکھ رہے تھے دانستہ نگاہ نہ ملانا چاہتے تھے۔

"نواب زادہ وقارالحق وہ آپ کے لیے بنی ہیں ان کے دل کو مت توڑیے۔ ان کے دل میں آپ کے لیے بہت محبت ہے۔ وہ بات کرتی ہیں تو ان کے لہجے میں آپ کو سنا جاسکتا ہے۔ یہ فقط محبت میں ممکن ہے اکثر ان سے گفتگو رہی۔ ان کے لہجے میں ان سے سنیں کوئی کسی سے اتنی محبت کیسے کرسکتا ہے۔ ہم ورطۂ حیرت میں پڑے جواب نہ ڈھونڈ سکے پھر پتا چلا کہ محبت کے جواز نہیں ڈھونڈے جاتے۔ محبت خود کو آپ پر واضح کرتی ہے۔ محبت کی وضاحت اور تشریح محبت ہے۔ بی بی صاحب کو مت کھوئیے گا۔ وہ شاید کھل کر کبھی آپ سے نہیں کہہ پائیں گی کہ آپ سے کس قدر محبت کرتی ہیں مگر ان کی زندگی میں آپ کے علاوہ کسی کا کوئی تصور نہیں ہے۔ ہم جانتے ہیں آپ کو کسی دوسرے تیسرے بندے سے وضاحتیں سننے کی ضرورت نہیں۔ آپ خود جانتے

ہیں کہ وہ آپ سے کس درجہ محبت میں مبتلا ہیں مگر ہمیں لگا کہیں کوئی غلط فہمی ہم سے متعلق ہوئی اور آپ دونوں کے رشتے کو بکھیر رہی ہے تو ہم مکمل کر وضاحت کر دیں۔ وہ ہمارے لیے جو مقام رکھتی ہیں۔ اس میں ان کی گستاخی واجب نہیں، ہم ایسا سوچ بھی نہیں سکتے۔ ہمارے باعث یا ہماری وجہ سے اپنی زندگی کو مت بکھیریے اس رشتے کو سنبھالیے خود کے لیے بی بی صاحب کے لیے آپ دونوں کے لیے ہم نے جانا تو اتنا اور اس قدر جانا کہ آپ دونوں کے رشتے میں جو مضبوطی ہے اس میں کسی دوسرے تیسرے کی کوئی گنجائش نہیں۔ انا میں آ کر ضد میں گر کر دو زندگیاں کیوں برباد کر رہے ہیں۔ الگ الگ جینے کی بجائے آپ دونوں ایک دوسرے کے ہمراہ کیوں نہیں جیتے؟ آپ ایک دوسرے کے لیے بنے ہیں تو ایک ساتھ اس زندگی کو کیوں نہیں گزارتے۔ گستاخی معاف آپ دونوں ایک چھت کے نیچے رہنے کا کیوں نہیں سوچتے۔ یہ بنا اختلاف کے بنا اسلحہ کے کون سی جنگ ہے جو آپ دونوں ایک دوسرے سے لڑ رہے ہیں؟ محبت ہے تو ساتھ بسر کیجیے ناں۔ محبت ہو تو اور کیا درکار ہوتا ہے؟"

رجت سنگھ سمجھدار نوجوان تھا وقار الحق گہری سانس بھر کر رہ گئے۔ رجت سنگھ نے گاڑی روکنے کی درخواست کی وقار الحق نے روک دی۔ رجت سنگھ اتر کر دور نکل گیا۔ وقار الحق نے دور تک اس کو جاتے دیکھا اور پھر موڑ کاٹا آگے بڑھا دی۔



فاطمہ بی بی نے دوا نکال کر پانی کا گلاس نواب صاحب کی طرف بڑھایا۔ نواب صاحب نے بلا تردد گولیاں لے کر پانی کا گلاس لیا اور گولیاں نگل لیں پھر گلاس میز پر رکھ کر فاطمہ بی بی کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ بیٹھ گئیں تو بولے۔

"ہم نے اماں جان سے آپ کی واپسی کی درخواست کی تھی۔ ہم چاہتے ہیں آپ اس محل میں واپس لوٹ آئیں اور تمام امور سنبھالیں تا آپ اس گھر کی بیٹی ہیں۔ اس گھر کی مالکن اور نواب زادہ وقار الحق کی بیگم ہیں اس محل کی شناخت آپ کے حوالے ہے اور یہ گھر آپ کے بنا سونا ہے۔ اماں جان نے انکار نہیں کیا مگر انہوں نے کہا ہے کہ وقار الحق کو ان کی غلطیوں کا احساس دلانے کی ضرورت ہے۔ ہم ان کی رائے سے اتفاق کرتے ہیں مگر وہ اپنی جگہ خود شرمندہ ہیں بیٹا نہ وہ بھگوڑے ہیں نا کبھی ذمہ داریوں سے منہ پھیرا ہے مگر جنت بی بی نے جو بھی صورت حال بنادی تھی اس میں ان کا منظر سے ہٹنا ناگزیر ہو گیا تھا۔ ہم ان سے بات کریں گے کہ وہ معاملات کا جائزہ از سر نو لے کر سلجھائیں اور رشتوں کو وہی عزت و احترام دیں جس کے وہ متقاضی ہیں اور وہ ایسا سمجھ بھی نہیں ہیں۔" نواب صاحب نے بیٹے کی مکمل حمایت طرف داری کی۔ فاطمہ بی بی فوری طور پر کچھ نہ بولیں۔

"یہ زندگی آپ بچوں کی ہے فاطمہ بیٹی، ہم چاہتے ہیں کہ آپ جو بھی فیصلہ لیں وہ عقل اور سمجھ بوجھ کے ساتھ لیں۔ تاکہ کل کوئی بھی پچھتاوا نہ ستائے۔" نواب صاحب نے سمجھایا فاطمہ بی بی تب بھی خاموش رہیں۔

"غلطیاں انسانوں سے ہوتی ہیں فاطمہ بیٹا جب اللہ اپنے بندوں کی ان گنت خطاؤں کو معاف کر سکتا ہے تو پھر ہم انسان کیوں نہیں۔" نواب صاحب کی بات وزن رکھتی تھی فاطمہ بی بی کے لب آہستہ سے وا ہوئے۔

"ہم ایسے سخت دل نہیں چچا جان ہم ایک سمت پر چلنے والے ہیں اور ہمارا ہر راستہ وقار الحق کی سمت ہی جاتا ہے۔ ہم اس رشتے سے انحراف نہیں کر سکتے مگر ہم دادی جان کی مرضی کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں لے سکتے۔ ان کا مان ہے ہم پر وہ ٹوٹ جائے گا۔ دادی جان ہمارے دل کے خلاف نہیں وہ جانتی ہیں کہ ہم کیا چاہتے ہیں مگر وہ فقط تسلی کر لینا چاہتی ہیں۔ وقار الحق کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے۔" فاطمہ بی بی نے مدہم لہجے میں کہا نواب صاحب نے سر ہلا دیا۔

"ہم سمجھتے ہیں بیٹا اماں جان کا دل اس حادثے کے بعد بہت نرم ہو گیا ہے۔ وہ بے حد حساس ہو گئی ہیں۔ رشتوں کے متعلق ان کے نظریات بدل گئے ہیں وہ کسی قدر جذباتی ہو گئی ہیں۔" نواب صاحب نے تجزیہ پیش کیا۔

"بہر حال ہم چاہتے ہیں کہ اماں جان جو بھی فیصلہ لیں وہ آپ دونوں بچوں کے حق میں بہتر ہو۔ ہم ان کی مکمل عزت کرتے ہیں اور ان کے فیصلوں کو رد نہیں کر سکتے۔" نواب صاحب نے احتراماً کہا۔

"ہم آپ کو بھی مشورہ دیں گے کہ تاج بیگم کی بیٹیے وہ پے در پے صدمات سے گزر رہی ہیں سو ان کو پریشان کرنا مناسب نہ ہوگا۔ ہماری بزرگ ہیں ہم ان کا احترام نہ کریں گے تو اور کون کرے گا۔" نواب صاحب نے کہا تو فاطمہ بی بی نے سر ہلا دیا۔



وقار الحق تادیر جاگتے رہے تھے فاطمہ بی بی کا چہرہ ان کا تصور میں وہ ایسے جکڑے ہوئے تھے کہ وہ چاہ کر بھی ان کے متعلق سوچنے سے باز نہیں رہ پا رہے تھے۔

"فاطمہ ہم آپ سے دور نہیں جا سکتے۔ چاہ کر بھی نہیں، مگر آپ کے ساتھ بھی نہیں رہ سکتے، ہمیں یہ احساس کچوکے لگاتا ہے اور ہم خود کو آپ کا مجرم محسوس کرتے ہیں۔ ہم نے آپ کو اس وقت چھوڑا جب آپ کو سب سے زیادہ ہماری ضرورت تھی۔ ہم تب آپ کو تنہا چھوڑ گئے جب آپ ایک زندہ لاش جیسی تھیں۔ ہم سوچتے ہیں تو شرمندہ ہوتے ہیں۔ وہ ایک لمحہ جو ادراک کراتا ہے کہ ہم نے غلط کیا وہ ہمیں جینے نہیں دیتا۔ ہم نے اس لمحے جنت بی بی کی دھمکیوں سے گھبرا کر ان کے ہمراہ جانے کی ٹھانی ہاگرچہ یہ فیصلہ بھی آپ کے باعث کیا۔ وہ آپ کو جان سے مار دینا چاہتی تھیں، ہم آپ کو بخیریت دیکھنا چاہتے تھے اس لیے ہم نے جو راستہ اختیار کیا وہ آپ کے خلاف جاتا تھا۔ بظاہر ہم آپ سے دور ہوتے جنت بی بی کے ہمراہ گئے مگر ہمارا دل آپ کے ہمراہ ہا۔ ہمارے وجود کا ایک حصہ آپ کے ہمراہ آپ کے پاس رہ گیا۔ اگر ہم آپ کو زندہ لاش بنا چھوڑ کر گئے تو ہم خود بھی ایک زندہ لاش سے کم نہ تھے۔ ہم آپ کے بنا ادھورے تھے مگر ہم آپ سے کبھی نہ سامنا کرنے کی غرض سے گئے تھے، ہم نے لوٹ کر نہیں آنا تھا۔ ہم ہر راہ بند کر گئے تھے، ہمیں یقین تھا آپ اپنے کمرے میں ایک بستر پر پڑی رہ ہیں گی کیونکہ کسی کو جب ٹھکرایا جاتا ہے تو اس کے اندر ایک نئی ہمت و طاقت جنم لیتی ہے۔ ہمیں یقین تھا وہ ہمت جلد آپ کو اٹھائے گی اور اپنے قدموں پر دوبارہ ضرور کھڑا کرے گی اور ایک نئی زندگی کا احساس لے کر جئیں گی۔ ہم اگر لوٹے تھے تو آپ کا ازالہ کرنے کی غرض سے مگر اب......" وقار الحق نے ایک گہری سانس خارج کی اور بستر سے اٹھ کر ٹہلنے لگے۔

"ہم ہر بار نئے سرے سے آپ سے محبت میں مبتلا ہو جاتے ہیں فاطمہ ناظم الدین۔ یہ کیسی محبت ہے ایک ہی فرد سے کتنی بار ہو سکتی ہے کیا بار بار، کئی بار اور ہر بار پہلے سے زیادہ شدید؟ یکے بعد دیگرے تسلسل سے ہر بار پہلے سے زیادہ...... کیا ہے یہ محبت؟ جو بھی ہے، بہت حیران کن ہے۔ آپ سے دستبردار ہونا چاہتے ہیں مگر ہمت نہیں رکھتے آپ کو کسی کو سونپنے کی بات کرتے ہیں مگر خود میں حوصلہ نہیں پاتے کیا کریں؟" نیند وقار الحق کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ وہ بے دھیانی میں ٹہل رہے تھے جب فون کی گھنٹی بجی۔ وہ فون کے پاس آئے اور ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا۔

"وقار الحق محبت کا بہت بھیانک رخ دکھایا ہے آپ نے ہمیں۔" دوسری جانب جنت بی بی تھیں۔

"جنت بی بی براہ کرم ان سازشوں کے سلسلوں کو اب روک دیجیے۔ آپ کا دماغ منفی طرف کام کر رہا تھا۔ آپ کچھ مثبت سوچنے کے لائق نہیں رہیں۔" وقار الحق نے کہا تو وہ ہنس دیں۔

"یہ زہر ہماری رگوں میں آپ نے ہی تو بھرا ہے۔ وقار الحق آپ کی محبت ہی تو یہ زہر اپنے ہمراہ لائی ہے۔ کیا کریں، یہ منفی سوچ آپ کے باعث ہمارے اندر پھیلی ہے آپ نے محبت کے معنی بدل دیے۔ آپ نے ہمیں بدل دیا۔ ہم ایسے نہ تھے۔" جنت بی بی مدہم لہجے میں بولیں۔ ان کا لہجہ بھاری تھا۔ شاید وہ شدید تکلیف کے زیر تھیں۔

"جنت بی بی آپ کو آپ کے اندر کے زہر نے مارا ہے، کاش آپ محبت کے معنی سمجھ سکتیں تو آپ اور ہم سب کی زندگی سکون سے گزر رہی ہوتی۔ آپ کی خود غرضی نے تین زندگیوں کو جہنم بنا دیا۔ دیکھیے ہم تینوں میں سے کوئی خوش نہیں اور کوئی کسی کے ہمراہ نہیں، ہم تینوں تنہا اپنے حصے کی سزا کاٹ رہے ہیں۔ جنت آپ کے اقدامات نے کسی ایک کو بھی خوش نہیں رہنے دیا۔" وقار الحق نے الزام دیا تو جنت بی بی ہنس دیں۔

"ہم ایسا دل کہاں سے لائیں جو محبت کو کسی اور کے ہمراہ کسی اور کے پہلو میں دیکھ کر تڑپنا اور پُرسکون سا دھڑکتا رہے۔ یہ دل جب ہمارے اندر ہلچل مچاتا ہے تو ہمارا دل طوفان اٹھالاتا ہے اور پھر کنارے چھلکنے لگتے ہیں۔ بہاؤ بڑھتا ہے اور پھر کون کتنی لپیٹ میں آتا ہے یاد نہیں رہتا۔" جنت نے کہا ان کا لہجہ عجیب سا تھا۔

"مانا ہم نے سب بگاڑ دیا ہے مگر ہم فاطمہ ناظم الدین کی طرح نہیں ہوسکتے۔ ہم ان کو آپ کی دلہن نہیں بنا سکتے۔ یہ حوصلہ ان میں تھا محبت ایسا حوصلہ سب کو نہیں دیتی۔" جنت بی بی نے نیم جان لہجے میں کہا۔

"سچ بات تو یہ ہے جنت بی بی کہ ایسا حوصلہ فقط محبت ہی دیتی ہے اور آپ محبت سے خالی ہیں اس لیے محبت آپ کو حوصلہ نہیں دیتی۔ محبت دینا جانتی ہے لینا نہیں۔ محبت خود غرض نہیں خوددار ہے۔ محبت حسد نہیں کرتی حاسد نہیں بنتی۔ آپ اگر چاہتیں تو ان زندگیوں کو آباد رکھ سکتی تھیں مگر آپ نے سازشوں کے جال بن کر سب کچھ بگاڑ دیا اور ساتھ ہی اپنا تاثر بھی خراب کرلیا۔ ہماری نظر میں آپ کی وہ اہمیت رہی نہ وقعت۔ اس گھر میں کیسی عزت اور مقام ملا تھا ہماری بیگم ہونے کا اعزاز ملا تھا آپ کو مگر آپ اس اعزاز کو بھی مروند گئیں۔ ہم نے جو تاج آپ کے سر رکھا تھا آپ نے اسے قدموں میں مسل دیا۔ فاطمہ ہماری پہلی بیوی تھیں۔ اعتراض ان کو ہونا چاہیے تھا۔ ہم ان کی زندگی میں ایک دوسرا حوالہ بن کر آپ کو لائے کیوں لائے کیونکہ آپ بے سہارا ہوگئی تھیں اور......" وقار الحق نے یاد دلایا تو دوسری طرف جنت بی بی کی آواز بھرا گئی۔

"ہمدردی نہیں چاہیے تھی وقار الحق..... آپ نے ہمدردی دی ہم نے آپ کو عزت کے ساتھ محبت دی تھی۔ آپ نے عزت تو دی مگر محبت سے ہاتھ کھینچ لیا۔ محبت آپ نے فاطمہ ناظم الدین کے نام کردی۔ یہ دکھ ہمیں مار گیا رہی دوسری عورت بننے کی بات تو آپ ہماری پہلی ترجیح تھے دوسری ترجیح آپ نے بنایا۔ ہمیں دوسری عورت بھی آپ نے بنایا ہم آپ سے محبت کرتے تھے آپ کی بیوی بننے کے خواب دیکھتے رہے اور آپ فاطمہ کو اٹھالائے۔ آپ نے انہیں وہ محبت دی جو ہمارے لیے تھی ہم نے کہا ناں وقار الحق یہ زہر آپ نے ہمارے اندر بھرا ہے۔" دوسری طرف جنت بی بی کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔ وقار الحق کو ان پر کسی قدر ترس آیا۔

"جنت بی بی ہم معذرت چاہتے ہیں اگر ہم نے کبھی آپ کا دل دکھایا ہو تو۔" انہوں نے ازالہ کرنا ضروری خیال کیا۔ جنت بی بی قابل ترس لگیں۔

"ہم نے وہ راستہ چنا جو زندگی نے ہمیں دیا۔ یہ قدرت کا فیصلہ تھا ہم نے فاطمہ کو زندگی میں شامل کیا اس وقت ہمیں ان سے محبت بھی نا کوئی لگاؤ مگر ہم ایک شرعی رشتے میں بندھے تو محبت نے ہمارے درمیان جگہ بنائی۔ ہم نے آپ کو نہیں چھوڑا وہ ساتھ درج ہی نہیں تھا غالباً کہیں بھی نہیں مگر اس کے باوجود بھی جب آپ کو ضرورت پڑی تو ہم نے اس شادی شدہ زندگی ہونے کے باوجود آپ سے نکاح کیا آپ کو سہارا دیا۔ ہم نے فاطمہ پر آپ کو مسلط کیا کیونکہ وہ پہلی بیوی تھیں۔ وہ دوسرے نکاح پر احتجاج کرسکتی تھیں مگر آفرین ہے ان پر انہوں نے اس رشتے کو قبول کیا کیونکہ ان کے دل میں ہمارے لیے محبت تھی۔ یہ محبت بہت وسعت دیتی ہے دل کو اتنی گنجائش فقط محبت میں ہوتی ہے۔ بہرحال ہم شرمندہ ہیں آپ کو اس درجہ تکلیف پہنچی یا آپ کا دل دکھایا۔ ہم معذرت چاہتے ہیں۔" وقار الحق نے مدھم لہجے میں کہا تو دوسری طرف سے سسکیوں کی آواز کے ساتھ سلسلہ منقطع کردیا گیا تھا۔ وقار الحق ریسیور ہاتھ میں تھامے کھڑے رہ گئے۔

وہ جنت بی بی کی سوچ بدل پائے تھے کہ نہیں مگر انہوں نے اس قصے کو سمیٹنا ضرور چاہا تھا۔ اگر ان کی نرمی سے ان تین میں سے کوئی ایک زندگی بدل بھی سکتی تھی تو وہ اس کے لیے کوشش کرنا چاہتے تھے۔



محبت واجب

محبت لازم
قہراً جبراً
مستمر و ملحق

مربوط بہم، لامحالہ
متواتر و مسلسل

محبت بے سبب

محبت بے وجہ

محبت خوامخواہ

"ریاضتوں کا پھل کیوں ٹھکراتے ہو...... چپ چاپ جھولی بھر لیتے محمد جہانگیر۔" چاچا کرم دین کی آواز آئی۔ رجت سنگھ چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔

"اگر ہم اس طرح جھولی بھر لیں گے تو کیا یہ خود غرضی نہ ہوگی۔" رجت سنگھ نے جتایا تو کرم دین چاچا مسکرادیے۔

"جو ریاضت کی اس کا پھل کھانا کیا برا ہے بیٹا۔"

"کیا دعائیں بھی ریاضت کے زمرے میں آتی ہیں کرم دین چاچا؟" رجت سنگھ نے مبہم سا سوال پوچھا۔ کرم دین چاچا نے اسے بغور دیکھا جیسے نظروں ہی نظروں میں جانچنے کی کوشش کی اور مسکرادیے۔

"ریاضت اتقا کا عمل ہے اللہ کا خوف اور غلطی کرنے کا ڈر ہے جب آپ گناہوں سے بچے رہتے ہیں یہ مشق آپ کو اللہ سے قریب کرتی ہے دین دار بناتی ہے؟" کرم دین چاچا نے نرم لہجے میں سمجھایا۔

"ریاضت نفس روح کی پاکیزگی کے لیے سختیاں برداشت کرنا اور انجام دینا ہے کرم دین چاچا اور ہم ان ریاضتوں میں ابھی کہاں پورے اترتے ہیں۔ ہم نے اس روحانی ریاضت میں ابھی خود کو ثابت قدم ثابت نہیں کیا۔ ہم دنیا سے ہی کٹ نہیں پائے دنیاوی لذتوں سے الگ نہیں ہو پائے۔ ہم کب اس آزمائش میں پورے اترے ہیں۔" رجت سنگھ نے آہستگی سے کہا۔ کرم دین چاچا اسے بغور دیکھنے لگے۔

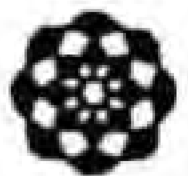
"بہر حال اس معاملے کو اللہ پر چھوڑ دینا مناسب ہے۔ تم ٹھیک کہتے ہو جہانگیر اس کا فیصلہ ہم بندے نہیں کر سکتے۔" رجت سنگھ کا ذہن الجھنے لگا۔

"اپنی غرض ساری ریاضت پر پانی پھیر دیتی ہے ناں کرم دین چاچا؟" رجت سنگھ کا لہجہ الجھا ہوا تھا' کرم دین چاچا دھیمے سے مسکرائے۔

"اس دنیا میں اپنی غرض کے بنا کون سانس لیتا ہے بیٹا، ذی روح اپنی غرض کے متعلق نہ سوچے یہ ناممکن ہے۔ انسان غرض کے بنا نہیں رہ سکتا تب ہی اللہ نے معافی کا عمل رکھا ہے۔ ہم گناہ اور غلطیاں کرتے ہیں نافرمانی کرتے ہیں اور ہمارا رب ہمیں معاف کرتا رہتا ہے۔ ناممکن ہے کہ ہم سے خطا نہ ہو۔" رجت سنگھ گہری سوچ میں ڈوبا دکھائی دیا۔

"کیا محبت ریاضت پر پانی پھیر دیتی ہے؟" رجت سنگھ نے دریافت کیا کرم دین چاچا اسے دیکھتے رہ گئے تھے۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)



یار تجھ سے تیری عشق کی کہانی

شبانہ شوکت

دعا کا ٹوٹا ہوا حرف سرد آہ میں ہے
تیری جدائی کا منظر ابھی نگاہ میں ہے
تیرے بدلنے کے باوصف تجھ کو چاہا ہے
یہ اعتراف بھی شامل میرے گناہ میں ہے

روشنیوں، اسپاٹ لائٹس، کیمروں کے فلیش اور ان رنگ برنگی روشنیوں کے جھرمٹ میں ریمپ پر چلتی وہ حسینہ جوہر کلر کی سلولیس میکسی میں اٹھلاتی، بل کھاتی، ادائے ناز سے مسکراتی جانے کتنے خرمن دل جلاتی، آگے بڑھ رہی تھی۔ لوگ دیوانہ وار نہ صرف اسے دیکھ رہے تھے بلکہ اپنے سیل فونز میں اس کی تصویریں بھی محفوظ کررہے تھے۔ ٹھنڈی آہیں بے اختیار دل سے نکل رہی تھی، عورتیں اسے رشک سے دیکھ رہی تھیں وہ اپنے حسن کی تابانیوں اور مبہوت کرنے والے جلووں سے پوری طرح آگاہ تھی، سو مسکراہٹ میں انداز دلبری و بانکپن جھلک رہا تھا۔

ارحم اور ریان بالکل سامنے کی رو میں بیٹھے تھے، ارحم نے ستائشی نظریں اس پر سے ہٹا کر ساتھ بیٹھے ریان کی طرف کیں تو وہ ساکت و جامد ایک ٹک اس حسین ماڈل کو دیکھ رہا تھا جو اب کمر پر ہاتھ ٹکائے، پوز دے رہی تھی۔ کیمرہ مین چھپاک چھپاک اس کی تصویریں کھینچ رہے تھے۔ ارحم نے حیرت سے ریان کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا۔

”بس کر ریان، کیا اس سے پہلے کوئی خوب صورت ماڈل نہیں دیکھی؟“ لیکن وہ ہنوز سکتے میں رہا۔

”ریان......“ اس بار ارحم نے ہاتھ پکڑ کر جھنجھوڑا۔

”آں......ہاں۔“ وہ ہڑبڑا کر حواسوں میں لوٹا۔

”صد شکر کہ تیرا سکتہ ٹوٹا، کچھ زیادہ ہی من کو بھا گئی ہے کیا؟“ ارحم نے تو از راہ تفنن کہا تھا لیکن ریان کے اجنبی سے تاثرات دیکھ کر الجھ سا گیا۔

”کیا ہوگیا ہے ریان؟“ اس نے ریان کے کندھے کو نرمی سے سہلایا۔

”کچھ نہیں، کچھ بھی تو نہیں۔“ ریان نے مسکرانے کی کوشش کی اور ارحم کو اس کی مسکراہٹ اور آواز بے حد اجنبی محسوس ہوئی تھی۔

❁......❁......❁......❁

تیز جگمگاتی لائٹس میں فاریہ دیدہ زیب لباس میں ملبوس ایک خوب صورت مسکراہٹ کے ساتھ اسٹیج پر جلوہ افروز ہوئی اور ریمپ پر چلتی ہوئی سامنے آئی، اسے دیکھتے ہی ہال تالیوں اور سیٹیوں سے گونج اٹھا، لوگ اپنے اپنے فونز کے کیمرے آن کیے ان کی تصاویر لے رہے تھے۔ کئی منچلے سیلفی میں اس کے ساتھ نظر آنے کے چکر میں گر رہے تھے، وہ جیسے ہی ریمپ کے آخر تک پہنچی اس کا چہرہ اسپاٹ لائٹس اور کیمروں کے فلیش سے جگمگانے لگا، کیمرہ مین اس کی تصاویر لینے کے لیے ایک دوسرے کو دھکے دے رہے تھے کہ کسی طرح اس کی ہر پل کو محفوظ کرسکیں۔

فاریہ کے ہونٹوں پر فخریہ اور کسی قدر مغرور مسکان ہوتی

ہے اور وہ ایک ادا سے بال جھٹک کر پیچھے کرتی ہے کہ اسے نسوانی پکار سنائی دیتی ہے، وہ ہجوم میں آواز پہچاننے کے لیے اِدھر اُدھر دیکھتی ہے کہ پھر سے اسے وہی آواز سنائی دیتی ہے، اس کی مسکراہٹ پریشانی میں بدلنے لگتی ہے۔ وہ پریشانی میں گھوم کر آواز دینے والی کو ڈھونڈنے کی کوشش میں آگے بڑھتی ہے۔ میڈیا والے اس کے پریشان تاثرات کو بھی کیچ کرنے کے لیے پہلے سے زیادہ تصاویر کھینچنے لگتے ہیں، فاریہ کے کندھے پر ایک ہاتھ آ کر رکا اور وہ جھٹکے سے پلٹی۔

”آہ......“

”اٹھ بھی جا فاریہ، کب سے جگا رہی ہوں۔“ وہ اماں تھیں جو اسے جگانے کے لیے آئی تھیں۔ فاریہ نے آنکھیں کھولتے ہوئے اردگرد پھر چادر اپنے اوپر سے ہٹاتے ہوئے اپنے سادہ لباس اور عام سے حلیے کو دیکھا، اس کے لب بے ساختہ بھینچ گئے۔

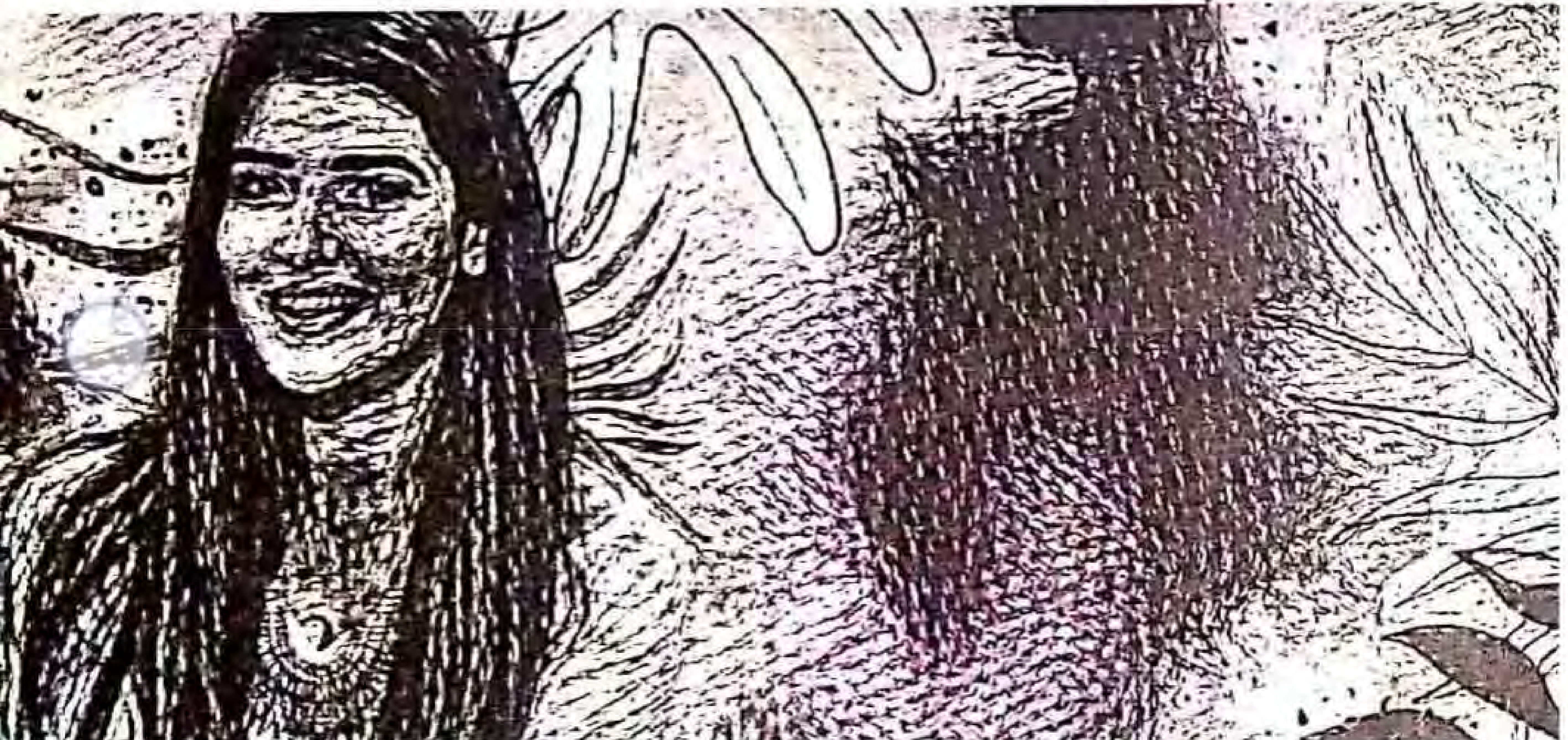
”تو یہ خواب تھا؟“

”اب اٹھ جا، کیا سوچنے لگی ہے؟“

”آپ کبھی میرا ماڈلنگ کا شوق پورا نہیں ہونے دینا، جب جہاں اور جیسے میرا فوٹو سیشن اسٹارٹ ہوتا ہے آپ آجاتی ہیں میرے سویٹ ڈریمز کا ستیاناس کرنے۔“ وہ جھلا کر اماں سے مخاطب ہوئی اور آگے سے بے بھاؤ کی سننی پڑیں۔

”بڑی آئی سویٹ ڈریمز والی۔“ وہ شروع ہوتیں تو چپ کروانا مسئلہ۔ وہ چادر پھینک کر اٹھ بیٹھی۔ اسے ڈراموں فلموں کا بے تحاشہ شوق تھا بلکہ یہ اس کا واحد شوق تھا جو جنون کی حد تک پہنچا گیا تھا، کوئی فلم ایسی نہ تھی جو فاریہ نے نا دیکھی ہو، ڈرامے نا صرف دیکھتی بلکہ شیشے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنی پسندیدہ اداکارہ کی نقل بھی اتارتی، اس کی کزن علیزے ٹی وی ڈراموں میں بطور سائیڈ کریکٹر میں کام کرتی اور وہ واحد کزن تھی جسے فاریہ خود فون کر کے کرید کرید کر ہر بات پوچھتی تھی۔

”فاریہ او فاریہ، اٹھ جا اب، چل وہاں کوٹھی میں عنایہ بی بی تیرا انتظار کر رہی ہوگی۔“ اماں کو معلوم تھا کہ وہ اور کسی طرح نہ سہی لیکن عنایہ کے نام پر فوراً اٹھ جائے گی۔ عنایہ



سے اور اس کے گھر سے فاریہ کو شدید محبت تھی، لیکن کیا کرتی کہ صبح کی نیند تھی اور اماں لسے یہ محبت ہرگز نبھانے نہیں دیتی تھیں، اب بھی ان کی دھاڑ اس کے عین سر پر گونجی تھی۔

"اٹھتی ہے کہ لگاؤں ایک۔" اور کچھ دیر گزرتی کہ وہ اپنی بات پر عمل کر گزرتیں، فاریہ فوری مکمل طور پر اٹھ بیٹھتی۔

"چائے بنا دوں؟" اماں نے پوچھا۔

"نہیں، وہیں عنایہ کے ساتھ پی لوں گی۔" وہ اٹھ کر واش روم میں چلی گئی تھی۔



"آؤ فاریہ، میں نے ابھی ناشتہ بنوایا ہے۔" عنایہ کرسی پر بیٹھی مسکرا رہی تھی، وہ ہمیشہ یونہی ہنستی، مسکراتی رہتی تھی، وہ بہت پیاری عادات کی مالک تھی۔

"تم ابھی اٹھی ہو؟" وہ فاریہ کی آنکھیں دیکھ کر مسکرائی، جن میں ابھی بھی نیند بھری ہوئی تھی۔ وہ آ کر اس کے پاس کرسی پر بیٹھ گئی۔

"تم کب اٹھیں؟"

"ارلی مارننگ، پہلے واک کی پھر ٹریڈمل پر رننگ اور اب شاور لے کر ناشتے کے لیے آئی ہوں۔" اماں اپنے کاموں میں مصروف ہوگئی تھیں، فاریہ، عنایہ کے ساتھ ناشتہ کر رہی تھی، جب اس نے اچانک کہا۔

"یار فاریہ، ماسٹرز کے لیے ایڈمیشن شروع ہونے والے ہیں۔" فاریہ کے ہاتھ میں چائے کا کپ لرزا۔

"تو تم لے رہی ہو ایڈمیشن؟" اس نے لہجے کو ہلکا پھلکا رکھ کر پوچھا۔ عنایہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"میں لے رہی ہوں سے کیا مطلب؟ ہم دونوں چل رہی ہیں ایڈمیشن لینے۔"

"نہیں عنایہ پلیز، گریجویشن کافی ہے۔"

"نہیں ہرگز نہیں، ہم دونوں ماسٹرز کریں گے، کچھ بن کر دکھائیں گے۔" عنایہ نے کپ ساسر میں رکھا اور عزم سے مکا ہوا میں لہرایا، فاریہ ہنس دی۔

"کس کو دکھائیں گے؟"

"زمانے کو اور کس کو؟" عنایہ نے خفگی سے اسے دیکھا۔

"زمانے کو اور کوئی کام نہیں سوائے ہمیں کچھ "بنا" دیکھنے کے۔"

"دیکھنے والی چیزوں کو دیکھا ہی جاتا ہے۔" عنایہ نے تن کر فاخرانہ لہجے میں کہا تو فاریہ کھلکھلائی۔

"تو بس کل ہی میں پرا سپیکٹس منگواتی ہوں پھر دیکھتے ہیں کہاں؟"

"پلیز عنایہ، مجھے اتنا شرمندہ نہ کرو کہ میں کبھی تمہارے سامنے سر ہی نہ اٹھا سکوں۔ مت کرو مجھ پر اتنے احسان۔" فاریہ نے ایک دم دونوں ہاتھ اس کے سامنے جوڑے اور آنسوؤں سے اس کے گال تر ہو گئے تھے۔ عنایہ کچھ دیر حرکت کے قابل ہی نہیں رہی تھی پھر ایک دم ہوش میں آتے ہوئے چلائی۔

"تم اپنے سینسز میں ہی نہیں ہو، جب میں نے ایک جینٹل پرامس کیا تھا۔ جہاں میں وہاں تم تو پھر یہ کیوں؟" وہ اٹھ کر اس کے پاس آئی اور اس کے آنسو ٹشو سے صاف کیے۔

"اوکے بس۔"

"لیکن یہ بہت زیادہ ہے، یونی کی اسٹڈیز بہت مہنگی ہوتی ہے۔"

"تو، ڈزنٹ میٹر، ڈیڈ لوگوں کی ٹرسٹ کی تو......"

"تو میں تمہاری دوست رہنا چاہتی ہوں، تمہارے احسانات تلے دبی، مرجھائی ہوئی......"

"بس کردو پلیز...... احسانات، احسانات، کیا رٹ لگائی ہوئی ہے۔ تم میری بیسٹ فرینڈ ہو اور بس، فضول کچھ بولنے کی ضرورت نہیں۔" عنایہ نے اب اسے جھڑکا۔

اس کے ڈیڈ خواجہ ارشد رشید ملک کے بہت بڑے صنعت کار تھے۔ وہ بہت سے اداروں اور مستحقین کو ہر ماہ امدادی رقوم بھجواتے تھے۔ فاریہ بہت چھوٹی تھی۔ جب اپنی اماں کے ساتھ ان کی کوٹھی میں آئی تھی۔ نصرت یعنی فاریہ کی اماں اور ابا اکرم بہت خوب صورت تھے۔ ان کا خاندان ہی خوب صورت تھا تو وہ بھی اسی خوب صورتی میں حصہ دار تھے۔ دونوں ایک دوسرے کے چچازاد تھے۔ شکل وصورت

اور رنگت نوابوں والی اور نصیب فقیروں والے۔ تنگ دستی، بدحالی، غربت نے اکرم کے ساتھ نصرت کو بھی گھر سے نکلنے پر مجبور کردیا تھا۔ چار بچے تھے، تین بیٹے اور ایک بیٹی جو ماں، باپ کی طرح خوب صورت تھے۔ عنایہ کو اپنی ہم عمر فاریہ اتنی بھائی کہ وہ اسے اپنے ساتھ اسکول لے جانے پر بضد ہوگئی۔ آٹھویں کلاس تک اسے بہلا پھسلا کرٹالا جاتا رہا لیکن جونیئر کیمبرج میں اس نے فاریہ کے بغیر جانے سے انکار کردیا تھا پھر ربیعہ، ارشد کو نصرت سے کہنا پڑا کہ وہ فاریہ کو عنایہ کے ساتھ جانے دیں، نصرت، بہت گھبرا رہی تھی۔ کہاں ان غریبوں کی بیٹی جو گلی محلے کے اسکول سے پڑھنے والی اور کہاں اتنے مہنگے اسکول میں پڑھنے والی عنایہ بی بی جس کی ایک ماہ کی فیس سے ان کا مہینہ بھر کا خرچہ نکل آتا۔ اب بھلا فاریہ کس طرح عادی ہو پائے گی اور پھر خواجہ صاحب کا اتنا احسان لیکن عنایہ نہ صرف فاریہ کو اپنے ساتھ اسکول لے جانے لگی بلکہ اپنی ٹیوٹر سے ہی ٹیوشن بھی پڑھوانے لگی۔

کچھ ہی ماہ میں فاریہ تیزی سے امپروو کرنے لگی اور سینئر کیمبرج تک تو وہ عنایہ ہی کی طرح ہر چیز پر عبور حاصل کرچکی تھی۔ عنایہ اس کے لباس، جوتوں اور بیگز کا بھی خیال رکھتی اور کالج میں اسے اپنی کزن کہا کرتی تھی، فاریہ کو اس سے شدید محبت تھی اور ہر گزرتے دن کے ساتھ یہ محبت بڑھتی جارہی تھی۔ عنایہ تھی ہی اس قابل کہ اس سے محبت کی جائے اور فاریہ بخوبی یہ کام کررہی تھی، وہ بس یہی کرسکتی تھی۔



"یار...... میری تو سونے، جاگنے کی ٹائمنگز ہی سیٹ نہیں ہورہیں، اب اللہ اللہ کرکے کچھ عادت بنی ہے تو دیکھتا ہوں کب کلب جوائن کرتا ہوں۔" ریان نے بیزاری سے کشن دور پھینکا، اتنے سال امریکہ میں رہ کر، تعلیم حاصل کرکے، بزنس کورسز کرنے کے بعد وہیں ملازمت بھی مل گئی تھی لیکن ذیشان صاحب نے اسے اصرار کرکے واپس بلایا تھا۔ وہ کتنی مشکل سے خود کو پاکستان آنے پر راضی کرپایا تھا کہ امریکہ جیسے جدید ملک میں رہ کر اسے اپنا وطن کسی طرح متاثر نہیں کرپارہا تھا۔ یہ اس کا نہیں اکثریت کا مسئلہ تھا جو حصول علم کے لیے ترقی یافتہ ممالک میں چلے تو جاتے ہیں پھر اس کی خوب صورتی انہیں یوں جکڑتی ہے کہ وطن واپسی کا راستہ بھول جاتے ہیں۔

اب ارحم اور عالیان اسے کلب جوائن کرنے کا کہہ رہے تھے تاکہ وہاں وہ جم اور دیگر مشاغل میں بھی شریک ہوسکے۔ لیکن اس کا ابھی دل نہیں مان رہا تھا۔ بیزاری سی کیفیت چھائی رہتی تھی۔ دوسری طرف ڈیڈ اسے اپنے دفتر لے کر جاتے کہ وہ یہاں کے بزنس کو سمجھ سکے۔ کسی وقت بڑی توجہ سے کام کرتا اور کبھی وہی اکتاہٹ و بے زاری اسے مضمحل کردیتی تھی۔ کچھ ہی دیر میں وہ دونوں اس کے پاس گھر آ پہنچے تھے۔

"اٹھو یار کہیں چلیں، انجوائے کریں۔ ایسے میں تو اچھا بھلا بندہ ڈل ہوجائے۔" علیان نے زبردستی اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھالیا۔ دونوں اسے زبردستی کلب لے آئے اور کسی حد تک اس کا دل بہل بھی گیا تھا۔



عنایہ نے فاریہ کو اپنے ساتھ یونی میں داخلہ دلوایا تھا۔ وہ اکلوتی بیٹی تھی خواجہ ارشد کی، ایک بیٹا تھا وہ آسٹریلیا میں تھا۔ تعلیم کے لیے اور اب تک واپس نہیں آیا تھا۔ اس لیے ایک عنایہ ہی تھی جو سارے گھر پر راج کررہی تھی۔ دونوں ساتھ یونی جانے لگیں، فاریہ کی تو حقیقت میں زندگی بالکل بدل گئی تھی۔ اتنی خوب صورت دنیا تھی یونیورسٹی کی کہ اس کا دل چاہتا کہ وہ اسی عمر کے مدار میں قید ہوکر اس یونیورسٹی میں ہی بقیہ زندگی تمام کردے۔ خوب صورت تو تھی ہی، جدید ملبوسات اور عنایہ کے ساتھ بیوٹی سیلون کے نکھار نے اسے وہ رنگ روپ دیا کہ اماں تو اس پر پڑھ پڑھ کر پھونکتی نا تھکتی تھیں کہ اسے کہیں نظر نہ لگ جائے، اس کے اچھے نصیبوں کی دعائیں مانگ مانگ کر ان کا منہ سوکھتا جاتا، عنایہ نے اسے ایسا جو بنادیا تھا۔ اس کے بعد وہ اپنے خاندان کے کسی لڑکے سے بیاہنے کا سوچ بھی نہیں سکتی

تھیں۔ کوئی لڑکا اس قابل تھا کہاں، کبھی کبھی اکرم اسی پریشانی کا تذکرہ بھی کرتا تھا۔

''بھلی لوکے، اب فاریہ کی شادی کہاں کریں گے ہم؟''

''ہم نے اور کیا کچھ کیا ہے اس کے لیے کہ اس کی شادی کے لیے پریشان ہوں۔ اللہ نے اس کے نصیب میں اتنی اچھی تعلیم اور اتنی خوشیاں لکھی ہیں تو آگے کے لیے بھی اچھا ہی رکھا ہوگا ان شاءاللہ۔'' نصرت نے یقین محکم سے خوش گمانی کو دل میں جگہ دی تھی۔



''ایک تو مجھے تمہاری سمجھ نہیں آتی علی، ڈاکٹر بننے کے بعد ڈائریکشن میں آنا آئی کین انڈراسٹینڈ۔'' جاذب نے سر جھٹکا۔ علی نے کشن اس پر پھینکا اور اٹھ گیا۔

''کافی پیو گے؟''

''نیکی اور پوچھ پوچھ۔'' جاذب ابھی ابھی پاکستان کا چکر لگا کر آیا تھا۔ اس لیے اردو محاورے بڑے تسلسل سے بولنے لگا تھا۔ علی نے مسکراہٹ دبائی اور کافی میکر میں پانی اور کافی ڈال کر کافی تیار ہونے کا انتظار کرنے لگا تھا۔

''یار، اب ایک چیز مجھے بچپن سے فیسی نیٹ کرتی ہے تو جب چانس مل رہا ہے تو میں اسے کیسے چھوڑ دوں، بس امریکا آنے کے لیے ڈیڈ سے پرمیشن لینا تھوڑا ہارڈ تھا بٹ اینی ویز مل ہی گئی پرمیشن، اب یہاں سے ڈائریکشن سیکھنا اور پاکستان میں کام کرنا، کتنا شاندار ہوگا اور پھر اپنے ملک کے لیے ہی تو کر رہا ہوں۔''

''میڈیکل کی ایجوکیشن اور ڈگری کو لپیٹ کر رکھ دو گے؟''

''نہیں، بس پریکٹس ہوجائے تو دونوں کو برابر ٹائم دوں گا تھوڑا ادھر ادھر۔'' وہ کافی کپوں میں انڈیل رہا تھا، جاذب کو ہنسی آ گئی۔

''کیا یہ تیری بیویاں ہیں جنہیں ٹائم ڈسٹری بیوٹ کر کے دے گا۔''

''ہاہاہا۔'' علی نے اس کی مثال پر زوردار قہقہہ لگایا تھا۔



''ریان، کل تمہیں ہمارے ساتھ ایک گیدرنگ میں چلنا ہے آئی ہوپ تم انجوائے کرو گے۔'' ڈیڈ کی بات پر اس نے سر جھٹکا، وہ سب کھانے کے لیے طعام گاہ میں موجود تھے۔

''کیا ہوا؟''

''دیکھتا ہوں، کل کوئی اپوائنٹمنٹ تو نہیں۔''

''کوئی اپوائنٹمنٹ نہیں، مجھے معلوم ہے۔'' وہ مسکرائے تو ممی بھی مسکرا دیں۔

''اوکے ڈیڈ۔'' اس نے ہتھیار ڈالے۔ وہ دونوں ہنس دیے۔

''یار ایک بچی مجھے اس قدر پسند ہے، میں چاہتا ہوں تم اس سے مل لو، اگر تمہیں اچھی لگے تو بات آگے بڑھائی جائے۔''

''اوہ..... ڈیڈ۔'' وہ جھلایا۔

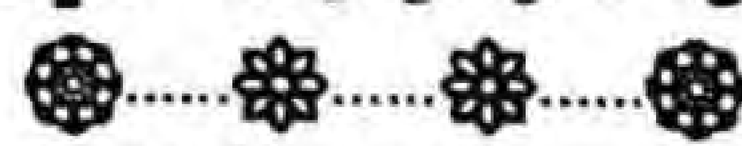
''یہ بھی کوئی طریقہ ہے لڑکیاں پسند کرنے کا؟''

''تو حرج بھی کیا ہے اگر اس طرح پسند کرلی جائیں تو؟'' وہ سنجیدہ ہوئے۔

''حرج نہیں ہے ڈیڈ، والدین بیٹے کے لیے لڑکی پسند کرلیں تو ان کی خواہش ہوتی ہے کہ بیٹا بھی اسے پسند کرلے، چاہے اسے پسند آئے یا نہیں تو میرے لیے یہ بہت مشکل ہے کہ میں کسی کو پسند نا کروں اور آپ کی خوشی کے لیے جھوٹ بول دوں، ایسے لائف پارٹنر کے ساتھ زندگی کیسے گزاری جاسکتی ہے؟'' وہ صاف گوئی سے بولا۔

''وہ تمہیں پسند آئے گی اور اگر نہیں آئی تو میں تمہیں فورس ہرگز نہیں کروں گا۔''

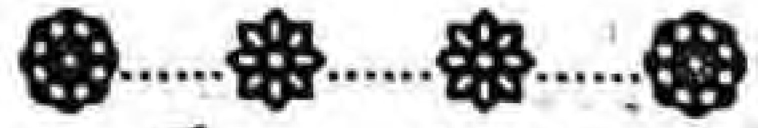
''اوکے ڈن۔'' وہ بھی خوش دلی سے مسکرا دیا تھا۔



ڈارک گرے ڈنر سوٹ میں بالوں کو جیل سے نیا لک اور اسٹائل دیے وہ بہت شاندار لگ رہا تھا، جتنا لگنا چاہیے تھا، مام اور ڈیڈ اسے دیکھ کر محبت سے مسکرائے۔

''اس کا حلیہ تو بتا دیں اسے۔'' مام کو شرارت سوجھی۔

"ہاں، سلم، اسمارٹ، گوری چٹی اور ہنی کلرڈ بال اور آنکھیں......" ڈیڈ کے بتانے پر وہ اور مام دونوں ہنس دیے تھے۔



"ہیلو، آر یو ریان؟" وہ ایک میز پر کچھ جاننے والوں کے ساتھ بیٹھا ملکی سیاست پر تبصرہ کررہا تھا کہ نزدیک سے آتی نسوانی آواز پر چونکا۔ صرف نگاہ اٹھا کر دیکھا اور نگاہ وہیں جم کر رہ گئیں۔ کاپر کلر کی میکسی میں، میچنگ جیولری، شہد رنگ بالوں اور آنکھوں کے ساتھ نفاست سے کیے میک اپ نے اس کی خوب صورتی کو ایسا نکھار دیا تھا کہ ریان سے پلک جھپکنا مشکل ہوگیا تھا۔ وہ جو کب سے لڑکیوں کے رنگ برنگے ہیئر اور آئیز کلرز جو سراسر کانٹیکٹ لینس کے مرہون منت ہوتے تھے، دیکھ دیکھ کر اکتایا گیا تھا۔ یہ سب تو وہ مغربی لڑکیوں میں بھی دیکھ کر آیا تھا اور یہ مشرقی لڑکیاں اپنا حسن خود اس نقالی کے ہاتھوں برباد کررہی تھیں اور اب یہ لڑکی، اس کے کانوں سے ڈیڈ کی آواز ٹکرائی۔

"ہنی کلرڈ ہیئر اینڈ آئیز۔" وہ بے اختیار اٹھ کھڑا ہوا۔

"یس آئی ایم، نائس ٹو میٹ یو۔" اس نے اپنا دودھیا سفید ہاتھ مصافحے کے لیے آگے بڑھایا۔ ریان مبہم سا مسکرایا اور نرمی سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"یور گڈ نیم پلیز۔"

"فاریہ اکرم۔" اس نے ہاتھ کھینچا، ریان نے ہلکا سا دبا کر چھوڑ دیا۔

"آئیں آپ کو اندر بلایا جارہا ہے۔" وہ مسکراتی ہوئی اندر کی جانب اشارہ کرتی خود بھی مڑ گئی، ریان کوٹ ٹھیک کرتا اس کے پیچھے چل پڑا وہ اس کے آگے چل رہی تھی، اس کی چال بہت خوب صورت تھی، ہر قدم کے ساتھ اس کے خوب صورت، تراشیدہ، شہد رنگ بال ہلکورے لے رہے تھے، وہ سراپا حسن تھی، ریان کے دل کی سرحد تک کبھی کوئی لڑکی اس طرح نہیں پہنچی تھی جبکہ یہ تو ساری حدود پھلانگتی دل کے اندر جا کر بیٹھ گئی تھی، کسی حکمراں ملکہ کی طرح، بڑے طمطراق سے، بڑی شان سے، وہ اسے لیے ڈرائنگ روم میں آ گئی، جہاں ریان کے والدین کے علاوہ بھی کچھ اور لوگ موجود تھے۔

"آؤ...... بیٹھو۔" مام نے پیار سے کہتے ہوئے اس کا تعارف کروایا، وہاں موجود لوگ خواجہ ارشد اور ان کی بیگم کے علاوہ ان کے گھر کے دیگر افراد بھی تھے۔ خواجہ صاحب نے اس سے خیر خیریت پوچھی، رسمی جملوں کے تبادلے کے بعد کمرے میں وہی لڑکی اور اس کے ساتھ ایک اور خوب صورت لڑکی داخل ہوئیں۔

"یہ میری بیٹی ہے عنایہ۔" انہوں نے نئی آنے والی لڑکی کی طرف اشارہ کیا، وہ بھی ریان کی طرف دیکھ کر مسکرائی تھی، بلاشبہ بہت خوب صورت تھی وہ، ڈارک براؤن بال لیئرز میں کٹے ہوئے، سفید رنگت، بڑی بڑی روشن چمک دار ڈارک براؤن آنکھیں، وائٹ کلر کی میکسی میں ملبوس نازک سی جیولری اور میک اپ کے ذریعے وہ کسی کو بھی مسحور کرسکتی تھی لیکن ریان کو نہیں۔

وہ ایک نظر اسے دیکھ کر اس کے برابر میں کھڑی ساحرہ کے سحر میں پھر سے جکڑ گیا تھا۔ اسے یہ بھی یاد نہیں رہا کہ ممی نے تو اسے خواجہ صاحب کی بیٹی کے ہنی کلرڈ بال اور آنکھیں بتائے تھے اور یہاں جو لڑکی ان کے بتائے ہوئے حلیے پر پوری اتر رہی تھی وہ جانے ان کی کیا لگتی تھی یا دوسری بیٹی تھی۔

"آؤ بیٹھو عنایہ، کچھ بات کرو۔" مام نے محبت سے پکارا تو وہ آ کر ان کے پاس بیٹھ گئی، دوسری ساحرہ پلٹ کر باہر چلی گئی اور ریان کی ڈرائنگ روم سے دلچسپی ایک دم ختم ہوگئی تھی۔ وہ فون دیکھنے لگا کہ ڈیڈ نے کھنکار کر اسے متوجہ کیا۔

"ریان تم عنایہ سے کچھ بات کرنا چاہو گے؟" یہ اصل میں وارننگ تھی کہ جس کام کے لیے آئے ہیں اس پر دھیان دو۔ ریان نے گہری سانس لیتے ہوئے فون کوٹ کی جیب میں رکھا اور عنایہ کو دیکھ کر زبردستی مسکراہٹ لبوں پر سجائی۔

"کیا معروفیات ہیں آپ کی؟" وہ اسے اپنی مصروفیات سے آگاہ کرنے لگی۔ خواجہ صاحب نے بھی ریان سے چند سوالات پوچھے پھر پُرتکلف ڈنر پر یہ میٹنگ ختم ہوگئی تھی۔



علی نہ صرف ڈائریکشن میں ماہر ہوگیا تھا بلکہ کئی پروجیکٹس حاصل کرنے میں بھی کامیاب رہا تھا، اسے ایک بڑے ڈائریکٹر کے ساتھ ٹی وی ڈراما بنانے کا موقع ملا تھا اور اس نے اپنی پوری جان لگادی تھی۔ امریکن ڈائریکٹر اس کی محنت سے بہت خوش ہوا تھا۔

"ایک ایشین لڑکی آئی ہے ایڈ میں ماڈلنگ کے لیے لیکن مجھے ہیری نے کہا ہے کہ وہ ڈرامے کے لیے بھی بہتر ہے، نیچرل ایکٹنگ کرتی ہے۔"

"واؤ...... یہ تو اچھی بات ہے۔"

"میں کل اسے ملوانے کا کہتا ہوں پھر تم بھی اسے دیکھ لینا کہ اس پر کچھ کام کرنا پڑے گا یا وہ بنی بنائی اداکارہ ہے۔"

"ٹھیک ہے، میں دیکھ لوں گا۔" دوسرے دن اس کی ملاقات وانیہ سے ہوئی وہ ایشین تو تھی ہی لیکن بلا کی خوب صورت اور پُراعتماد بھی نکلی، علی کو جانے کیوں وہ دیکھی دیکھی لگی تھی۔

"تم کس کنٹری سے ہو؟" اس نے ابرو اٹھا کر علی کو دیکھا اور مختصر جواب دیا۔

"پاکستان......" علی کو پاکستان کی ترقی نے واقعی متاثر کیا۔ وہ کافی عرصے سے اپنے ملک نہیں گیا تھا۔

"خوشی ہوئی سن کر۔" رسمی جملہ بول کر وہ اس کا آڈیشن لینے لگا، وہ ہر لحاظ سے ایک مکمل اداکارہ تھی، اس نے تحسین آمیز نظروں سے اسے دیکھا اور اسے منتخب کرلیا تھا۔



"تمہیں عنایہ کیسی لگی ریان؟" مام نے بڑے اشتیاق سے اس سے پوچھا۔ وہ چائے پی رہا تھا کپ میز پر رکھ کر انہیں دیکھا۔

"مام آپ نے اور ڈیڈ نے کہا تھا ناں کہ آپ مجھے پریشرائز نہیں کریں گے؟"

"ہاں...... بالکل کہا تھا پر ہوا کیا؟" وہ حیران ہوئیں۔

"تو ہوا یہ کہ مجھے دوسری لڑکی زیادہ پسند آئی ہے۔" اس نے آرام سے کہہ کر چائے کا کپ پھر سے اٹھا کر لبوں سے لگالیا تو مسز ذیشان کو تو لاؤنج کی چھت اپنے سر پر گرتی محسوس ہوئی۔

"دوسری لڑکی......! وہ فاریہ؟"

"نام نہیں معلوم بلکہ ہاں بتایا تھا اس نے، اوکے فاریہ...... نائس۔" اس نے ان کی حالت سے بے خبر چٹکی بجا کر اس کے نام کو سراہا اور عالیہ بیگم کو لگ رہا تھا وہ چکرا گئی ہیں۔

"وہ تو ان کے ملازم کی بیٹی ہے۔"

"واٹ......؟" ایک لمحے کو ریان ششدر ہوا۔ "سو واٹ۔" کچھ دیر کے بعد اس نے کندھے اچکائے لیکن عالیہ بیگم اس بات کو اتنا ہلکا لینے والی نہیں تھیں۔

"تمہارا کیا مطلب ہے، ہم اب ملازموں سے ریلیشن بنائیں گے...... اتنا لو اسٹینڈرڈ ہوگیا ہے کیا اب ہمارا؟" ان کی آواز میں تلخی و بدگمانی شامل ہوئی۔

"کم آن مام...... اب یہ چیز اتنی بھی اہم نہیں، لڑکی بہت شاندار ہے، مجھے تو کہیں سے بھی وہ ملازمہ نہیں لگی۔" اس کے کندھے اچکا کر کہنے پر عالیہ بیگم نے اسے طنزیہ دیکھا۔

"یہ سب عنایہ کی نرم مزاجی کی وجہ سے ہوا ہے اس نے اس کو اپنے ساتھ پڑھایا، لکھایا، اپنے جیسا لباس پہنا کر اس کی شناخت ہی ختم کردی کہ وہ ملازمہ ہے یا اس کی ہم پلہ لڑکی۔ ورنہ یہ نوبت کیوں آتی کہ تم عنایہ کی جگہ اسے پسند کرتے۔" ان کا لہجہ زہر خند ہوا تو ریان نے افسوس سے انہیں دیکھا۔

"کسی انسان کے لیے یہ لہجہ اور الفاظ مناسب نہیں مام اور آپ ہی نے مجھے کہا تھا کہ ہنی کلرڈ آنکھیں اور بال ہیں۔ اس لڑکی کے اور وہ آئی تو میں سمجھا یہ وہی ہے جس کے بارے میں آپ نے بات کی تھی۔"

"اوہ......!" انہوں نے سر تھام لیا۔

"یہ آج کل کی لڑکیاں بھی ناں، پچھلی بار میں نے دیکھا تو عنایہ کے بال اور آنکھیں ہنی کلرڈ تھے اور آج ڈارک براؤن اور اُس فاریہ کے ہنی کلر کے، ایسے فیشن نے تو سب کو الجھا دیا ہے۔ اب مجھے یہ تک علم نہیں کہ عنایہ کے بالوں اور آنکھوں کا قدرتی رنگ کون سا ہے؟" ریان بے ساختہ ہنس دیا۔

"پھر بتائیں میرا کیا قصور؟"

"خیر تم عنایہ کے بارے میں سوچو، مجھے وہ بچی بہت پسند ہے اور تمہارے ڈیڈ کو بھی۔"

"پھر والدین کہتے ہیں ہم بچوں کی مرضی سے ان کی شادی کرتے ہیں اپنی پسند ان پر نہیں ٹھونستے اور اصل میں باقاعدہ ذہن بنا رہے ہوتے ہیں کہ یہ لڑکی پسند کرنی ہے اور دوسرا کسی کی طرف نہیں دیکھنا۔" ریان انہیں دیکھ کر رہ گیا تھا۔



"عنایہ تمہیں کیسا لگا ریان؟" فاریہ نے اشتیاق سے پوچھا عنایہ بالوں میں برش کر رہی تھی، ہاتھ روک کر اسے دیکھا اور ہلکی سی مسکراہٹ لبوں پر بکھر گئی تھی، ریان کی خوب صورت شخصیت آنکھوں کے سامنے چھم سے اتری تھی، فاریہ نے بغور اس کی مسکراہٹ کا جائزہ لیا اور تفہیمی انداز میں سر ہلایا۔

"ہوں......"

"کیا ہوں؟" عنایہ نے مسکراہٹ چھپا کر اسے گھورنے کی ناکام کوشش کی لیکن فاریہ کو آنکھیں گھماتے دیکھ کر ہنسی آ گئی۔

"تو یہ بات ہے۔" وہ ٹھوڑی پر انگلی رکھ کر پُرسوچ انداز میں بولی۔

"کیا بات یار اچھے ہیں تو اچھے ہی لگیں گے ناں۔"

"اوہ......!" فاریہ کا اوہ خاصا طویل تھا۔

"اچھے ہیں۔"

"ابھی سے اتنی عزت واہ...... واہ......"

"توبہ ہے تم سے۔" عنایہ کھلکھلائی۔

"آج میں انکل، آنٹی کے ساتھ ان کے گھر جا رہی ہوں پھر تمہیں آ کر تفصیل سے سب بتاؤں گی...... ٹھیک ہے ناں۔"

"اوکے۔" عنایہ نے دوبارہ برش کرنا شروع کر دیا۔ ان لوگوں کی طرف سے عنایہ کو پسندیدگی کی سند دینے کے بعد انہیں اپنی طرف آنے کی دعوت دی گئی تھی، شام کو فاریہ لیمن اور پنک پرنٹڈ شرٹ اور دوپٹے کے ساتھ وائٹ ٹراوزر میں ملبوس ریان کے گھر پہنچی تھی۔ ریان بلیک شرٹ اور آف وہائٹ پینٹ میں ملبوس بہت خوب صورت لگ رہا تھا، فاریہ نے مسکرا کر اسے بوکے پیش کیا۔ خوب صورت پھولوں کے پس منظر میں مسکراتی ہوئی فاریہ ہلکے پھلکے میک اپ میں کس قدر خوب صورت اور دل میں اترتی محسوس ہو رہی تھی کہ ریان کی نظریں اس پر جمی ہی رہ گئی تھی۔

"آیئے اندر چلتے ہیں۔" مام نے انہیں اندر چلنے کا کہا اور ساتھ لیے آگے بڑھیں، ریان گہری سانس لیتا پیچھے آیا۔ کیا فرق پڑتا تھا کہ وہ کس حیثیت میں تھی، ملازم کی بیٹی یا کسی صنعت کار کی، اہم تو یہ تھا کہ وہ چھا جانے کی صلاحیت سے مالا مال تھی۔ جب جب وہ سامنے آتی سب کچھ پس منظر میں چلا جاتا تھا بشمول انسانوں کے۔ وہ اپنی بے بس کیفیت پر ہونٹ بھینچتا اندر آ گیا، ڈرائنگ روم میں وہ مام کے پاس بیٹھی تھی، اس کے قریب سنگل صوفہ خالی تھا، ریان وہیں بیٹھ گیا۔ اس کے بیٹھتے ہی وہ اس کی طرف مڑی اور اس سے اس کی دلچسپی کی چیزیں اور پسند ناپسند پوچھنے لگی تو ریان جواب میں سب بتاتا رہا، وہ ایک دم بولی۔

"آپ نے یہ تو پوچھا ہی نہیں کہ عنایہ کو کیا پسند ہے؟"

"مجھے ایسا کوئی اشتیاق نہیں ہے۔" اس نے ہلکے پھلکے لہجے میں بات اڑائی تو وہ کھلکھلا کر ہنس دی، جھرنے کی گنگناہٹ، مندر کی گھنٹی اور کوئل کی کوک سب کچھ ہیچ تھا اس ہنسی اور اس کی کھلکھلاہٹ کے سامنے۔ وہ دم بخود اُن خوب صورت کٹاؤ والے ہونٹوں کو پھیلتے اور ان میں سے جھلکتے سفید دانتوں کو جھلملاتے دیکھ رہا تھا۔

فاریہ کو کسی انہونی کا احساس ہوا۔ اس کی ہنسی سمٹی پھر وہ خود بھی سمٹ کر صوفے کی پشت سے جا لگی، عورت کی عمر جب شعور کی حدود میں داخل ہو جائے تو وہ سب سے پہلے جو سمجھتی ہے وہ مرد کی خود پر پڑنے والی نگاہ ہوتی ہے۔ کس زاویے، کس نظر سے مرد نے اسے دیکھا اچھی یا بُری سے اس کے شعور تو کیا لاشعور میں بھی گھنٹیاں بجنے لگتی ہیں اور وہ چوکنا ہو جاتی ہے۔ ٹھیک اسی طرح فاریہ کو ریان کی نظر وہ نظر ہرگز نہیں لگی جو ہونے والے بہنوئی کی نظر ہونی چاہیے۔ اس کے اندر جیسے سائرن بجنے لگا تھا۔ اس نے چور نظروں سے اردگرد دیکھا، ریان کی مام کے چہرے کے تاثرات میں کھنچاؤ بتا رہا تھا کہ وہ کسی حد تک سمجھ رہی ہیں کہ ریان اور فاریہ میں کیا چل رہا ہے۔ عنایہ کے والدین اب ریان سے بات کر رہے تھے تو غالباً وہ کچھ محسوس نہیں کر پائے تھے، فاریہ نے بہانے سے وہاں سے اٹھ جانا مناسب سمجھا۔ وہ تو اس لیے ساتھ آئی تھی کہ عنایہ کو ساری تفصیل بتا سکے کہ وہاں کیا باتیں ہوئیں اور ان کے گھر کا کیسا ماحول ہے لیکن اب اس کا دل گھبرانے لگا تھا، یہ جو کچھ بھی تھا قابل قبول بالکل نہیں تھا۔ برابر میں غالباً لاؤنج تھا اس نے وہاں موجود کاؤچ پر بیٹھ کر گہرا سانس لیا۔ سامنے گلاس وال سے نظر آتا لان اور اس میں لگے رنگ برنگے خوب صورت پھول، وہ ان چیزوں کی اتنی دیوانی تھی کہ بے اختیار پاس چلی جاتی لیکن اب خالی خالی نظروں سے دیکھ رہی تھی، ذہن بلک ماؤف ہو گیا تھا۔

”ہیلو......“ پاس سے ہی آواز ابھری تو وہ گرتے گرتے بچی۔

”آپ......!“ ریان کو دیکھ کر وہ حیران ہوئی۔

”آپ وہاں سے کیوں آ گئیں؟“ وہ ہلکا سا مسکرایا۔

بلاشبہ وہ انتہائی خوب صورت مرد تھا، جس کا بھی نصیب بنتا وہ فخر کرتی لیکن وہ اس کا نہیں تھا۔ وہ اس کی محسنہ کے لیے نامزد کیا گیا تھا، اس کے متعلق ایسا سوچنا بھی فاریہ کے لیے گناہ تھا لیکن دل کا کیا کرتی جو اس کی طرف ہمک رہا تھا۔ اس نے نظر چرائی اور دانستہ رکھائی سے جواب دیا۔

”بس یونہی۔“

”پڑھتی ہیں آپ؟“ وہ صوفے پر بیٹھ گیا۔

”نہیں، اب اسٹڈیز کمپلیٹ کر لی ہیں۔“

”ویل...... “ وہ مسکرایا۔ ”اب کیا کریں گی؟“

”بہت سی چیزیں ہیں وہ کرنے کا ارادہ ہے لیکن عنایہ کی شادی کے بعد اکیلی ہو جاؤں گی تو پھر......“

”تو آپ نے اپنے فیوچر پلانز ان کی شادی سے ری لیٹ کر کے رکھے ہیں۔“

”نہیں آئی مین، میں اکیلی ہو جاؤں گی تو بہت سے کام جو سوچے ہوئے ہیں وہ تب کروں گی، ابھی تو عنایہ کے ساتھ وقت اتنا اچھا گزر جاتا ہے کہ پتا ہی نہیں چلتا۔“ اس سے بات کرنا مجبوری تھی۔ رشتہ ہی ایسا بن رہا تھا لیکن اب یہاں سے کسی بہانے اٹھنا تھا کہ اس کا فون بج اٹھا اس نے دیکھا آنٹی تھیں۔

”جی آنٹی، اوکے۔“ وہ اٹھ گئی۔ ”آنٹی بلا رہی ہیں۔ میں چلتی ہوں۔“ تیز قدموں سے چلتی ڈرائنگ روم میں چلی گئی تھی۔



وہ لڑکی بہت اچھا کام کر رہی تھی اور علی کے ساتھ اس کی کچھ بے تکلفی بھی ہو گئی تھی۔

”وانیہ تم پاکستان کے کس شہر سے ہو؟“

”کراچی۔“ وہ جواب دے کر چھوٹے سے آئینے میں اپنی لپ اسٹک ٹھیک کرنے لگی۔

”واؤ......! کراچی سے میں بھی ہوں۔“ علی مسکرایا۔

”اچھی بات ہے۔“ اس نے یہ بھی نہیں پوچھا کہ کراچی کے کس علاقے سے، وہ کچھ حیرت سے اسے دیکھ کر کندھے اچکا کر رہ گیا۔ وہ بہت ہی کم بات کرتی۔ اپنے کام سے کام رکھتی اور بس۔ کوئی بات کرتا تو ایسے جواب دیتی کہ آگے بات ہی نہ کی جا سکے۔ علی کی طبیعت ایسی نہیں تھی کہ بلاوجہ کسی سے بھی بے تکلف ہوتا لیکن غالباً اپنے ملک کی ہونے کی وجہ سے وہ اس سے اتنی بات بھی کر گیا تھا

میں رہے پھر تقریباً نو بجے ان کی طبیعت سنبھلی تو وہ سو گئے، اس نے ماں کو گھر بھیجا اور خود دوسرے بیڈ پر لیٹ کر کچھ پُرسکون ہوا تو تفکر میں ڈوب گیا۔ ڈیڈ کو یہ تکلیف سردیوں کی آمد پر بہت زیادہ ہوجاتی تھی، کتنے سالوں سے وہ باہر تھا تو ظاہر ہے ممی ہی انہیں لاتی ہوں گی اور دیکھ بھال کرتی ہوں گی، اکیلی پریشان ماں کا سوچ کر دل کو کچھ ہوا تھا۔ کتنی مشکل سے وہ واپس آیا تھا، یہاں دل ہی نہیں لگ رہا تھا اور اب وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھا، فون اٹھا کر فاریہ کو میسج کیا۔

اس دن فاریہ سے بات کرتے ہوئے بہت خاموشی سے اس کے موبائل سے اپنے موبائل پر مس کال کر کے اس کا نمبر حاصل محفوظ کر لیا تھا اور دونوں کے درمیان مختصر باتیں بھی ہوئی تھیں۔

"ہیلو..... واٹس گوئنگ آن؟" کچھ ہی دیر میں ریپلائی آیا۔

"تھنگ اسپیشل۔" شروع میں وہ ریان کے میسجز کو نظر انداز کر دیا کرتی تھی لیکن اب پتا نہیں کیوں اسے اس کا یوں میسج کرنا اچھا لگنے لگا تھا۔ وہ اس سے چیٹنگ کرتے ہوئے بتانے لگا کہ کیسے ڈیڈ کو ہاسپٹل لانا پڑا اور کتنی پریشانی ہوئی۔

"اوہ..... اب کیسے ہیں انکل؟" وہ اسے بتاتا رہا، کچھ دیر بعد جب اس نے فون آف کیا تو اسے اندازہ ہوا کہ فاریہ سے محض ٹیکسٹ پر بات کرنا کتنا خوشگوار عمل تھا کہ وہ بالکل تازہ دم ہوگیا تھا، اس بار لیٹا تو نیند کی گہری وادی میں اترتا چلا گیا تھا۔

❀......❀......❀......❀

فاریہ، عنایہ کے روم میں آئی تو کچھ الجھی ہوئی سی تھی۔

"تمہیں کیا ہوا...... ایسی صورت کیوں بنائی ہوئی ہے؟" وہ فون میں کچھ سرچ کر رہی تھی، اسے نظر اٹھا کر دیکھا اور پھر سے اپنے مشغلے میں گم ہوگئی لیکن حسیات اتنی تیز تھیں کہ ایک نظر میں اس کا گم صم ہونا محسوس کر لیا تھا۔ فاریہ سنبھل کر سامنے بیٹھی۔

"دیکھوگی کیسٹلا گز؟" عنایہ نے فون سامنے کیا۔

"نہیں......" وہ بے دلی سے میگزین اٹھا کر دیکھنے لگی۔

"ہوا کیا ہے..... تمہارے منہ پر کیوں بارہ بجے ہوئے ہیں؟"

"ریان کے فادر ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہیں، ہم دونوں انہیں دیکھنے چلیں؟" فاریہ کے کہنے پر عنایہ نے چونک کر اسے دیکھا۔

"تمہیں کس نے بتایا؟"

"کسی نے بھی بتایا ہو، تم بتاؤ چلیں؟"

"مام سے پوچھو پھر؟" وہ مکمل مشرقی لڑکی تھی، فاریہ کھل کر مسکرائی۔

"اوکے میں آتی ہوں۔" اور کچھ ہی دیر میں وہ ڈھیروں پھلوں اور پھولوں سمیت ہاسپٹل میں تھیں، جب وہ اندر آئیں تو ریان کچھ لوگوں کو چھوڑنے باہر کی طرف آرہا تھا، انہیں دیکھ کر وہ چند لمحوں کے لیے ساکت رہا پھر ایک طرف ہو کر انہیں راستہ دیا اور باہر چلا گیا۔ وہ ایک طرف رکھے صوفے پر بیٹھ گئیں، سامان میز پر رکھ دیا تھا، انکل سو رہے تھے سو وہ بھی خاموشی بیٹھی رہیں، ریان چند لمحوں میں واپس آگیا تھا۔

"ہیلو گائز۔" وہ مسکرایا۔

"ہیلو۔" دونوں نے ایک ساتھ کہا۔ وہ ڈارک بلو شرٹ اور آسمانی رنگ کی جینز میں بہت اچھا لگ رہا تھا۔ عنایہ نے بغور اسے دیکھا۔ فاریہ کو اس کے چہرے کے تاثرات سے اندازہ ہوا کہ اسے ریان پسند آگیا ہے۔ فاریہ کو ایک غلطی کا احساس ہوا اس نے دزدیدہ نظروں سے ریان کو دیکھا، وہ مکمل طور پر اسی کی طرف متوجہ تھا، فاریہ نے ہونٹ بھینچتے ہوئے عنایہ کو مڑ کر دیکھا وہ فون پرس سے نکال رہی تھی یعنی متوجہ نہیں تھی، فاریہ نے دل میں شکر ادا کیا۔

"اب کیسے ہیں انکل؟"

"تھینکس گاڈ اب تو بہت بہتر ہیں۔" وہ دلفریبی سے مسکرایا، فاریہ نے گھبرا کر نگاہ پھیر لی، عنایہ فون چیک کر کے اب مکمل طور پر متوجہ تھی، مسکرا کر انکل کی خیریت معلوم کی اور ریان کی والدہ کا پوچھا۔

"وہ ابھی کچھ دیر میں آرہی ہیں، ہوسکتا ہے آپ سے

ملاقات بھی ہوجائے۔" وہ بھی مسکرایا لیکن یہ وہ مسکراہٹ نہیں تھی جو فاریہ کو دیکھتے ہوئے اس کے لبوں پر آئی تھی۔ فاریہ اس لیے عنایہ کو لے کر آئی تھی کہ ریان کو عنایہ کے حوالے سے اپنے رشتے کی صحیح پہچان ہو اور دوسرے ان کی کچھ نہ کچھ انڈراسٹینڈنگ بھی ڈیولپ ہو، لیکن اب ریان کا رویہ اسے گھبراہٹ میں مبتلا کررہا تھا کہ عنایہ کو کچھ محسوس نہ ہوجائے، صد شکر کہ عالیہ بیگم آگئیں، عنایہ کو دیکھ کر وہ بے تحاشا خوش ہوئیں، اتنے میں ذیشان انکل بھی اٹھ گئے اور فاریہ کی توقع سے زیادہ عنایہ کی پذیرائی ہوئی تھی۔ ایک گھنٹے بعد جب وہ واپس آئیں تو عنایہ کے چہرے سے الوہی خوشی جھلک رہی تھی۔



اس کا فون بج رہا تھا، وہ خود لیپ ٹاپ پر اپنے مینیجر کی بھیجی ہوئی میل پڑھ رہا تھا، ہاتھ بڑھا کر فون اٹھایا نیا نمبر تھا اس نے اٹینڈ کرلیا۔

"ہیلو......"

"ہائے میں بات کررہی ہوں۔" وہ جو فون کان سے لگا کر کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے آرام دہ حالت میں بیٹھا تھا غیر متوقع طور پر اس کی آواز سن کر جھٹکے سے سیدھا ہوا۔

"اوہ..... آپ، کیسے زحمت کی آپ نے؟"

"زحمت تو آپ کررہے ہیں، میرے کاموں میں بلاوجہ کی رکاوٹیں ڈال کر۔" اس کا لہجہ نرم نہیں تھا۔

"مائی فٹ، مجھے کیا ضرورت پڑی ہے؟"

"ہونی بھی نہیں چاہیے تھی لیکن یہ تو آپ کو ہی علم ہوگا کہ آپ کیوں میرے راستے میں آرہے ہیں جبکہ آپ بھی جانتے ہیں کہ یہ راستہ آپ کی منزل کو نہیں جاتا۔" وہ چبا چبا کر بول رہی تھی، اس کے لہجے میں کڑواہٹ اور اس سے بھی زیادہ اجنبیت تھی، اس نے جبڑے بھینچتے ہوئے فون دوسرے کان سے لگایا۔

"مجھے اپنی منزل اور اس تک جاتے راستوں کا اچھی طرح علم ہے آپ بتانے کی تکلیف نہ کریں۔"

"میں آپ سے قطعاً بات نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن آپ نے گھٹیا حربہ آزما کر مجھے مجبور کیا کہ میں آپ کو بتاؤں کہ میں کسی صورت آپ کے سامنے گڑگڑانے والی نہیں، میں یہاں سے سب وائنڈ اپ کرکے واپس جارہی ہوں، آئندہ کسی کو مجبور سمجھ کر ٹنگ کرنے سے پہلے ایک بار سوچ لیجیے گا کہ ہر چیز آپ کے لیے نہیں بنی۔ نہ ہی ہر انسان آپ کی مرضی کا پابند ہے، ضروری نہیں کہ جو آپ چاہیں، وہی دوسروں کو بھی پسند ہو، اپنی سوچ کو تبدیل کرلیں تو آپ کے اپنے حق میں بہتر ہوگا۔" اس کے لفظ لفظ سے غصہ ظاہر ہورہا تھا، وہ دم بخود تھا، اس نے کال منقطع کردی تھی لیکن وہ اسی طرح فون کان سے لگائے ساکت سامنے دیوار کو گھور رہا تھا۔



"آپ مجھ سے ایک بار ملیے، مجھے ضروری بات کہنی ہے آپ سے۔" ریان نے فاریہ کو ٹیکسٹ کیا۔

فاریہ ٹیکسٹ پڑھ کر کتنی ہی دیر سوچ میں ڈوبی رہی پھر ریان اپنی شاندار شخصیت اور اعلیٰ بیک گراؤنڈ کے ساتھ کسی بھی لڑکی کی خوش نصیبی کا باعث بن سکتا تھا لیکن وہ عنایہ کے لیے نامزد کیا گیا تھا اور اب فاریہ دل کی آواز کو دبا کر اس پر سب واضح کرنے کے لیے ملنے کے لیے تیار ہوگئی تھی۔ اس نے بہت دیر سوچنے کے بعد ٹائپ کیا۔

"جی بتائیے کب؟" فوراً ریپلائی آیا۔

"آج شام کو ہی مل لیتے ہیں۔"

"اوکے، کس جگہ؟" فاریہ نے پوچھا۔

"عثمانیہ میں......"

"جی ٹھیک ہے۔" شام کو وہ سادگی سے تیار ہوئی، لیمن اور گرین سوٹ پر لیمن دوپٹا جس پر گرین پٹی لگی ہوئی تھی، اچھی طرح کندھوں پر پھیلائے، نیچرل لپ اسٹک لگائے وہ مقررہ وقت پر عثمانیہ میں موجود تھی۔ ٹھیک اسی وقت ریان بھی آ گیا تھا حالانکہ وہ بے حد سادگی سے تیار ہوئی تھی لیکن ریان کو اپنا دل یوں اس کی طرف کھنچتا محسوس ہوا جیسے لوہا مقناطیس کی طرف، دونوں میز پر آ بیٹھے۔ چائے کے ساتھ کباب اور فرنچ فرائز، کیک وغیرہ اس نے

منگوائے تھے ریان نے چائے پیتے ہوئے بات کا آغاز کیا۔

"میں کلیئر کردوں کہ میں آپ سے اس لیے ملنا چاہتا تھا کہ آپ کو پرپوز کرپاؤں، فاریہ میں آپ کو پسند کرتا ہوں اور آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" یہ بات اگر وہ عنایہ کو دیکھنے سے پہلے کرتا تو یقیناً فاریہ اس بات پر کھل اٹھتی مگر اب معاملہ دوسرا تھا۔ اس لیے وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔

"اور آپ یہ جانتے ہوئے بھی مجھے پرپوز کررہے ہیں کہ آپ کے پیرنٹس عنایہ کے لیے آپ کا پرپوزل لے جاچکے ہیں۔" فاریہ نے تحمل سے کہا۔

"میں یقیناً جانتا ہوں اور میں ان سے یہ بات آل ریڈی کہہ چکا ہوں کہ میں شادی وہاں کروں گا جہاں مجھے لڑکی پسند آئے گی۔"

"اور اس لڑکی کو آپ پسند آئیں یا نہیں، اس کی کوئی ویلیو نہیں؟" فاریہ نے بغور اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ریان کے چہرے کا رنگ واضح طور پر بدلا تھا۔

"آئی تھنک ایسا ہی ہے۔"

"شیور تو نہیں ناں، اینی ویز عنایہ آپ کے لیے بیسٹ سلیکشن ہے، میں ان کے ڈرائیور کی بیٹی ہوں جو ان کی مہربانی سے اس حیثیت میں نظر آرہی ہوں۔"

"مجھے آپ کی مالی حیثیت سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"مجھے پڑتا ہے۔" وہ اسے ٹوک کر سنجیدگی سے بولی۔

"میری محسن کے لیے آپ کا پرپوزل آیا اور وہ میں چھین لوں، ایسا کبھی نہیں ہوسکتا، بہتر ہوگا آپ اپنے پیرنٹس کی پسند کو اپنالیں، کچھ عرصے میں وہ آپ کی پسند بھی بن جائے گی، مجھے یقین ہے۔"

"آپ سے مشورہ نہیں مانگا، اپنے متعلق رائے مانگی ہے۔" وہ براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"آپ ہر لحاظ سے بہت اچھے ہیں اور عنایہ کے ساتھ اور زیادہ اچھے لگیں گے۔" وہ پوری تیاری سے آئی تھی اس لیے ہر بات کا جواب سنجیدگی سے دے رہی تھی۔

"عنایہ واقعی بہت اچھی ہے لیکن مجھے اس حیثیت سے آپ پسند ہیں اور میں آپ ہی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" وہ بہت سنجیدہ تھا۔

"میں نے فی الحال شادی کے لیے نہیں سوچا آپ مجھ پر اپنا وقت ضائع مت کریں۔" اس کا لہجہ نا چاہتے ہوئے بھی سخت ہوگیا تو ریان نے ہونٹ بھینچ لیے۔ محبت اپنی جگہ اور عزت اپنی جگہ اور پھر فاریہ اٹھ گئی۔

"میں چلتی ہوں۔" ریان بھی اٹھ گیا، بل کے نیچے پیسے رکھ کر وہ اس کے قریب آیا۔

"آیئے آپ کو ڈراپ کردوں۔"

"تھینکس...... میں چلی جاؤں گی۔" وہ خشک لہجے میں کہتی تیزی سے دوسری طرف مڑ گئی۔ ریان نے جھٹکے سے گاڑی کا دروازہ کھولا اور اگنیشن میں چابی گھما کر اسے ہوا کی رفتار سے اڑا لے گیا۔

فاریہ نے دور جاتی ریان کی گاڑی کو دھندلی آنکھوں سے دیکھا۔ زندگی میں پہلی بار اسے کسی کو کھونے کا دکھ ہوا تھا۔



"میں پاکستان میں اپنی پروڈکشن کمپنی کھولنا چاہ رہا ہوں، میری بات چل رہی ہے، تم اگر چاہو تو میری کمپنی کے لیے کام کرسکتی ہو۔ ایڈ اور ڈراما کے لیے۔" علی نے وانیہ کو پیشکش کی تو اس نے اثبات میں سر ہلادیا۔

علی نے ڈیڈ کو اپنی واپسی کا بتایا تو وہ بے حد خوش ہوئے، علی اور وانیہ ایک دوسرے کے بہت قریب آگئے تھے۔ ایک ساتھ کام کرنا، کیمسٹری میچ ہونا، انہیں تیزی سے ایک دوسرے کی جانب کھینچ رہا تھا۔ دونوں اکثر ساتھ کھانا کھاتے، آتے جاتے، بلاشبہ ان کا کپل بہت خوب صورت بن گیا تھا۔ علی جو آج تک کسی کا اسیر نہ ہوا تھا، وانیہ کی خوب صورتی اور خود اعتمادی سے متاثر ہوگیا تھا یا شاید یہی محبت کہلاتی ہے۔ اس کے ہونٹوں پر خوب صورت مسکراہٹ درآئی تھی۔



عنایہ اور ریان کی شادی دھوم دھام سے ہوگئی تھی اور اس

کی شادی کے فوراً بعد فاریہ اپنی کزن علیزہ کے کہنے پر آڈیشن دے کر آئی تو علیزہ کی توقع کے عین مطابق انہوں نے اسے دوبارہ بلوایا تھا۔ وہ پرائیویٹ پروڈکشن کا ارادہ تھا انہوں نے اسے معاوضہ کم دیا تھا لیکن یہ بڑی بات تھی کہ وہ ٹی وی اسکرین پر جلوہ افروز ہوگئی تھی۔ خوب صورت تو تھی ہی، اعتماد بھی خوب تھا تو بس پہلے ہی اشتہار سے اسے ڈراموں کی آفرز ہونے لگیں، وہ بے پناہ مصروف ہوگئی تھی۔

❁......❁......❁......❁

ریان جب بھی عنایہ کے ساتھ اس کے میکے آیا، وہ اسے کبھی نظر نہیں آئی، بعد میں اسے عنایہ سے علم ہوا کہ وہ شوبز میں چلی گئی ہے۔ دونوں اپنی زندگی میں خوش تھے، دو پیارے پیارے بیٹے ان کے گھر کی رونق بڑھانے چلے آئے تھے۔ زندگی مطمئن اور پُرسکون گزر رہی تھی۔ ریان کو ایسا ہی لگتا تھا لیکن جب تک کہ ''وہ'' اسے دوبارہ نظر نہیں آئی تھی اور دو روز پہلے اسے دوبارہ دیکھنے کے بعد تو اسے ایک بے چینی، بے قراری نے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ یہ محبت تھی یا اپنے ٹھکرائے جانے کی کسک جو اسے چین نہیں لینے دے رہی تھی۔ اسے اب یہ معلوم کرنا تھا کہ وہ کہاں رہائش پذیر ہے اور کن اداروں کے ساتھ کام کر رہی ہے پھر اس تک رسائی مشکل نہیں تھی۔ وہ فوراً اپنے مطلوبہ لوگوں سے رابطہ کرنے لگا تھا۔

❁......❁......❁......❁

پاکستان آنے کے بعد اس کا دل ہمک ہمک کر عنایہ سے ملنے کو بے تاب ہونے لگا تھا۔ خصوصاً کراچی میں رہ کر تو دل کو سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔ علی کا اپارٹمنٹ پروڈکشن ہاؤس کے نزدیک ہی تھا، سب میڈیا والے اس سے ملنے وہاں آتے رہتے تھے لیکن اس نے اسے یہ کہہ کر حیران کر دیا کہ وہ اسے اپنے والدین سے ملوانا چاہتا ہے۔

''تو وہ کہاں رہتے ہیں؟''

''ہمارا بہت بڑا گھر ہے وہ سب وہاں رہتے ہیں۔ یہ تو میں میڈیا کی وجہ سے الگ رہتا ہوں ورنہ ڈیڈ کا بس نہیں چلتا، مجھے آج وہاں ہی لے جا کر شادی کے کھونٹے سے باندھ دیں۔''

''شادی کو آپ کھونٹے سے باندھے جانا سمجھتے ہیں؟''

''تو اور کیا، بیوی کو ہر وقت بتاتے رہو، کہاں گئے، کس سے ملے، یہ تو فیلڈ ہی ایسی ہے کہ بندہ ہر دم مشکوک ہی رہتا ہے۔ فلاں مسکرا کر کیوں بولی، فلاں نے دو سے تین بار کیوں دیکھا...... اف۔'' اس کے سر پکڑنے پر وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ وہ دلچسپی سے اس کی خوب صورت ہنسی کو دیکھتا رہا۔

''بہت کیوٹ لگتی ہو یوں ہنستے ہوئے۔''

''تھینکس......'' اس نے ادا سے سر جھٹکا تو وہ مسکرا دیا۔

''بہت مغرور ہو لیکن یہ غرور سجتا ہے تم پر۔''

❁......❁......❁......❁

''حلیمہ آج کچھ ٹائم دو شام کے لیے، عنایہ اور ریان کے ہاں چلنا ہے۔'' ممی نے کہا تو وہ سوچ میں پڑ گیا۔

''آج تو مشکل ہے، مجھے کام ہے۔''

''تم ہمیشہ یہی کرتے ہو، آج ضرور چلنا ان کی ویڈنگ اینورسری ہے۔''

''آپ دونوں چلے جایئے گا، میں ٹائم نکال کر شریک ہو جاؤں گا، پرامس۔'' اس نے ماں کو یقین دہانی کروائی اور فون پر ریمائنڈر لگایا۔

''دانیا آج تم میرے ساتھ چل رہی ہو، چھوٹا سا فنکشن ہے، تم بھی انجوائے کرو گی اور میری فیملی سے مل بھی لو گی۔''

اس کی بات پر وہ سوچ میں پڑ گئی۔ وہ یہاں سے کام ختم کرنے کا سنجیدگی سے ارادہ بنا رہی تھی۔ یہاں اس کے لیے جو رکاوٹیں بنائی جا رہی تھیں وہ امریکہ میں ہرگز نہ ہوتیں۔ یہی بہتر تھا وہ یہاں سے چلی جائے لیکن یہ اس نے ابھی علیحہ کو نہیں بتایا تھا۔

''پھر کیا فیصلہ کیا تم نے، چلو گی ناں؟'' اس نے پھر مان سے پوچھا۔

''ہاں......'' اس نے ایک دم فیصلہ کیا۔ ''میں چلوں گی۔'' وہ لوگ دس بجے کے قریب وہاں پہنچ گئے تھے۔

بہت چھوٹی گیدرنگ بھی نہیں تھی، ٹھیک ٹھاک لوگ تھے، بہرحال وہ آگے آئے جہاں اسٹیج بنا ہوا تھا۔

"ارے علیحہ آ گیا۔" کوئی تیزی سے پاس آیا۔

"فاریہ......! تم فاریہ ہوناں؟" وہ عنایہ تھی کاہی سبز بہت خوب صورت ساڑھی میں گولڈ کی نازک سی جیولری پہنے میک اپ اور خوب صورت ہیئر اسٹائل کے ساتھ، پہلے سے زیادہ نازک، پہلے سے زیادہ حسین لگ رہی تھی۔ حیرت کی زیادتی سے ہونٹ نیم وا اور آنکھیں اسے پہچاننے کی کوشش میں پھیلی ہوئی تھیں۔

"فاریہ......! فاریہ......" اس کے ہونٹ کپکپائے اور آواز مرتعش ہوئی۔ فاریہ مسکرا کر آگے بڑھی اور اس کے گلے لگ گئی۔

"نہیں...... نہیں یہ وانیہ ہے بھئی۔" علیحہ نے وضاحت کی ناکام کوشش کی کیونکہ وہ دونوں سدھ بدھ بھلائے ایک دوسرے سے یوں لپٹی ہوئیں تھیں کہ جیسے اردگرد کا کوئی ہوش ہی نہ ہو۔

"تم...... تم علی کے ساتھ...... تم اس کے ساتھ کام کررہی تھیں اور ہمیں معلوم ہی نہیں۔" بلآخر ربیعہ آگے آئیں اور انہیں الگ کیا۔

"تم نے اسے پہچانا نہیں تھا؟"

"وائے ناٹ...... پہچان کر ہی اس کے ساتھ کام کرنا شروع کیا تھا۔" وانیہ یا فاریہ علیحہ کو دیکھ کر جس طرح مسکرائی وہ غش کھاتے کھاتے رہ گیا۔

"تم مجھے پہچانتی تھیں اور کبھی ظاہر ہی نہیں ہونے دیا۔"

"ضرورت ہی نہیں تھی۔" وہ شریر ہوئی۔

اتنے میں سب قریب آ گئے تھے۔ ریان سمیت جو خاموشی سے کھڑا اسے دیکھ رہا تھا، وہ اسے دیکھ کر بھی مکمل انجان بن گئی تھی۔ عنایہ نے اپنے دونوں بیٹوں سے ملوایا کچھ ہی دیر میں اس کے گرد لوگوں کا رش اکٹھا ہونے لگا تھا۔ وانیہ......وانیہ کی آوازیں بلند ہونے لگیں، عنایہ نے اسے صاف کہہ دیا کہ وہ آج اسے گھر جانے نہیں دے گی۔

"پھر یہاں نہیں، وہاں چلتے ہیں، تمہارے کمرے میں پرانی یادوں کو دہرائیں گے۔"

"ہاں......گڈ آئیڈیا، میں ریان سے پوچھ لوں پھر۔" عنایہ اب صرف اپنی ذاتی خواہش پر کوئی فیصلہ نہیں لے سکتی تھی، شوہر سے اجازت لینا فرض بنتا تھا، کھانا بہت اچھا تھا۔ تقریب بہت شاندار رہی تھی۔ نہ ریان نے کچھ محسوس ہونے دیا نا ہی فاریہ نے۔ دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے سے بھی احتراز کیے رکھا، اسے دو دن پہلے کی شارب چوہدری کی رپورٹ یاد تھی جب اس نے فاریہ کے پوچھنے پر کہ کون اس کے خلاف یہ سب کروا رہا ہے تو شارب نے کہا تھا۔

"ریان خان۔" اور فاریہ ساکت رہ گئی تھی۔

"ریان؟" وہ اس تک کیسے پہنچ گیا اور اسے یوں اپروچ کرنے کا مطلب کہ وہ اسے ابھی تک نہیں بھولا تھا اور وہ سر تھام کر رہ گئی تھی۔

عنایہ جیسی بہترین لڑکی کا شوہر بننے کے بعد بھی وہ فاریہ کے متعلق اتنا باخبر کیسے تھا؟ وہ مسلسل سوچ رہی تھی اور جتنا سوچ رہی تھی، اتنی ہی خوف زدہ ہو رہی تھی کیونکہ وہ اپنی محسنہ کو تکلیف نہیں دینا چاہتی تھی۔ اسے پاکستان واپس آنے کا فیصلہ حماقت کا شاہکار لگنے لگا تھا لیکن یہ پچھتانے کا نہیں عمل کا وقت تھا وہ اٹھ کر شاور لینے واش روم چلی گئی تھی۔ تیار ہو کر ناشتہ کیا اور اپنے کمرے میں آ کر ریان کو کال کی تھی۔ اس سے بات کرتے ہوئے اپنے لہجے میں زمانے بھر کی تلخی سمولی تھی، وہ پورا پروگرام بنا چکی تھی واپسی کا کہ یوں عنایہ سے ملاقات ہو جانا، حالانکہ وہ علیحہ عرف علی کے ساتھ آئی ہی عنایہ سے ملنے کے لیے تھی اور ریان پر جتانے کے لیے کہ وہ سب جانتے ہوئے بھی خاموشی سے پلٹ رہی ہے تو اس میں اس کی اپنی مرضی شامل ہے۔



"یار ریان، یہ تو وہی ہے ناں وانیہ اکرم، وہ ماڈل جسے دیکھتے ہی تو سدھ بدھ کھو بیٹھا تھا، یار یہ تو خود چل کر تیرے گھر تک آ گئی ہے، واہ رے قسمت۔" ارحم کی حیرت کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ اپنی حیرت میں وہ ریان کی خاموشی کو محسوس ہی

نہیں کر پایا تھا۔

"بہت خوب صورت ہے واقعی...... ویسے بھابی بھی اس کی فین لگتی ہیں، کب سے اس کے ساتھ ہیں۔" وہ تبصرہ کررہا تھا، نظریں اس کی تلاش میں ہر طرف گردش کررہی تھیں، خصوصاً وانیہ (فاریہ) کو فوکس کیے ہوئے اور برابر میں موجود دوست کا دھواں دھواں چہرہ دکھائی نہیں دیا تھا۔

"بھابی کا بھائی بھی اسی فیلڈ میں واہ کیا کہنے؟" وہ ایک ایک پر تبصرہ کررہا تھا پھر ریان کی مسلسل خاموشی محسوس ہوئی۔

"تم کیوں اتنے چپ ہو؟"

"ایسے ہی۔" وہ ٹال کر اٹھ گیا تو ارحم پھر سے وانیہ کو دیکھنے لگا تھا۔

❀......❀......❀......❀

"تم کتنی گھنی، میسنی ہو، علی کے ساتھ کام کرتی رہیں لیکن ہم سے کوئی رابطہ نہیں کیا، ساری ناراضی ہم سے تھی، کیوں ہم نے تمہارا کیا بگاڑا تھا؟" عنایہ نے اس پر تکیوں سے حملہ کردیا، بچوں کو وہ سلا چکی تھی، اب فاریہ کی شامت آئی ہوئی تھی۔

"تم نے بگاڑنے کے بجائے میری زندگی سنوار دی لیکن مجھے بس یہ ڈر تھا کہ تم مجھے منع کرتی تھیں۔"

"بہت افسوس کی بات ہے۔" عنایہ نے باقاعدہ سر دائیں بائیں ہلا کر تاسف ظاہر کیا۔

"علی کو دیکھو اس نے بھی بھنک نہیں پڑنے دی۔"

"وہ بے چارہ کیسے بتاتا، اسے کیا علم، میں تو تمہارے پاس اس کی تازہ ترین تصویریں دیکھتی رہتی تھی۔ اس لیے اسے دیکھتے ہی پہچان گئی، کچھ اس کے نام نے چونکا دیا تھا، علیہ خواجہ، بس پھر میں نے جھٹ اس کے ساتھ کام کی ہامی بھرلی لیکن اسے ظاہر نہیں ہونے دیا کہ میں اسے جانتی بھی ہوں۔"

"واؤ...... تم کتنی چالاک ہو۔" عنایہ کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"ساری بات یہ ہے کہ میں علی کی پکس تمہیں دکھاتی رہتی تھی اور تمہاری کبھی اسے خاص طور پر نہیں سینڈ کی کہ مناسب نہیں لگتا، بس کبھی میرے ساتھ کوئی فوٹو تھی تو اس نے دیکھ لی لیکن اس سے کیا خاک یاد رہی ہوگی۔"

"مردوں کو کبھی اتنا ہلکا نہ لینا، خاک نہیں، ٹھیک ٹھاک یاد تھی میں اس کو، بس حلیہ بدل جانے سے پہچان نہیں پارہا تھا اور نہ ہر تیسرے دن دماغ پر زور ڈالنا شروع کردیتا تھا کہ آپ مجھے دیکھی دیکھی لگ رہی ہیں۔" فاریہ کے منہ بگاڑ کر کہنے پر عنایہ ہنسی تو ہنستی ہی چلی گئی۔

"اف...... اف اتنی جلن، اتنا غصہ، اس کا مطلب کہ تم چاہتی تھیں کہ وہ فوراً تمہیں پہچان کر اپنائیت کا مظاہرہ کرتا، تمہارا بہت سا خیال رکھتا بلکہ تم چلتیں تو وہ آگے ہتھیلیاں بچھاتا۔" وہ لوٹ پوٹ ہورہی تھی۔

"لاحول ولاقوۃ۔" فاریہ نے بے ساختہ کہا اور ساتھ ہی تکیہ اٹھا کر اسے دے مارا۔

"بس کردو، اب ایسا بھی کچھ نہیں۔"

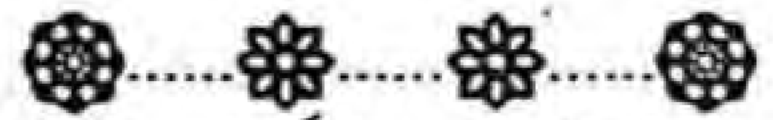
"میں علی سے کہوں گی، آئندہ تمہارا بہت خیال رکھے گا۔" عنایہ نے خود پر قابو پا کر کھڑے ہوتے ہوئے بالوں کو دونوں ہاتھوں سے سمیٹ کر کیچر لگایا، اس کی آنکھیں شرارت سے چمک رہی تھیں اور ہونٹوں پر مسکراہٹ رقصاں تھی۔ وہ باہر کی طرف بڑھی، فاریہ نے گھبرا کر روک لیا۔

"کہاں جارہی ہو اس وقت؟"

"بے فکر رہو، میں اپنے میاں کو دیکھنے جارہی ہوں۔ انہیں کسی چیز کی ضرورت نہ ہو۔" وہ چلی گئی، فاریہ گہرا سانس لیتی تکیے سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہوگئی۔ عنایہ شروع سے طبقاتی فرق کو نظر انداز کیے فاریہ کو اپنی بھابی کے روپ میں دیکھتی آئی تھی۔ گاہے بگاہے اسے یہ کہتی بھی رہتی لیکن فاریہ اتنے بڑے طبقاتی فرق کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایسا کوئی خواب آنکھوں میں نہیں سجانا چاہتی تھی جو بعد میں شرمندہ کرتا۔ اگرچہ وہ کوئی خاندانی ملازم نہیں تھے، حالات کے جبر نے انہیں محنت مزدوری پر مجبور کردیا تھا، حلال کمانے اور حلال کھانے والے کبھی مانگنے پر نہیں آتے وہ

اپنے ہاتھوں کی کمائی پر یقین رکھتے ہیں، اب وقت بدل گیا تھا۔

فاریہ نے محنت کی انتہا کرتے ہوئے نقشہ ہی بدل ڈالا تھا۔ گھر اچھے علاقے میں، بھائی اچھی نوکریوں پر سارے خاندان، برادری سے ممتاز وہ چھوٹا سا گھرانہ لگتا تھا۔ والدین کو اس کے ٹی وی پر کام کرنے کے حوالے سے شدید تحفظات تھے جو وقت کے ساتھ ساتھ پہلے دھندلے پھر ختم ہوگئے تھے۔ اب وہ مطمئن تھے۔ وہ جب امریکہ میں تھی تو اس نے آگاہ کردیا تھا کہ وہ علیجہ کے ساتھ ہوتی ہے۔ جس سے انہیں مزید تسلی ہوگئی تھی، خواجہ صاحب اور ان کے گھر والوں کی نیکی، ان کی شرافت پر وہ آنکھیں بند کرکے یقین کرسکتے تھے سب سے بڑھ کر اپنی بیٹی فاریہ پر۔



"تم واپس امریکہ کیوں جاؤ گی؟ دماغ ٹھیک ہے تمہارا۔ میں پاکستان شفٹ ہورہا ہوں اور تم امریکہ۔" علیجہ نے اسے ڈپٹا تو اسے ہنسی آ گئی۔

"میں کیا تمہاری خاطر یہاں وہاں شفٹ ہوتی ہوں؟"

"آئندہ میری ہی خاطر کرو گی جو بھی کرو گی۔" اس کی آواز گمبھیر ہوگئی اور آنکھیں لو دینے لگیں۔ فاریہ نے مسکرا کر رخ بدلنا چاہا لیکن اس نے بازو پکڑ کر اپنی طرف رخ موڑ لیا۔

"اوہ..... شرم آرہی ہے۔" فاریہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

"زیادہ خوش فہم ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"خوش فہم تو نہیں لیکن خوش قسمت ضرور ہوں کہ اتنی پیاری لڑکی میرے لیے نامزد کی گئی ہے۔" اس پر نظر جمائے وہ بھاری آواز میں بولا تو وہ ہڑبڑا کر پیچھے ہوئی۔

"کس نے نامزد کیا؟"

"عنایہ نے۔" اس نے اتنے اعتماد سے کہا کہ فاریہ کو پھر سے ہنسی آ گئی۔

"بس کرو، عنایہ نے نامزد کردیا اور میں ہو بھی گئی۔"

"تو پھر کون نامزد کرے گا تو تم ہو جاؤ گی؟" اس نے ابرو اٹھا کر گھورا۔

"ہمارے پیرنٹس۔"

"کس زمانے کی لڑکی ہو تم؟" وہ واقعی حیران ہوا۔

"اسی زمانے کی، مجھے اپنی روایات سے، اپنی اقدار سے بہت محبت ہے اور ان کی پاسداری بہت عزیز ہے۔" یہ سب اس نے انگریزی میں کہا تھا کیونکہ علی اتنی گاڑھی اردو نہیں سمجھ پاتا تھا، وہ ملائمت سے مسکرایا۔

"اوکے باس ڈن، اب بات ہمارے پیرنٹس کے درمیان ہوگی۔" وہ کہہ کر چلا گیا جبکہ وہ اداس ہوگئی تھی۔ بھولی بسری محبت دل میں مچلنے لگی تھی۔



نصرت رب کا جتنا شکرادا کرتی کم تھا لیکن مسئلہ یہ تھا کہ شکر کا طریقہ کیا ہو کہ اسے لگے شکرادا ہوگیا، اکرم فاریہ کے متعلق سوچ سوچ کر ہول جاتے تھے کہ اس کا رشتہ کیسے ہوگا اور نصرت اسے یقین دلاتی تھیں کہ رب نے اگر اب تک اس کی قسمت اتنی اچھی بنائی ہے تو یقیناً جوڑ بھی ایسا ہی ڈھونڈھ رکھا ہوگا، اب علیجہ خواجہ کے رشتے پر انگشت بدنداں، نم آنکھوں لرزتے لبوں سے شکرادا کرتی بھی جاتیں اور صحیح شکر گزاری کے طریقے بھی تلاش کرتی رہتیں۔ وہ ہر پل، ہر نعمت کے حصول کے لیے رب کی شکر گزار رہتی تھیں۔

نیا کپڑا، نیا جوتا، نیا بیگ ہر چیز کے لیے، ہر چیز کی ریل پیل ہوچکی تھی لیکن وہ اس ریل پیل کے ایک ایک ٹکڑے کا شکرادا کرتی تھیں، بھلا وہ ایسا خواب بھی کب دیکھتی تھی۔ اس نے کب ایسے عیش وعشرت کا سوچا تھا، یہ تو اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت تھی جو سچ مچ بارش کی طرح برسی تھی اور اب علیجہ کے رشتے نے تو کسر ہی نہیں چھوڑی تھی۔ بہت محبت اور مان سے مانگا تھا فاریہ کو عنایہ اور اس کے والدین نے، انہیں کیا اعتراض ہوتا فوراً ہاں کردی تھی اور ہر طرف خوشی بکھر گئی تھی۔



فاریہ نے علی سے کہہ دیا تھا کہ وہ کراچی میں نہیں رہے گی نا ہی ان کمپنیز کے ساتھ کام کرے گی، جنہوں نے اسے الگ کیا تھا۔ علی نے اس کی بات کے احترام میں لاہور شفٹ ہونے کا فیصلہ کرلیا اور والدین کو بھی آگاہ کردیا تھا، انہوں نے کوئی اعتراض نہیں کیا، شادی دو ماہ بعد طے پائی تھی، دونوں طرف خوشیاں اور تیاریاں تھیں، ہر شخص خوش تھا سوائے ایک ریان کے جو بہت خاموش تھا۔ یہ خاموشی اس کی چپ کا مظہر نہیں تھی بلکہ یہ وہ خاموشی تھی جو کسی طوفان کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔



وہ اپنا شوٹ پیک اپ کروا کر علی کے آفس میں آ کر بیٹھ گئی تھکن کی وجہ سے چائے کی طلب ہورہی تھی لیکن وہ علی کی منتظر تھی کہ وہ آئے تو پھر ایک ساتھ چائے پئیں تبھی دروازہ کھلا، اس نے دیکھا اور چند لمحوں کے لیے ساکت رہ گئی، وہ ریان تھا۔

''ہیلو۔'' اس نے کہا اور سامنے بیٹھ گیا۔

''ہائے۔'' اس نے بے نیازی سے پاس رکھا میگزین اٹھالیا۔ ریان نے بہت سہولت سے وہ میگزین اس کے ہاتھ سے لے کر ٹیبل پر واپس رکھ دیا۔

''میں بات کرنے کے لیے یہاں آیا ہوں اور تم یوں اگنور کرو، یہ ٹھیک نہیں۔'' وہ نرمی سے بولا۔

''جی۔'' فاریہ نے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ لیے اور نظر ریان پر جمادی۔

''میں پوچھ سکتا ہوں علی میں وہ کون سی خوبی ہے، جو مجھ میں نہیں تھی کہ تم نے اسے لائف پارٹنر کے لیے سلیکٹ کرلیا۔'' اس نے حسب توقع سوال کیا۔

''وہ میرے لیے منتخب کرکے نامزد کیا گیا ہے، مجھ سے پہلے کسی اور سے انگیج نہیں تھا۔'' وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بہت اعتماد سے بولی۔

''انگیج تو میں بھی نہیں تھا۔''

''تھے...... میری نظر میں انگیج ہی تھے، وہ بھی عنایہ کے ساتھ جو میری دوست سے زیادہ محسن ہے اور وہ اتنی اچھی ہے کہ یقین نہیں آتا کہ آپ اس کے شوہر بننے کے بعد بھی مجھے یاد رکھے ہوئے ہیں اور کیوں یاد رکھے ہوئے ہیں یہ بھی سمجھ میں نہیں آتا۔'' وہ زیر لب مسکرایا، بہت ہلکا سا۔

''مرد یا تو محبت کرتا نہیں اور کرلے تو بھلاتا نہیں۔ بس یہ وجہ ہے۔'' فاریہ کے دل نے ایک دم شور مچایا لیکن اسے یہ قصہ آج ہر صورت ختم کرنا تھا اس لیے لہجے میں بے رحمی لیے بولی۔

''یہ اس مرد کی بے وقوفی ہے کہ وہ سب جانتے ہوئے بھی یک طرفہ محبت کرتا رہے اور جو اس سے وابستہ لوگ ہیں، وہ اس کی طرف سے مایوس ہوجائیں۔ میں اتنا بتادوں، میں شروع سے علیجہ کو پسند کرتی ہوں اور اسی کے خواب دیکھتی رہی ہوں، ہم دونوں......'' اس نے دونوں پر زور دیا۔ ''ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں اور شادی کرنے والے ہیں، آپ محض اپنا وقت ضائع کررہے ہیں۔''

''کیا وقت ضائع کیا ہے؟'' وہ تیزی سے بولا۔

''میرے کلائنٹس کو منع کروانا، کمپنیز کو معاہدے منسوخ کروانا اور اب یہاں آ کر اپنی سو کالڈ محبت کا یقین دلانے جیسی فضول کوشش کرنا، یہ وقت کا صحیح استعمال کہلاتا ہے کیا؟'' وہ واضح طور پر تمسخر اڑا رہی تھی، ریان نے اتنے زور سے ہونٹ بھینچے کہ جبڑے کی ہڈیاں ابھر آئیں۔

''سو کالڈ...... تم کیسے کہہ سکتی ہو سو کالڈ؟''

''کیونکہ جو اصل محبت ہوتی ہے اس کا یقین نہیں دلانا پڑتا دوسرے کو، وہ خوشبو کی طرح محسوس ہوجاتی ہے اور اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ کہ جس سے آپ محبت کرتے ہیں، اسے آپ کی طرف سے کبھی کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ کبھی بھی۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہہ رہی تھی اور ریان مسمرائز سا اسے دیکھ رہا تھا اور بولنے کو کچھ رہا ہی نہیں تھا اب۔

❀......❀......❀......❀

بائیس دسمبر کو فاریہ اور علی کی شادی طے پائی تھی۔ دونوں تیزی سے اپنے انڈر پروڈکشن پروجیکٹس نمٹانے میں مصروف تھے۔ تیاری جو بھی ہورہی تھی بڑوں کے درمیان

ہو رہی تھی۔ ان دونوں کو تو دیکھنے کی بھی فرصت نہیں تھی۔ عنایہ اپنے اور بچوں کے کپڑوں کو لے کر فکر مند تھی۔

"ریان پلیز آپ کچھ ہیلپ کروائیں، میں تو فیصلہ نہیں کر پا رہی۔"

"نہیں، مجھے ان چیزوں میں کوئی انٹرسٹ نہیں۔" وہ کب سے ٹی وی اسکرین پر نگاہیں جمائے ساکت بیٹھا تھا۔ عنایہ نے بغور دیکھا، وہ پلک بھی نہیں جھپک رہا تھا، اسے یوں دیکھتا پا کر ابرو اچکائے۔

"کیا ہوا؟ آپ کو انٹرسٹ لینا چاہیے ریان، آفٹر آل آپ کے بیوی بچوں کی تیاری ہے۔ آپ کو نہیں لگتا کہ ہمیں سب سے نمایاں نظر آنا چاہیے۔"

"پھر ایسا کرو، گھر کے عام سے ڈریسز پہن لو، سب سے "نمایاں" دکھوگی۔" ریان نے شرارت سے کہا۔

"اوکے ڈن، گڈ آئیڈیا۔" وہ چٹکی بجا کر بولی۔

"واقعی......؟" ریان نے اسے دیکھا، وہ مسکرائی۔

"بالکل، پہلی بار آپ نے ایڈوائس دی، میرے لیے "کچھ" سلیکٹ کیا، مجھے وہ دل و جان سے پیارا ہوگا۔"

"کیوں؟" بے اختیار ریان نے پوچھا۔

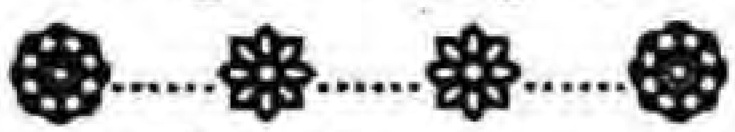
"کیونکہ آپ کی پسند ہوگی، آپ کے لیے تو میں کچھ بھی کر گزرنے کے لیے تیار ہوں۔ یہ تو بہت معمولی بات ہے۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"محبت ہوگئی ہے کیا؟" اس نے عنایہ کی چھوٹی سی ناک دبائی تو اس نے آنکھیں پھیلائیں۔

"ہوگئی کیا مطلب، آپ کو پہلے دن، پہلی نظر دیکھنے سے ہی میں اس طلسم میں جکڑی گئی تھی پھر ایک جائز بندھن میں بندھ جانے کے بعد تو اور شدت آ گئی ہے۔"

آج پہلی بار اس نے اعتراف کیا تھا، اگرچہ اس کے ہر انداز سے محبت جھلکتی تھی لیکن اتنا واضح اظہار اس سے قبل کبھی نہیں کیا تھا۔ بلیک اور گرین پرنٹڈ شرٹ، گرین ٹراؤزر میں اسٹیریلکنگ والے لیئر کٹنگ بال، چہرے کے اطراف بکھرے ہوئے تھے۔ ان میں نمایاں خوب صورت سفید چہرہ، جگر جگر چمکتی آنکھیں وہ بہت حسین تھی اور ریان سے شدید محبت کرتی تھی اور وہ کسی اور کے خیالوں میں کھویا رہتا تھا جو اسے سوچتی تک نہیں تھی۔ دل میں ایک ٹیس اٹھی تھی۔ یہ دل ہی تو اس کے لیے دیوانہ ہوا پھرتا تھا یا شاید نارسائی نے اسے کسک بنا دیا تھا۔ بہر حال وہ ابھی بھی نظر آتی تو دل میں ایک ٹیس اٹھتی تھی، وقت کے ساتھ شاید یہ ٹیس بھی نہ اٹھے۔

عنایہ کی رم جھم برستی محبت نے اسے اپنے حصار میں یوں باندھ کہ وہ کبھی "کسی" کے بارے میں سوچ ہی نہ پایا اور وہ اسے دیکھ کر خوش امیدی سے مسکرایا تھا۔



"ڈیڈ نے ہمارے ہنی مون کے لیے پیرس کے ٹکٹس منگوائے ہیں، وہ چاہتے ہیں ہم اپنا ہنی مون نئے سال کے آغاز میں اپنی تمام تر خوب صورتی کے ساتھ منائے، سو ہم دونوں اپنی نئی زندگی کا نیا سال یورپ سے شروع کریں گے۔" علی نے اسے جوش وخروش سے بتایا تو وہ مسکرا دی۔ وہ مزید تفصیل بتا رہا تھا اور وہ دل کی آوازوں کو دباتی اس کی بات پوری توجہ سے سن رہی تھی۔ کیا تھا جو علی سے پہلے ریان نے دل پر دستک دی تھی اور سارے بند دروازے توڑ کر دل میں آسمایا تھا لیکن وہ اس کی محسنہ کی محبت اور اسی کا ہمسفر بننے کے لائق تھا۔ اس لیے اس نے ہر قدم پر ریان کو مایوس لوٹایا تھا اور اب علی ہی اس کے لیے سب کچھ تھا کیونکہ یہاں کوئی مجبوری نہیں تھی۔

علی اسے کافی کا پوچھ رہا تھا، وہ اس کے ہم قدم ہوتی اسے دیکھتے ہوئے بہت محبت سے مسکرائی اور علی کو لگا جیسے کلیاں چٹک رہی ہوں جیسے۔

حصہ 13

...

صائمہ قریشی

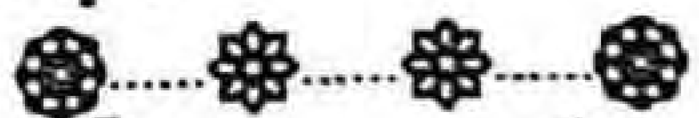
بادل جو گرجتے ہیں وہ برسا نہیں کرتے
محسن کبھی احسان کا چرچا نہیں کرتے
آنکھوں میں بسا لیتے ہیں روٹھے ہوئے منظر
جاتے ہوئے لوگوں کو پکارا نہیں کرتے

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

ہاجرہ کی خواہش سن کر سب حیران رہ جاتے ہیں پر حکم اللہ کسی بھی صورت یہ بات ماننے کو تیار نہیں ہوتے۔ جمشید بھی اس کی خواہش کی مخالفت کرتا ہے۔ کلیم اللہ حکم اللہ کو حالات بدل جانے کا احساس دلاتے ہیں۔ حسن کلیم اللہ کے ساتھ واپس چلا جاتا ہے۔ وہ جلد از جلد فجیعہ سے مل کر اسے ساری حقیقت بتانا چاہتا ہے۔ پر فجیعہ اب وہاں نہیں ہوتی جہاں وہ چھوڑ کر گیا تھا۔ وہ پریشان ہو جاتا ہے اور ایسے میں اسے کلیم اللہ سنبھالتے ہیں۔ آغا حویلی میں دل بہار بانو واپس آجاتی ہیں۔ رضا انہیں دیکھ کر حیران ہوتا ہے۔ راضیہ دل بہار بانو سے مل کر خوشی کا اظہار کرتی ہیں حکیم اللہ دل بہار بانو کو دیکھ کر غصہ کا اظہار کرتے ہیں۔ جمشید اور شمع کے درمیان کشیدگی برقرار رہتی ہے۔ شمع چاہتی ہے کہ جمشید ہاجرہ اور رضا کے رشتہ کو قبول کرلے جب کہ جمشید ایسا سننا بھی نہیں چاہتا ہے۔ تب ہی شمع جڑواں بچوں کو جنم دیتی ہے۔ بچوں کو دیکھ کر جمشید کا رویہ کچھ نرم ہوتا ہے۔ دل بہار بانو رضا سے معافی مانگتی اسے ساری سچائی بتاتی ہیں کہ کیسے انہوں نے اسے اس کے باپ کے حوالے کردیا تھا۔ بدلے میں رضا انہیں سب بھول جانے کا کہتا ہے۔ حسن فجیعہ کو ڈھونڈنے میں ناکام ہو جاتا ہے۔ کلیم اللہ اسے واپس پاکستان چلنے کا کہتے ہیں پر وہ انکار کردیتا ہے۔ کلیم اللہ اس کو دل بہار بانو اور رضا کی ملاقات بتاتے ہیں۔ تب حسن رضا سے بانو آپا کا نمبر لینے کا کہتا ہے۔

دل بہار بانو رضا اور ہاجرہ کا نکاح کروا کر واپس چلی جاتی ہیں ہاجرہ آغا حویلی سے رضا کے کمرے میں آجاتی ہے تب حسن کا فون آتا ہے اور وہ رضا سے بانو آپا کا نمبر مانگتا ہے اور ساتھ ہی فجیعہ کے نہ ملنے کی خبر بھی دیتا ہے۔ ہاجرہ حسن کو فجیعہ کے نہ ملنے پر خوش ہوتی ہے اور شمع کو فون کرکے یہ خبر سناتی ہے۔ شمع اسے سمجھاتی ہے۔ عبدالمعز کو شفیق کے ساتھ پاکستان جانا ہوتا ہے وہ وجاہت کی فیملی سے ملنا چاہتے ہیں تاکہ وجاہت اور سکینہ کے رشتے کو آگے بڑھا سکیں لیکن وہ سکینہ کی تنہائی کا سوچ کر پریشان ہوتے ہیں۔ ایسے میں وجاہت انہیں تسلی دیتا ہے اور بے فکر ہوکر پاکستان جانے کا کہتا ہے۔ آٹھ سال بعد بانو آپا حسن سے رابطہ کرتی ہیں اور اسے فجیعہ کے پاس لے جاتی ہے۔ فجیعہ حسن کے انتظار میں ہوتی ہے اسے دیکھتے ہیں وہ مرجاتی ہے۔ تب بانو آپا حسن کو سکینہ اور ایک خط دیتی ہیں جو فجیعہ نے اس کے لیے چھوڑا تھا۔ عبدالمعید شفیق کے ساتھ پاکستان چلے جاتے ہیں۔

(اب آگے پڑھیے)



جوں جوں جہاز کی پرواز بلند ہورہی تھی عبدالمعید کی دھڑکنوں کا انتشار بھی بڑھ رہا تھا۔ نہ جانے کتنے سالوں کے بعد وہ اس سرزمین پر قدم رکھنے والے تھے جس سے انہیں بے تحاشا پیار تھا لیکن اس سرزمین کو چھوڑ دینا اور قطع تعلقی برتنے پر انہیں

حصہ 13

حسنِ تمام رہیں گے

صائمہ قریشی

بادل جو گرجتے ہیں وہ برسا نہیں کرتے
محسن کبھی احسان کا چرچا نہیں کرتے
آنکھوں میں بسا لیتے ہیں روٹھے ہوئے منظر
جاتے ہوئے لوگوں کو پکارا نہیں کرتے

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

ہاجرہ کی خواہش سن کر سب حیران رہ جاتے ہیں پر حکم اللہ کسی بھی صورت یہ بات ماننے کو تیار نہیں ہوتے۔ جمشید بھی اس کی خواہش کی مخالفت کرتا ہے۔ کلیم اللہ حکم اللہ کو حالات بدل جانے کا احساس دلاتے ہیں۔ حسن کلیم اللہ کے ساتھ واپس چلا جاتا ہے۔ وہ جلد از جلد فجیعہ سے مل کر اسے ساری حقیقت بتانا چاہتا ہے۔ پر فجیعہ اب وہاں نہیں ہوتی جہاں وہ چھوڑ کر گیا تھا۔ وہ پریشان ہو جاتا ہے اور ایسے میں اسے کلیم اللہ سنبھالتے ہیں۔ آغا حویلی میں دل بہار بانو واپس آجاتی ہیں۔ رضا انہیں دیکھ کر حیران ہوتا ہے۔ راضیہ دل بہار بانو سے مل کر خوشی کا اظہار کرتی ہیں حکیم اللہ دل بہار بانو کو دیکھ کر غصہ کا اظہار کرتے ہیں۔ جمشید اور شمع کے درمیان کشیدگی برقرار رہتی ہے۔ شمع چاہتی ہے کہ جمشید ہاجرہ اور رضا کے رشتہ کو قبول کرلے جب کہ جمشید ایسا سننا بھی نہیں چاہتا ہے۔ تب ہی شمع جڑواں بچوں کو جنم دیتی ہے۔ بچوں کو دیکھ کر جمشید کا رویہ کچھ نرم ہوتا ہے۔ دل بہار بانو رضا سے معافی مانگتی اسے ساری سچائی بتاتی ہیں کہ کیسے انہوں نے اسے اس کے باپ کے حوالے کر دیا تھا۔ بدلے میں رضا انہیں سب بھول جانے کا کہتا ہے۔ حسن فجیعہ کو ڈھونڈنے میں ناکام ہو جاتا ہے۔ کلیم اللہ اسے واپس پاکستان چلنے کا کہتے ہیں پر وہ انکار کر دیتا ہے۔ کلیم اللہ اس کو دل بہار بانو اور رضا کی ملاقات بتاتے ہیں۔ تب حسن رضا سے بانو آپا کا نمبر لینے کا کہتا ہے۔

دل بہار بانو رضا اور ہاجرہ کا نکاح کروا کر واپس چلی جاتی ہیں ہاجرہ آغا حویلی سے رضا کے کمرے میں آجاتی ہے تب حسن کا فون آتا ہے اور وہ رضا سے بانو آپا کا نمبر مانگتا ہے اور ساتھ ہی فجیعہ کے نا ملنے کی خبر بھی دیتا ہے۔ ہاجرہ حسن کو فجیعہ کے نہ ملنے پر خوش ہوتی ہے اور شمع کو فون کر کے یہ خبر سناتی ہے۔ شمع اسے سمجھاتی ہے۔ عبدالمعز کو شفیق کے ساتھ پاکستان جانا ہوتا ہے وہ وجاہت کی فیملی سے ملنا چاہتے ہیں تاکہ وجاہت اور سکیزہ کے رشتے کو آگے بڑھا سکیں لیکن وہ سکیزہ کی تنہائی کا سوچ کر پریشان ہوتے ہیں۔ ایسے میں وجاہت انہیں تسلی دیتا ہے اور بے فکر ہو کر پاکستان جانے کا کہتا ہے۔ آٹھ سال بعد بانو آپا حسن سے رابطہ کرتی ہیں اور اسے فجیعہ کے پاس لے جاتی ہے۔ فجیعہ حسن کے انتظار میں ہوتی ہے اسے دیکھتے ہیں وہ مر جاتی ہے۔ تب بانو آپا حسن کو سکیزہ اور ایک خط دیتی ہیں جو فجیعہ نے اس کے لیے چھوڑا تھا۔ عبدالمعید شفیق کے ساتھ پاکستان چلے جاتے ہیں۔

(اب آگے پڑھیے)



جوں جوں جہاز کی پرواز بلند ہو رہی تھی عبدالمعید کی دھڑکنوں کا انتشار بھی بڑھ رہا تھا۔ نہ جانے کتنے سالوں کے بعد وہ اس سرزمین پر قدم رکھنے والے تھے جس سے انہیں بے تحاشا پیار تھا لیکن اس سرزمین کو چھوڑ دینا اور قطع تعلقی برتنے پر انہیں

نہیں لگ رہا۔" ان کی حیرت کو دیکھتے ہوئے شفیق گویا ہوئے۔
"اچھی بات ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ تبدیلی آنی چاہیے۔" عبدالمعید نے گہری سانس خارج کی۔
پاکستان میں قیام کا بہت کم وقت تھا، دو دن تک تو مہمان نوازی اور پھر شفیق جس کام کے لیے آئے تھے اس میں لگے رہے۔ دن بھر کی مصروفیات اور مہمانوں کی بھیڑ میں عبدالمعید کو موقع کی تلاش رہی کہ کب وہ وجاہت کے والدین سے رابطہ کرسکیں۔ انہیں فکر لاحق ہونے لگی کہ کہیں ایسا نہ ہو موقع ہی نہ مل سکے اور یہ کام تو ان کے لیے لازمی تھا۔
"ہیلو...... السلام علیکم۔" موقع ملتے ہی انہوں نے وجاہت کا دیا گیا نمبر ڈائل کیا۔
"وعلیکم سلام۔ آپ کون؟"
"سکندر صاحب سے بات ہوسکتی ہے؟ میں عبدالمعید ہوں۔" مختصر انتعارف کراتے ہوئے انہوں نے پوچھا۔
"عبدالمعید صاحب کیسے ہیں آپ؟ میں سکندر ہی بول رہا ہوں۔ وجاہت نے ذکر کیا تھا۔ میں تو آپ کی آمد کا منتظر تھا۔" دوسری طرف کی گرم جوشی نے ان کا تھوڑا حوصلہ بندھا۔
"بہت شکریہ۔ کچھ مصروفیت کی وجہ سے رابطہ نہیں کرسکا۔ ان شاء اللہ جلد ملاقات ہوگی۔" عبدالمعید کچھ فارمل انداز میں بولے۔
"ان شاء اللہ ضرور۔ میں منتظر رہوں گا۔" سکندر کی طرف سے انہیں کسی اجنبیت کا احساس نہیں ہوا تھا۔ انہیں ان کا انداز وجاہت جیسا ہی دوستانہ لگا۔ ایک نہایت مختصر اور فارمل ملاقات ختم ہوگئی تھی۔ عبدالمعید کے چہرے پر ایک آسودگی تھی اور سکندر کسی سوچ میں گم تھے۔ بہر حال ایک دعوت کا اہتمام تو کرنا تھا کہ یہ ان کے بیٹے کی ہدایت بھی تھی اور ان کی خوش مزاجی بھی۔



اس کی سوچ پر وہ مسلسل حیران ہو رہا تھا، وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اس نے جو کیا ہے وہ کسی محبت میں نہیں اپنی عادت سے مجبور ہو کر کیا ہے۔ وہ ایسی ہی تھی بنا کسی غرض کے دوسروں کے لیے بہت کچھ کرنے والی۔ بنا یہ سوچے کہ اس کا یہ عمل سامنے والے کو کسی خوش فہمی میں مبتلا کرسکتا ہے۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ جان پہچان ہونے کے باوجود سکیزہ یہ نہیں جانتی کہ وہ اس سے محبت کرنے لگا ہے۔ اسے معلوم تھا کہ اس کی ذو معنی باتوں کو وہ نہیں سمجھ پاتی، وہ چاہ کر بھی اپنے کسی مذاق کو سنجیدہ بات میں نہیں بدل سکتا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ سکیزہ اس سے خوف زدہ ہو کر اس کی موجودگی میں مسلسل کلمے کا ورد کرتی رہا کرے۔ اس کا اعتماد حاصل کرنے کے لیے اپنی محبت کو اس سے پوشیدہ ہی رکھنا تھا۔ وجاہت کے ہونٹوں پر ایک گہری مسکراہٹ در آئی جسے احمر نے بغور دیکھا تھا۔
"دیکھ رہا ہوں تُو دن بدن نکھرتا جا رہا ہے۔" اس کے متوجہ ہونے پر احمر نے تیکھی نگاہوں سے اسے گھورا۔
"تم ضرور مجھے نظر لگا دینا۔" ماتھے پر بل ڈالتے ہوئے وجاہت نے کہا۔
"نظر لگ گئی تو مجھے مرچیں گھما کر آگ میں جھونکنا بھی آتا ہے۔" احمر نے دانت کچکچا کر کہا۔ "مجھے بتاؤ اب معاملہ کیا ہے؟"
"ویسے یہ دادی نانی والے کام کہاں سے سیکھے ہیں؟" وجاہت دلکش مسکراہٹ کے ساتھ گویا ہوا۔
"سیکھے نہیں ہیں دیکھ دیکھ کر آگئے ہیں۔" احمر تلملاتے ہوئے بولا۔
"ہاں تو بتاؤ اب اس دلکشی کا راز کیا ہے؟" احمر مشکوک نظروں سے اسے گھور رہا تھا۔
"یار جوانی کا رنگ ہے کچھ تو نکھرے گا ہی ناں۔" وجاہت آنکھ کا کونا دبا کر بولا۔
"اچھا تم پر جوانی کا 'ست رنگی' رنگ کیوں چڑھا ہے؟" احمر نے اس کی ڈھٹائی پر ابرو اچکا کر اسے دیکھا۔
"قسمت کا دھنی کہہ لو۔" وجاہت کا شاہانہ انداز عروج پر تھا۔
"قسمت کا دھنی کہ دل ہتھیلی پر لیے پھرنے والا آوارہ عاشق۔" احمر کو اس کے انداز بہت کھٹک رہے تھے وہ جان گیا تھا کہ سکیزہ کے ساتھ اس کی بات چیت دوستی سے بہت آگے بڑھ چکی ہے لیکن معاملہ کس ڈگر پر رواں ہے اس کو اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا اور وجاہت ایسا گھنا ثابت ہوا کہ اسے بھنک بھی نہ پڑنے دے رہا تھا۔
"جلدی جلدی کانوں کو ہاتھ لگا کر سو بار توبہ کرو۔" وجاہت نے جس بے ساختگی سے کہا۔ احمر بے اختیار دونوں ہاتھ کانوں کو لگا کر اونچی آواز میں توبہ استغفار پڑھنے لگا تھا۔
"کیا میں تمہیں دل ہتھیلی پر رکھ کر پھرنے والا آوارہ عاشق لگتا ہوں؟ حد ہوتی ہے الزام تراشی کی بھی سو بار کیا ہزار بار بھی

توبہ کرو تو معافی نہیں ملے گی۔" وجاہت اس کی توبہ والی حرکت پر اپنی ہنسی ضبط کرتے ہوئے مصنوعی غصے سے بولا۔

"تیرا بیڑا۔" اگلے ہی پل احمر اس کی شرارت سمجھتے ہوئے اپنے ہاتھ کانوں سے ہٹا کر اسے دبوچ کر صلواتوں کے ساتھ مکوں سے بھی نوازنے لگا اور وجاہت گالیاں سنتے مار کھاتے ہوئے ہنس رہا تھا۔

"معاف کردو یار..... معاف کردو۔" اس کے ہاتھ نہ رکے تو وجاہت نے ہاتھ جوڑ دیے۔

"ہاں بیٹا اب آئے ہو ناں راہ راست پر۔" احمر نے دانت پیس کر کہا اور اس کے اوپر سے ہٹ گیا۔

"اُف یار اندر کیا بھر رکھا ہے، دیکھنے میں تو ہلکے سے لگتے ہو لیکن وزن بھینس جتنا ہے۔" وجاہت ایک دم اٹھا اور اپنے کندھوں کو دباتے ہوئے بولا۔

"اچھا بتاؤں پھر۔" احمر کڑے تیوروں کے ساتھ پھر اس کی جانب بڑھا۔

"نہیں..... نہیں۔ بخش دو مجھے۔" وجاہت نے دونوں ہاتھ جوڑے۔

"کچھ پکا بھوک لگ رہی ہے۔" وجاہت نے منت بھرے لہجے میں کہا۔

"میں کیوں؟ آج تو تمہاری باری ہے۔"

"انڈا ہی بنا دے۔" احمر کے گھورنے پر وجاہت نے منہ بسور کر کہا۔

"اچھا لیکن اگلے دو دن پھر تم ہی پکاؤ گے۔" احمر نے راضی ہوتے ہوئے وارننگ بھی دی۔

"اچھا تو پھر ایسا کرو انڈے کے ساتھ مرغی بھی پکا لو تا کہ انڈا تنہائی نہ محسوس کرے۔" وجاہت کے مسکراہٹ دبا کر تحکم بھرے انداز پر احمر فقط دانت پیس کر رہ گیا۔

"ویسے بہت دن ہو گئے انکل عبدالمعید کی طرف چکر نہیں لگا۔ ابھی انڈا کھا لو اور شام کو ادھر چلتے ہیں کچھ نہ کچھ مل ہی جائے گا۔" احمر نے شریر لہجے میں کہا۔

"شرم تو کہیں سے چھو کر بھی نہیں گزری۔ ہم کیا لولے لنگڑے ہیں جو خود کچھ کھانے کو نہیں پکا سکتے اور دوسروں کے گھروں میں جاتے ہیں کھانے کھانے کے لیے۔ بہت دکھ پہنچایا تم نے ایسی بات کرکے۔ کیا ہم مانگنے والے لگتے ہیں بھوکے یا غریب ہیں ہم؟ احمر تم نے اچھا نہیں کیا۔ تمہیں ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا۔" وجاہت نے کہا تو احمر کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"خیر تو ہے ناں؟ ویسے تو ہم بھوکے ہی تھے یہ اچانک اتنی غیرت کہاں سے آدھمکی؟ اور وہ کوئی غیر نہیں تمہارے سسر ہو سکتے ہیں اور سسرال پر داماد کا پورا حق ہوتا ہے۔ جس کو وہ جتا بھی سکتا ہے اور چھین بھی سکتا ہے۔" احمر نے جیسے اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا۔

"بس کر دے یار..... بس کر دے۔ تجھ میں تو نہیں لیکن مجھ میں ابھی اتنی شرم باقی ہے کہ وقت سے پہلے اپنے حقوق کی بات نہ کروں۔" وجاہت نے بھرپور اداکاری کی۔

"یہ اتنی شرم اچانک کہاں سے وارد ہوگئی؟ ذرا میں بھی تو جانوں۔" احمر نے اسے گھورتے ہوئے دریافت کیا۔

"شرم کا کیا ہے۔ جیسے اچانک چلی جاتی ہے ویسے ہی کسی نہ کسی کونے کھدرے سے اچانک واپس بھی آجاتی ہے۔" وجاہت نے ہنس کر کہا۔

"اور یہ شرم اس وقت واپس کیوں نہیں آتی جب خود بھاگ بھاگ کے جایا جاتا تھا اور کھانا ملنے پر مسکینی کا نہیں خوش قسمتی کا احساس ہوتا ہے۔" احمر مسلسل اسے گھور رہا تھا۔

"وقت بدلتے دیر کب لگتی ہے؟"

"وقت یا دل؟"

"دل تو کب کا بدل چکا ہے اب بس مناسب وقت درکار ہے۔"

"کیا مطلب کون سا مناسب وقت؟" احمر نے ابرو اچکائے۔

"عبدالمعید انکل پاکستان گئے ہیں۔" وجاہت نے اسے اطلاع دی۔

"اچھا چلے بھی گئے..... پر کب؟"

"ایک دو دن ہی ہوئے ہیں، تو اب مناسب نہیں لگتا کہ سکیزہ اکیلی ہے تو ہم ان کے گھر جائیں۔" وجاہت نے کہا تو احمر نے تائیدی انداز میں سر ہلایا۔

وجاہت نے سوچ لیا تھا کہ جب تک عبدالمعید واپس نہیں آجاتے وہ سکیزہ سے کوئی رابطہ نہیں رکھے گا۔ شاید اس طرح وہ اپنے آپ کو بھی آزما رہا تھا کہ جو فیصلہ اس نے کیا ہے اس میں کہیں کوئی لالچ تو نہیں۔ وہ سکیزہ کی دل سے عزت کرتا تھا لیکن وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ سکیزہ اس کے متعلق کوئی ایسی رائے

قائم کرے جو وجاہت کی شخصیت کا حصہ نہ ہو۔ مستقبل کے حوالے سے بہت سے پروگرام ترتیب دیتے ہوئے وجاہت احمر کے ساتھ کھانا پکنے میں مدد کرنے کی نیت سے کچن کی جانب بڑھ گیا تھا۔



وہ ایک گہری خاموشی کی زد میں بیٹھے مسلسل کچھ سوچ رہے تھے۔ کوئی ایسی بات ضرور تھی جو انہیں بے کل کیے ہوئے تھی لیکن اپنی الجھن کا کوئی سرا ان کے ہاتھ نہیں آرہا تھا۔ وہ چاہ کر بھی اپنی بے چینی کو کوئی نام نہیں دے پارہے تھے۔ عبدالمعید کی کال کے بعد اس بے نام پریشانی اور فکر میں اضافہ ہوا تھا۔ عبدالمعید سے ملاقات کا مقصد وجاہت نے صاف الفاظ میں ان کو بتادیا تھا لیکن وہ جانتے تھے کہ اس کی خواہش پوری کرنا فقط ان کے اختیار میں نہیں ہے۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ اس کی خواہش کو پورا کرنے کے لیے انہیں ایک بار پھر رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ وجاہت کے لیے وہ یہ بھی سہہ لیں گے لیکن کیا وجاہت کا یہ فیصلہ صحیح ہوگا؟ یہیں آ کر ان کی سوچ ختم ہورہی تھی۔

''بابا..... کیا بات ہے آپ کچھ پریشان لگ رہے ہیں؟'' ردا کے آنے کا انہیں پتا نہیں چلا تھا۔ ان کی نگاہیں اور پُرسوچ انداز پراسے تشویش لاحق ہوئی۔

''نہیں بیٹا۔ میں پریشان نہیں ہوں۔'' ردا کو دیکھتے ہوئے انہوں نے مسکرا کر کہا۔

''پھر طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' وہ ان کے قریب کھڑی ہوئی۔

''ہاں بیٹا میں بالکل ٹھیک ہوں۔ تم بتاؤ تمہاری امی کیسی ہیں اور تم کالج سے کب واپس آئیں؟'' اپنے کندھے پر رکھے اس کے ہاتھ کو پکڑ کر انہوں نے مسکرا کر پوچھا۔

''میں بھی ٹھیک، میری امی بھی ٹھیک اور میرا کالج بھی ٹھیک۔'' ردا نے شریر لہجے میں کہا تو ان کی مسکراہٹ بھی گہری ہوگئی۔

''یہ تو بہت اچھی بات ہے۔'' پھر دونوں باپ بیٹی میں اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتیں رہیں۔

''وجاہت کے پاس سے کوئی آیا ہے تو کچھ دنوں میں وہ ہمارے گھر آئیں گے۔ وجاہت نے خاص ہدایت دی ہے کہ ان کی خاطر داری میں کوئی فرق نہیں آنا چاہیے تو امی سے کہنا خود کھانا پکائیں۔'' یک دم یاد آنے پر انہوں نے ردا سے کہا تو وہ چونک گئی۔

''کون..... کہیں سکینہ کے ڈیڈ تو نہیں آگئے؟'' ردا نے ہنستے ہوئے مسخرے پن میں کہا اور اگلے پل سکندر کی سوالیہ نظروں پر زبان دانتوں تلے دبالی۔

''تم جانتی ہو سکینہ کے متعلق؟''

''نن..... نہیں تو..... میں تو ایسے ہی کہہ رہی تھی۔'' ردا گڑبڑائی۔

''ایسے ہی وہی کیوں کہا جو سچ ہے؟'' سکندر نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''مجھے تو نہیں پتا۔'' ردا نے سر جھکا کر کہا۔ بے اختیاری میں اس کے منہ سے سکینہ کا نام نکل گیا تھا اب اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کس طرح بھائی کا بھرم رکھے۔

''مجھے بتاؤ کیا بات ہے؟ کیونکہ وجاہت مجھ سے بھی ذکر کرچکا ہے۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ یہ معاملہ کیا ہے اور وہ کہاں تک سنجیدہ ہے۔'' انہوں نے رسان سے اس سے پوچھا تو اب حیران ہونے کی باری ردا کی تھی اس کے خیال میں وجاہت نے سکینہ سے دوستی کو ابھی راز ہی رکھا ہوا تھا۔ چاروناچار ردا کو سکینہ کے متعلق جو کچھ اسے معلوم تھا بتانا پڑا۔ یہ بھی کہ وہ سکینہ سے رابطے میں ہے۔

''کیا تمہیں لگتا ہے کہ تمہاری امی اسے اس فیصلے کی اجازت دے سکتی ہیں؟'' سکندر نے ردا سے پوچھا۔

''نہیں..... بالکل بھی نہیں۔ کسی قیمت پر بھی امی بھائی کو یہ اجازت نہیں دیں گی کہ بھائی باہر کی کسی لڑکی میں انوالو ہوں۔ انہوں نے بھائی کو اچھی طرح سمجھا تھا، مجھے حیرت اس بات پر ہے کہ بھائی امی کو جانتے ہوئے بھی کیسے کسی میں انوالو ہوسکتے ہیں؟ میں نے بارہا بھائی کو کہا بھی تھا لیکن بھائی نے جواب میں ہر دفعہ یہی کہا کہ وہ امی کی مرضی کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کریں گے۔ لیکن اگر سکینہ کے فادر پاکستان آگئے ہیں اور ہمارے گھر آرہے ہیں تو یقیناً بھائی نے ہی ان سے کہا ہوگا تو کیا بھائی کو یہ خوف نہیں کہ امی نہیں مانیں گی؟'' ردا نے انہیں ساری بات بتائی جو ان کے لیے بھی فکر مندی کا باعث تھی۔

''بات تو فکر والی ہے لیکن بہرحال دیکھتے ہیں۔ اللہ بہتر کرے گا۔ مجھے وجاہت سے کسی بھی حالات کی خرابی کی امید نہیں ہے بہت سمجھدار اور حساس بچہ ہے یقیناً وہ جانتا ہوگا کہ ماں کو کیسے راضی کرے گا یا شاید ہوسکتا ہے کہ وہ ماں کو اعتماد میں

بھی لے چکا ہو؟" فکر کے ساتھ ساتھ انہیں ایک بے نام سی تسلی بھی ہوئی۔ ردا نے اثبات میں سر ہلایا۔

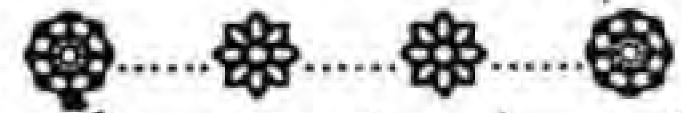
"مجھے بھی یہی لگتا ہے بابا۔ بھائی امی کے لاڈلے ہیں اور امی بھی ایسی نہیں کہ بیٹے کو گنوا دیں۔ بھائی کو معلوم ہے کہ کیسے امی کو اپنے ساتھ ملانا ہے اسی لیے انہوں نے پہلے ہمیں اعتماد میں لیا ہے۔" ردا بولی۔

"اور اگر آپ امی کو خود کہہ دیں کہ بھائی کے مہمان آرہے ہیں تو کھانا وہ خود پکائیں تو میرے خیال میں زیادہ اچھا ہوگا۔" وجاہت کی ہدایت (کہ اگر بابا امی کے لیے کوئی پیغام دیں تو کوشش کرنا کہ انہیں کہو کہ وہ خود اپنی بات ان تک پہنچائیں) پر عمل کیا۔

"ایسے کیوں؟" وہ ابرو اچکا کر اسے دیکھنے لگے۔

"اپنے کام خود کرنے چاہیں بابا جانی۔" وہ ہنستے ہوئے چہکی۔

"اچھا خود کہہ دوں گا۔" ان کا قہقہہ بلند ہوا اور یقیناً وہ سمجھ گئے تھے اس انکار کی وجہ کیا ہے۔ کچھ دیر ٹھہرنے کے بعد ردا تو چلی گئی تھی لیکن وہ ایک بار پھر اپنی سابقہ حالت میں آگئے تھے۔ وہ ایک انجانی سی الجھن میں مبتلا تھے۔ یوں ہی بہت سا وقت گزر گیا۔ انہوں نے اس سے بات کرنے کا ارادہ پکا کیا اور سر جھٹک کر اپنے کام میں مصروف ہوگئے تھے۔



پہلی بار سکینہ عبدالمعید کے بغیر رہ رہی تھی اور صحیح معنوں میں گھبرا بھی رہی تھی۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ اکیلی تھی آسیہ اس کے ساتھ تھیں لیکن اسے ایسے ہی لگ رہا تھا جیسے دنیا میں وہ تنہا ہے۔ وہ پاکستان میں پریشان نہ ہوں اس لیے سکینہ انہیں بتا نہیں رہی تھی۔ وہ حیران تھی کہ جب سے عبدالمعید پاکستان گئے ہیں وجاہت نے اس سے رابطہ کیوں نہیں کیا۔ صبح سے وہ اسی کشمکش و پنج میں مبتلا تھی کہ کیا اسے وجاہت سے رابطہ کرنا چاہیے یا انتظار کرنا چاہیے۔ دو دن سے وہ یونیورسٹی بھی نہیں جارہی تھی۔ وہ متعجب تھی کہ وجاہت نے یہ بھی جاننے کی کوشش نہیں کی کہ وہ یونیورسٹی کیوں نہیں آرہی۔

"سوال اتنا مشکل تو نہیں تھا کہ جواب دینے میں اتنے دن لگ جائیں۔" ابھی وہ ارادہ کر ہی رہی تھی کہ وہ خود ہی میسج کر کے اس کی خیریت معلوم کرے کہ وجاہت کا میسج اس کی موبائل کی اسکرین پر جگمگانے لگا۔ اس نے الجھ کر اس کا میسج پڑھا۔

"کون سا سوال؟" وہ سمجھی کہ شاید اس کی جانب سے کوئی غلطی سے میسج سینڈ ہوگیا ہے۔

"ایک ہینڈسم اور ذہین لڑکے کی یہ توہین ہے کہ ایک خوب صورت لڑکی اس کے بارے میں نہیں سوچ رہی۔" وجاہت نے سیڈ ایموجی کے ساتھ خود ہی جواب دیا۔

"ہینڈسم اور ذہین لڑکا کون؟" سکینہ نے حیرت کا بھرپور مظاہرہ کرتے ہوئے اسے چڑایا۔

"خوب صورت لڑکی کون ہے اس کے لیے تو آئینہ دیکھو اور ہینڈسم لڑکے کے لیے ملاقات کرنا پڑے گی۔" وجاہت کے میسج پر سکینہ کی دھیمی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

"بہت خوش فہمی ہے۔"

"پہلے نہیں تھی اب ہونے لگی ہے۔" معنی خیز انداز سکینہ کو ایسا کچھ خاص محسوس نہیں ہوا تھا۔

"ویسے بے وفا لوگ آج کل کہاں غائب ہیں...... کہیں تم بھی تو پاکستان نہیں چلی گئی ہو؟" ابھی وہ ریپلائے کرنے کا سوچ ہی رہی تھی کہ اس کا ایک اور میسج آگیا۔

"نہیں تو...... میں تو ادھر ہی ہوں اور ڈیڈ کو اتنا زیادہ یاد کررہی ہوں کہ بتا ہی نہیں سکتی۔" سکینہ نے یکدم اسے بتایا۔

"کیوں نہیں بتا سکتی؟"

"بس نہیں بتا سکتی۔ آپ کا کوئی اعتبار نہیں اگر ڈیڈ کو بتادیا تو وہ وہاں پریشان ہوجائیں گے۔" وہ محسوس کررہا تھا کہ سکینہ نے منہ بسور کر کہا ہوگا۔

"دو دن سے یونیورسٹی کیوں نہیں آرہی ہو؟" اس نے بات کا رخ بدلا۔

"ڈیڈ کے بغیر کوئی کام کرنے کا دل ہی نہیں کررہا۔" وہ تو سمجھ رہی تھی کہ وجاہت نے اس کے یونیورسٹی نہ جانے کو محسوس ہی نہیں کیا ہوگا۔ اس کے سوال کرنے پر چونکی۔

"یہ کیسی بچوں جیسی بات ہے۔ کچھ دن تک تو انکل واپس آجائیں گے تم اپنی اسٹڈیز کیوں ڈسٹرب کررہی ہو؟"

"بس ڈیڈ کے بغیر کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا ہے۔" سکینہ کو اپنے احساسات بتانے کا موقع مل گیا تھا۔ بلا جھجک بولنے لگی۔

"پلیز آپ ڈیڈ کو نہیں بتانا کہ میں ان کے بغیر اتنی اداس ہوگئی ہوں۔" سکینہ کے بار بار منع کرنے پر وجاہت کو بے حد حیرانی ہورہی تھی۔

"میں کیوں بتاؤں گا؟ جب اعتبار کر کے بتا رہی ہو تو

https://pklibrary.com/

بھروسا بھی رکھو۔" وجاہت نے سنجیدگی سے کہا۔

"تھینک یو۔"

"اسی لیے مجھے بھی کوئی میسج نہیں کیا؟" وجاہت نے ابھی ابھی یونیورسٹی ختم کی تھی، کیفے اور لائبریری کا ایک چکر لگایا جب آج بھی سکیزہ کو کہیں موجود نہ پایا تو خود کو آزمانے والا وعدہ بھلا کر اس کی خیریت دریافت کرنے کے لیے میسج کر دیا۔ اس کے جواب سے اسے اندازہ ہوا کہ وہ عبدالمعید کے بغیر خود کو بہت تنہائی محسوس کر رہی ہے تو اگلے پل اس نے اسے کال کی۔

"ہاں...... اور میں نے سوچا آپ بزی ہوں گے تو۔"

سکیزہ کی مدہم آواز پر وجاہت نے گہری سانس خارج کی۔

"جو دوست مجھے اچھے لگتے ہیں میں ان کے لیے کبھی بھی اتنا بزی نہیں ہوتا کہ ان کو جواب نہ دے سکوں۔" وجاہت نے دانستہ لفظ دوست کا استعمال کیا۔

"لیکن میں آپ کی دوست تو نہیں ہوں۔" حسب توقع سکیزہ نے اسی لفظ پر اعتراض کیا۔

"میں تو دوست ہی سمجھتا ہوں۔" وجاہت جانتا تھا وہ اس بات پر چڑے گی۔

"اچھا......" سکیزہ ایک دم خاموش ہوئی۔

"تم بحث کر سکتی ہو۔" وجاہت نے اسے بولنے پر اکسایا۔

"ہاں اب آپ کہیں گے جنہیں دوست سمجھتے ہیں ان سے بحث کرنا بھی اچھا لگتا ہے۔" سکیزہ اچھی خاصی چڑ کر بولی۔

"بالکل یہی تو میں کہنے لگا تھا۔ تم تو واقعی دوست ہو جو میری سوچ کو پڑھ رہی ہو۔" وجاہت کھل کر ہنسا۔

"رہنے دیں۔ مجھے فضول باتوں میں اپنا وقت ضائع کرنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔" سکیزہ ہنس کر بولی۔

"شکر ہے یہ نہیں کہا کہ فضول لوگوں کی فضول باتوں میں وقت ضائع کرنے کا شوق نہیں۔" وجاہت نے منہ بسور کر کہا۔

"فضول لوگوں......" سکیزہ کی برجستگی پر وجاہت کا قہقہہ بلند ہوا۔

"مطلب دل میں ہوں۔" وجاہت کا لہجہ کچھ کریدنے والا اور ذومعنی ہوا۔

"جی نہیں...... اور آپ نے شرٹ پہنی؟" اس کی بات رد کرتے ہوئے سکیزہ نے موضوع بدلا۔

"نہیں...... ابھی نہیں پہنی۔"

"کیوں......! کیا اچھی نہیں لگی؟"

"بہت اچھی لگی ہے اسی لیے کسی خاص موقع پر پہنوں گا۔" وجاہت مسکراہٹ دبا کر بولا۔

"خاص موقع؟" سکیزہ نے تعجب سے پوچھا۔

"عبدالمعید انکل پاکستان گئے ہیں کیا پتا تمہارا رشتہ ہی طے کر کے آجائیں تو منگنی پر بلاؤ گی تو یہی ناں تب پہن کر آؤں گا اور تمہارے منگیتر کو جلاؤں گا کہ دیکھو تمہاری منگیتر نے مجھے اتنی اچھی شرٹ گفٹ کی ہے۔" وجاہت اب اسے چڑانے لگا تھا۔

"اللہ نہ کرے۔ آپ تو ایسے کہہ رہے ہیں جیسے آپ کی ساری تنخواہ میں لے لیتی ہوں، جلدی سے جان چھڑاؤ کہ پیسہ اپنے ہاتھ آئے۔ آپ میری شادی کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں؟" سکیزہ کا انداز ایسا تھا کہ وجاہت اپنی ہنسی روک نہ سکا۔

"ایسے ہی مذاق کر رہا ہوں۔" چاہنے کے باوجود وہ یہ نہ کہہ سکا کہ تمہیں کھونے سے ڈرتا ہوں۔ جب تک اسے اپنی فیملی کی طرف سے کوئی گرین سگنل نہیں مل جاتا وہ سکیزہ کو کچھ نہیں کہنا چاہتا تھا لیکن یہ بھی چاہتا تھا کہ وہ سمجھ جائے کہ وہ اس کے ساتھ جو مذاق کرتا ہے وہ اس لیے ہے کہ وہ اسے چاہنے لگا ہے۔

"مذاق کرنے کے لیے بھی کیا بس یہی ایک رہ گیا ہے اب؟" سکیزہ نے منہ بسور کر پوچھا۔

"برا لگا کیا؟" وجاہت نے دوستانہ انداز میں پوچھا۔

"یہ مذاق بہت ان کمفرٹیبل ہے۔ آپ کو ایک بات بتاؤں؟" سکیزہ قدرے رازداری سے بولی تو وجاہت کا دل زور سے دھڑکا۔

"ہاں بتاؤ۔"

"میں ڈیڈ کو چھوڑ کر کبھی بھی کہیں بھی نہیں جاسکوں گی۔ میں شادی نہیں کروں گی۔" سکیزہ نے بہت سنجیدگی سے کہا تو وجاہت اس کے لب و لہجے سے جھلکتی سچائی اور عبدالمعید کے لیے محبت محسوس کر کے خاموش ہو گیا۔

"یہ کیا بات ہوئی اور اگر کوئی تم سے کرنا چاہے تو؟" وجاہت نے اسے مزید کریدا۔

"تو میں منع کر دوں گی۔ ڈیڈ کو چھوڑنا میرے لیے ممکن نہیں ہوگا۔"

"اور اگر ڈیڈ نے کہا تو......؟"

"یہ پہلی اور آخری بات ہوگی جو میں ڈیڈ کی نہیں مانوں گی۔"

سکیزہ عبدالمعید سے اس قدر محبت کرتی ہے اسے اندازہ نہیں

تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ انکل شاید ایک دو دن تک میرے بابا سے ملنے جائیں گے۔ ان کا رابطہ ہوگیا ہے۔" وجاہت نے مزید اس بارے میں کوئی بات کرنا مناسب نہ سمجھا اور موضوع بدلتے ہوئے اسے بتایا۔

"اچھا۔" سکینزہ کو سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اسے اب کیا جواب دینا چاہیے۔ چند لمحے خاموشی کی نذر ہوگئے تھے۔

"کل یونیورسٹی آنا ہے؟" وجاہت نے پوچھا۔

"آنا تو ہے لیکن بہت تھوڑی سی دیر کے لیے۔ لائبریری سے بکس لینی ہیں اور ایک لیکچر اٹینڈ کرنا ہے۔" سکینزہ نے بتایا۔ ملاقات کا ایک کچا پکا سا وعدہ لیتے ہوئے وجاہت نے کال بند کردی تھی اور سکینزہ بھی آسیہ کے پاس چلی گئی تھی۔



آج صبح سے وہ اضطراب میں مبتلا مسلسل ٹہل رہے تھے۔ کل شام انہوں نے سکندر کو فون کرکے آج ملاقات کا ارادہ ظاہر کیا تو انہوں نے بہت گرم جوشی سے انہیں خوش آمدید کہا اور اصرار کیا کہ وہ جلدی سے آجائیں۔ آج دوپہر میں عبدالمعید نے ان کے گھر جانا تھا جو ان کو بہت مشکل مرحلہ لگ رہا تھا۔ انہیں محسوس ہورہا تھا کہ وہ آج بھی کمزور ہیں، کوئی فیصلہ کرنا ان کو شاید آتا ہی نہیں تھا۔ اور پھر ایک ایسے فیصلے کی طرف پیش قدمی جس کا دارومدار زندگی بھر کے سکون اور خوشی پر ہو وہ کرنا یقیناً آسان نہیں ہوتا۔ بہرحال جو بھی تھا انہوں نے وقت دیا تھا تو اب ہمت بھی پیدا کرنا تھی۔ شفیق ان کے ساتھ جارہے تھے۔ وہ اب ان کی آمد کے منتظر تھے کہ وہ آئیں تو دونوں سکندر کی طرف جائیں۔

سکندر اپنی وہیل چیئر کے وہیلز کو گھماتے ہوئے سکندر ہاؤس کے اس حصے کی طرف بڑھ رہے تھے جہاں ساری رنجشوں اور ناراضگیوں کو پس پشت ڈال کر پچھلے کچھ عرصے سے وقتاً فوقتاً وہ جارہے تھے۔ مسز سکندر کے تیوروں کے انداز بدلے ہوئے تھے، ان کے کسی بھی اعتراض یا نفرت میں انہیں وہ شدت نظر نہیں آرہی تھی جو ہمیشہ ہوا کرتی تھی۔ شاید بدگمانیوں کی برف آہستہ آہستہ پگھل رہی تھی۔ گوکہ ایک عمر لگی لیکن بے زاری نے اپنی مدت پوری کرکے جذبوں کو نیا موسم عطا کرنے کی ٹھان لی تھی۔ دھیرے دھیرے وہ آگے بڑھتے کچن کے دروازے کے پاس آکر رک گئے تھے۔

ایک گزرے زمانے نے ان کے ذہن پر دستک دی تو وہ مسکرانے لگے۔ وقت بدل جاتا ہے اور حالات انسان کو بے بس کردیتے ہیں ایسے کے چاہنے کے باوجود وہ اس زمانے میں لوٹ کر نہیں جاسکتا جہاں ہزاروں فکروں کے باوجود لاپرواہیاں بے شمار ہوتی ہیں جو ہر ہنسی کو آسودہ حال رکھتی تھی۔ وہ ابھی انہیں پکارنے کا سوچ ہی رہے تھے کہ ڈور بیل نے ان کی توجہ اپنی جانب کھینچ لی۔ مسز سکندر نے پلٹ کر دیکھا دروازے کے درمیان ان کی موجودگی انہیں چونکا گئی۔ وہ بنا کوئی بات کیے وہاں سے پلٹنے لگے تو مسز سکندر یک دم کچن کے دروازے میں آکھڑی ہوئیں۔ کچن کا دروازہ سکندر ہاؤس کے مین گیٹ کے بالکل سامنے تھا، عبدالمعید کی آمد متوقع تھی اور یقیناً یہ گھنٹی ان آمد کی اطلاع تھی۔ ردا اپنے کمرے سے نکلی اور اگلے پل وہ سکندر کے پاس آئی۔

"بابا رکیں میں ساتھ آتی ہوں۔" ردا کی مسلسل ڈانٹ اور کوشش سے شاہزیب نے بھی پڑھائی شروع کردی تھی اور ان دنوں شازی اپنے امتحانات میں مصروفیت کی وجہ سے زیادہ وقت اپنے کمرے میں گزارتا تھا۔ اس لیے سکندر کے زیادہ کام اب ردا ہی کررہی تھی اور حیرت انگیز طور پر مسز سکندر کو کوئی اعتراض بھی نہ تھا۔ ان کی خاموشی کو ان کی رضامندی جان کر ردا مطمئن ہوکر بابا کے کام کرنے لگی تھی۔ ابھی بھی ان کی وہیل چیئر کو دھکیلتی وہ سکندر ہاؤس کے مین گیٹ کی جانب بڑھ رہی تھی۔

"السلام علیکم...... سکندر صاحب ہیں؟" ردا نے گیٹ تھوڑا سا کھولا تو سامنے کھڑے شخص نے پوچھا۔ یہ آواز با آسانی کچن کے دروازے میں کھڑی مسز سکندر کی سماعت سے ٹکرائی تھی۔

"آپ کون؟"

"عبدالمعید...... وجاہت نے ذکر کیا ہوگا۔" انہوں نے اپنا تعارف کرایا تو ردا نے گیٹ کھول دیا اور وہ اندر داخل ہوئے تو سامنے وہیل چیئر پر سکندر براجمان تھے انہوں نے آگے بڑھ کر ان سے مصافحہ کیا۔ شفیق بھی ان کے ہمراہ تھے۔ سکندر یک ٹک انہیں دیکھ رہے تھے۔ عبدالمعید کے چہرے پر بھی حیرانی اور آنکھوں میں ایک الجھن نمایاں ہونے لگی تھی۔

"آجائیں۔" سکندر نے کہا تو ردا نے ان کی وہیل چیئر کو گھمایا عبدالمعید اور شفیق ان کے ہمراہ چلنے لگے۔ عبدالمعید نے چلتے ہوئے غیر ارادی طور پر ان کے گھر پر طائرانہ نگاہ دوڑائی، ایک طرف کچن کے دروازے کے بیچوں بیچ کھڑی عورت کو دیکھ

کر وہ ٹھہر گئے۔

"ہاجرہ......؟" وہ زیرلب بڑبڑائے اور ایک دم سکندر کی ویل چیئر کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔

"رضا...... رضا سکندر......! تم رضا ہو؟" ان کی آواز پر شفیق، سکندر اور ردا نے متحیر نگاہیں ان کے چہرے پر جمائیں۔

"او میرے خدایا۔" عبدالمعید نے یک دم سر تھاما۔

"عبدالمعید حسن۔" اب کے سکندر بھی قدرے اونچی آواز میں بولے اگلے پل عبدالمعید جھک کر ان کے گلے لگ گئے۔ شفیق بھی حیران ہوئے اور ردا بھی۔ دور کھڑی مسز سکندر یہ سارا منظر دیکھ کر جیسے سکتے میں رہ گئی تھیں۔

"میں نے بھی تصور بھی نہیں کیا تھا کہ جن سے ملنے کے لیے میں جھجک رہا تھا وہ تم ہو سکتے ہو۔" عبدالمعید ان کے پاس دوزانو بیٹھ گئے۔ دونوں کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔

"کال پر آواز سنتے ہی مجھے لگا تھا کہ یہ آواز اجنبی نہیں ہے۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کہاں سنی اور کس کی آواز ہو سکتی ہے۔" رضا نے کل شام کی بے چینی کا اظہار کیا۔

"شفیق یہ رضا ہے۔ بانو آپا کا بیٹا۔" عبدالمعید ایک دم اٹھ کھڑے ہوئے اور شفیق سے تعارف کروایا۔ وہ ایک طرف خاموشی سے کھڑے اس ملاقات کو سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ تصدیق پا آگے بڑھ کر رضا سکندر سے ملے۔

"بیٹا انکل کو اندر بٹھاؤ۔" رضا سکندر نے شفیق کی طرف اشارہ کر کے ردا سے کہا جو ہونقوں کی طرح وہاں کھڑی اس اجنبی کو دیکھ رہی تھی اور سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

عبدالمعید نے پلٹ کر دیکھا مسز سکندر ابھی تک وہیں کھڑیں غائب دماغی کا شکار نظر آ رہی تھیں۔ شفیق نے ایک نظر عبدالمعید کو دیکھا اور ردا کے ہمراہ اندر بڑھے تو عبدالمعید کے قدم بے اختیار مسز سکندر کی طرف بڑھے۔

"ہاجرہ...... تم واقعی ہاجرہ ہو؟ میں تمہیں پہچان گیا۔" ان کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے عبدالمعید حسن شدت جذبات پر قابو پاتے ہوئے گویا ہوئے۔ وہ ان کی طرف ہی دیکھ رہی تھیں اور آنسو بہا رہی تھیں۔ ایک عجیب سا ماحول بن گیا تھا۔ بچھڑے ہوئے مل رہے تھے، کہیں خوشی تھی اور کہیں بے تحاشہ حیرانی اور الجھن بھی اور بے زاری بھی۔

"میں نے سوچا بھی نہیں تھا، کبھی ہم کہیں ایسے مل سکیں گے۔"

"اور میں بس یہی سوچتی رہی کہ ہم کب مل سکیں گے۔" ہاجرہ کے لب خاموش تھے اور آنکھوں سے بہتے پانی میں روانی آ گئی تھی۔

"تم لوٹ کر ہی نہیں آئے اور یہاں سب کچھ کتنا بدل گیا۔" رضا سکندر وہیل چیئر کو دھکیلتے وہاں آ موجود ہوئے۔

"ہم بوڑھے ہو گئے۔" عبدالمعید حسن دھیرے سے ہنس دیئے۔ ان کی ہنسی میں پنہاں دکھ ان دونوں کی نگاہوں سے پوشیدہ نہ رہ سکا تھا۔ اس مدہم سی ہنسی نے بھی ان کی آنکھوں کو پانیوں سے بھر دیا تھا۔

"آپ نے کوئی رابطہ ہی نہ رکھا۔ کبھی پلٹ کر نہ دیکھا۔" ہاجرہ کی مدہم آواز پر رضا نے چونک کر دیکھا، اس کے آنسو اسی تواتر سے رواں تھے۔

"دل اچاٹ ہو گیا تھا۔" عبدالمعید حسن آہستگی سے بولے۔

"آپ نے اچھا نہیں کیا۔" ہاجرہ کا لہجہ شکایتی ہوا۔

"رشتوں کی ستم ظریفیوں نے اس قابل ہی نہ چھوڑا کہ واپسی کی راہ اپنا سکتا۔" وہ دکھ سے بولے۔

"اندر چل کر بیٹھتے ہیں۔" رضا سکندر نے کہا۔ اتنی دیر میں ردا بھی شفیق کو ڈرائنگ روم میں بٹھا کر آ گئی تھی۔

"یہ ہماری بیٹی ہے ردا اور وجاہت کو تو تم جانتے ہی ہو۔" رضا نے ردا کا تعارف کروایا۔

"ماشاء اللہ...... ماشاء اللہ بہت پیاری بیٹی ہے۔ ہاجرہ کی جوانی یاد آ گئی۔" عبدالمعید نے ردا کے سر پر ہاتھ رکھا اور ہاجرہ کو چھیڑا۔

"ہماری امی تو ابھی بھی جوان ہیں۔" ردا یک دم ہاجرہ کے قریب جا کھڑی ہوئی۔

"ہاں بالکل...... کچھ تبدیلی بھی آئی کہ ابھی تک وہی نخرے ہیں؟" عبدالمعید حسن نے شرارت سے پوچھا تو رضا نے یک دم ہاجرہ کو دیکھا۔

"اب تو اتنا وقت گزر گیا کہ سب ایک خواب سا لگتا ہے۔" ان کی شرارت کو نظر انداز کر کے ہاجرہ نے ایسے دور کا حوالہ دیا جس کو بھلانے کی وہ خود بھی مسلسل کوشش میں مبتلا تھیں۔

"رضا یہ سب کیسے؟" عبدالمعید حسن نے رضا کے وہیل چیئر پر منتقل ہونے کی بابت پوچھا، ہاجرہ نہ چاہتے ہوئے بھی مختصراً انہیں رضا کے ایکسیڈنٹ کے بارے میں بتانے لگی۔ وہ

ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے جہاں شفیق بیٹھے کسی سوچ میں گم تھے۔ ان کو داخل ہوتے دیکھ کر یک دم وہ سنبھل کر بیٹھے۔

"بچھڑے ہوئے مل گئے ہیں تو اب میں چلتا ہوں۔" چائے اور دیگر لوازمات سے سیر ہونے کے بعد شفیق نے کہا۔

"ابھی بیٹھو کچھ دیر تک چلتے ہیں۔" عبدالمعید جو رشتے ناطے توڑ چکے تھے ان کے ملنے کی خوشی اور حیرت میں جتلا مدہم آواز میں بولے۔

"تم تو نہیں جا سکتے...... اجازت تو آپ کو بھی نہیں شفیق صاحب کہ کھانا کھائے بغیر چلے جائیں لیکن حسن اب ادھر ہی رہےگا۔" رضا نے خوش مزاجی سے کہا۔

"ان شاء اللہ پھر حاضر ہوں گا۔ دراصل اندازہ نہیں تھا کہ جہاں جا رہے ہیں وہ اپنے ہیں۔ ہم تو صرف وجاہت کی وجہ سے آئے تھے۔ ماشاء اللہ بہت سلجھا ہوا اور ہونہار لڑکا ہے، وجاہت کو دیکھ کر بہت خوشی ہوتی ہے۔" شفیق نے کھلے دل سے وجاہت کی تعریف کی تو رضا کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔ بیٹے کی تعریف پر ان کا سر فخر سے بلند ہوگیا تھا۔

"بس دعا کریں کہ اللہ ہدایت دیے رکھے۔" رضا نے مختصراً کہا۔ کچھ دیر اصرار کے بعد دوسرے دن واپس آنے کا کہہ کر شفیق وہاں سے چلے گئے تھے۔



اب ماضی کے وہ تین کردار آمنے سامنے تھے جن کی زندگیاں ایک دوسرے کے بنا مکمل ہوتے ہوئے بھی ادھوری تھیں۔ پرانی یادیں، پرانے حوالے اور نہ جانے کون کون سی باتیں تھیں۔ عبدالمعید حسن اور رضا سکندر اپنی اپنی روداد ایک دوسرے کو سنا رہے تھے جس میں دکھ، زیاں، غم اور چند ایسی خوشیاں جن کی معیاد بہت مختصر تھی کا ذکر بھی تھا۔ فجیعہ کے چلے جانے، کلیم اللہ اور خدیجہ کی تڑپ کی داستان کا حوالہ بھی آیا، ان کی موت پر افسوس بھی کیا گیا اور آنسو بھی بہائے گئے۔ نہ ذکر ہوا تو ان لوگوں کا جو اس بربادی کے ذمہ دار تھے۔ ہاجرہ مسلسل ایک جمود کا شکار تھی، عبدالمعید کی نگاہیں گاہے بگاہے اسے دیکھ رہے تھیں، چہرے پر ایک ملال، تھکن اور پژمردگی ان کی زندگی کی کٹھن مسافت کی نشاندہی کر رہی تھی۔ یہ وہی ہاجرہ تھی لیکن چہرے کے تاثرات سے نہ ہی انداز سے انہیں ہاجرہ حکیم اللہ کو پہچاننا مشکل ہوا تھا، ہاجرہ کی نگاہ بھی جب جب عبدالمعید کی طرف اٹھی وہاں اداسی کو گہرا ہوتا ہی دیکھا۔

آپ کسی کو شدت سے چاہتے ہیں اور وہ کسی اور کے لیے آپ کو چھوڑ کر چلا جاتا ہے، برسوں بعد اتفاقاً ملاقات پر ایک ہی نظر میں معلوم ہوتا ہے کہ خوشی تو دونوں کا نصیب نہ بن سکی۔ اس لمحے جو دکھ دل میں درد بن کر ابھرتا ہے وہ بیان نہیں کیا جا سکتا۔ عبدالمعید اس کی اس اداسی پر رنجیدہ تھے لیکن ان کی منتظر آنکھوں کو دیکھ کر ہاجرہ کے دل میں نہ جانے کیوں ایک اطمینان در آیا تھا۔ روا وہاں خاموش بیٹھی اس ملاقات پر دل ہی دل میں اس لیے خوش ہو رہی تھی کہ وجاہت کی خواہش پوری ہونے میں اب کوئی رکاوٹ نہیں رہی تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا جلد از جلد وجاہت کو یہاں کے حالات سے آگاہ کر سکے۔

"اب آئے ہو حسن تو واپس نہیں جانا۔" رضا نے کہا تو جہاں ہاجرہ چونکی وہیں عبدالمعید حسن بھی حیران ہوئے۔

"سکینز ہ کو چھوڑ کر یہاں کیسے رہ سکتا ہوں۔" ایک عورت کے ذکر پر ہاجرہ ٹھٹکیں۔

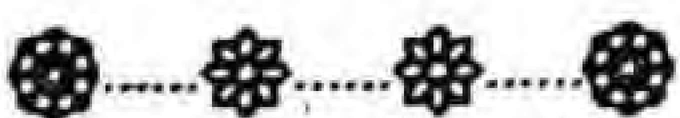
"سکینز ہ......؟" رضا نے مختصراً پوچھا اور جان بوجھ کر لہجے کو متجسس رکھا۔ ورنہ وہ تو سکینز ہ کے نام سے آشنا تھے۔

"ہاں سکینز ہ۔ میری اور فجیعہ کی بیٹی۔" عبدالمعید مسکرا کر بولے۔ ان کے لہجے میں بیٹی کی محبت کی چاشنی محسوس کرتے ہوئے سامنے بیٹھی ہاجرہ کے چہرے پر مسکراہٹ در آئی۔ ایک تلخ اور ذومعنی مسکراہٹ۔ عبدالمعید نے دیکھ کر نگاہ پھیر لی تھی مدا وہاں سے اٹھ گئی کہ اب اس سے مزید صبر نہیں ہو رہا تھا یہ بھی جانتی تھی کہ وجاہت عبدالمعید کی آمد کے بارے میں امی اور بابا کا رویہ بھی جاننا چاہ رہا ہوگا۔

"کیا ایسے ہی بتا دوں؟" میسج ٹائپ کرتے ہوئے روا کے ہاتھ رکے۔

"اتنی بڑی خبر...... بلکہ بریکنگ نیوز کہ وہ لڑکی جو مجھے بورنگ لگی تھی بھائی کا جس پر دل آیا ہے وہ دراصل ہماری ہی کزن ہے۔ بنا کسی ٹریٹ کے بتانے والی خبر نہیں۔" روا کو شرارت سوجھی۔

کمرے میں بیٹھی ہاجرہ کا دماغ تیزی سے کچھ سوچنے لگا تھا۔ ان کے چہرے کے تغیر و تبدل ایسے تھے کہ رضا چونکے بنا نہ رہ سکے تھے۔



کچھ جاب اور کچھ پڑھائی۔ یہ دن تو بے حد مصروفیت لیے وارد ہوئے تھے۔ اس کے پاس سر کھجانے کا بھی وقت نہ تھا۔ دو

دن پہلے کی مختصر سی فون کال کے بعد سکیزہ کا بھی اس کے ساتھ کوئی رابطہ ہوا نہ ہی ملاقات ہوئی تھی۔ کل شام بابا کا مختصر اًمیسج ملا کہ عبدالمعید نے آنا ہے اور صبح ردا نے بھی بتایا تھا کہ ادھر سب حسب منشا ہے لیکن اس تسلی کے باوجود انتہائی مصروفیت میں بھی اس کا دھیان بار بار اس ملاقات کی طرف جا رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ پہلی ملاقات کا اچھا ہونا بہت ضروری ہے۔ یہی ملاقات ہی اس کی زندگی کو بدلنے لگی اور اس ملاقات کی خوشگواریت پر اس کی زندگی کا دارومدار تھا۔

"بھائی......" ردا کا ایک لفظ کا میسج اس کی دھڑکنوں کی رفتار میں چنداں اضافہ کر گیا تھا۔

"کیا ہوا...... سب خیریت تو ہے ناں؟" اگلے لمحے وجاہت کے چند حروف کی بوکھلاہٹ نے ردا کو ہنسنے پر مجبور کردیا۔

"بریکنگ نیوز" ردا نے منہ بسور کر محض دو لفظ لکھ بھیجے تو اگلے پل اس کی اسکرین پر بھائی کالنگ جگمگانے لگا تھا۔

"مجھے پتا تھا امی کو اچھا نہیں لگے گا۔ اب بتا دو کیا ہوا؟" وجاہت کی بیزار اور جھنجلائی آواز پر ردا مسکرائی۔

"آپ پریشان نہ ہوں، ایسی کوئی بات نہیں ہے...... ان فیکٹ......" ردا نے جان بوجھ کر لہجہ کو پُرتجسس بنایا۔

"کیا مطلب؟" وجاہت الجھا۔

"معاملہ بہت پُرلطف ہے بھائی۔" ردا کا لب ولہجہ اسے زچ کر رہا تھا۔

"اب بتاؤ بھی کیا ہوا ہے؟ خوامخواہ سسپنس کیوں پھیلا رہی ہو۔"

"بھائی مزے کی بات ہے اور کافی فلمی سی سچوئیشن بھی، یہ جو انکل عبدالمعید ہیں یہ اصل میں امی کے فرسٹ کزن ہیں، جمشید انکل کے سگے بھائی اور سکیزہ ہماری کزن ہے۔"

"واٹ......! واقعی؟" اس کی اطلاع پر وجاہت ایک دم اچھلا۔

"ہاں واقعی۔" ردا بولی تو وجاہت ایک دم جیسے مطمئن ہوگیا۔

"خوش ہوجائیں بھائی۔ اب یقیناً کوئی مشکل نہیں ہوگی۔" ردا نے اسے چھیڑا۔

"اس کا مطلب یہ حسن انکل ہیں؟"

"ہاں بھائی۔ حسن انکل جو اپنے عشق میں اپنے خاندان کو چھوڑ کر کبھی واپس نہیں آئے۔" ان دونوں کو یہ کہانی معلوم تھی۔ انہیں معلوم تھا کہ زیادتیوں کی داستان رقم کرنا آغا فیملی کا محبوب مشغلہ رہا ہے اور اس کی زد میں بہت سے لوگ آئے تھے۔

"محبت تو ایسی ہی ہونی چاہیے۔" وجاہت زیرلب بڑبڑایا۔

"اچھا تو شاید اسی لیے مجھے دیکھتے ہی انہیں لگا تھا کہ وہ مجھے پہلے کہیں دیکھ چکے ہیں۔" وجاہت کو ان کی پہلی ملاقات یاد آئی۔ تو وہ زیرلب بولا۔

"محبت کے معاملے میں انکل حسن تو میرے فیورٹ تھے ہی لیکن عبدالمعید کے روپ میں بھی وہ میرے پسندیدہ لوگوں کی لسٹ میں شامل ہوگئے تھے۔" وجاہت دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ بہت دلنشیں احساس کے زیراثر بولا۔

"بھائی اب دعا کریں کہ مزید کوئی زیادتی کی داستان نہ رقم ہو کیونکہ امی کا رویہ بہت سپاٹ ہے۔" ردا نے اسے ہاجرہ کی سنجیدگی کی بابت بتانا ضروری سمجھا۔

"کچھ نہیں ہوگا۔ امی کو منانا اب اتنا مشکل نہیں رہا۔" وجاہت بہت پُرامید لہجے میں گویا ہوا۔

"مشکل نہیں لیکن مجھے تو کافی مشکل لگ رہا ہے۔" ردا نے اس کے ارادے جاننے کی خاطر ماں کا رویہ کچھ زیادہ ہی خطرناک بتایا۔

"دیکھو میری بہنا۔ تم اب چڑیل نہ بنو۔ میں بھی انہی کا بیٹا ہوں، اگر وہ ضدی ہیں تو میں بھی ضدی ہوں اس لیے تم ٹینشن لینے کی بجائے وہاں کے معاملات پر نظر رکھو باقی سب میں خود سنبھال لوں گا۔" وجاہت کے لہجے میں اب ایک عزم نمایاں ہوا۔

"میں ابھی چڑیل نہیں بنی ہوں۔ وہ تو سکیزہ کے سامنے بنوں گی پوری اصلی والی نند کی صورت میں۔" ردا کی شرارت پر وجاہت بے اختیار مسکرادیا۔

"شرم کرو اور ذرا ادب بھی کرو۔" وجاہت نے شرارتاً اسے ڈانٹا۔

"بھائی مت بھولنا کہ میں آپ کی اکلوتی بہن ہوں۔ آنکھیں ماتھے پر رکھیں تو سر قلم کروادوں گی۔ بھائی جان سے کہہ کر۔" آخر میں ردا نے قہقہہ لگایا۔

"بھئی تمہارے ارادے تو بہت خطرناک ہیں۔ ابھی سکیزہ سے یہ ذکر مت کرنا کہ ہم کزن ہیں۔" وجاہت نے اسے بطور خاص منع کیا۔

"او کے نہیں کرتی اور اب اللہ حافظ۔ میں ذرا دیکھ لوں وہاں کیا باتیں ہورہی ہیں۔" ردا نے عجلت میں کہا۔

"اچھا کوئی نئی بات پتا چلے تو مجھے میسج کردینا۔" وجاہت بھی چہکا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔" ردا نے کہہ کر فون بند کردیا اور وجاہت کا دل جیسے بلیوں اچھلنے لگا تھا۔ یہ اطلاع کہ عبدالمعید مسز سکندر کے کزن ہیں وجاہت کے لیے کسی معجزے سے کم نہیں تھی۔ اب وہ جلد از جلد سکیزہ تک اپنے احساسات پہنچانا چاہتا تھا کیوں کہ جان گیا تھا کہ اب سکیزہ کی ماں کے حوالے سے کوئی سوال نہیں اٹھے گا۔

"یہ محبت میری ہے۔ اللہ نے چاہا تو میرا مقدر ہی بنے گی۔" اپنی محبت کی وجہ سے وجاہت کے دل میں جو الجھن تھی وہ اب کافی حد تک دور ہوگئی تھی۔

وجاہت نے کچھ سوچ کر سکیزہ کا نمبر ملایا۔ مسلسل بیل جارہی تھی اور وہ اس کے کال ریسیو کرنے کا منتظر تھا۔



اس ملاقات کے بعد سے ان کا رویہ بہت عجیب سی الجھن لیے ہوئے تھا۔ انہیں بہت کچھ سوچنے پر مجبور کررہا تھا۔ عبدالمعید حسن کو سکندر ہاؤس میں ایک الگ کمرہ دیا گیا تھا جہاں وہ آرام کرنے کے لیے چلے گئے تھے۔ رضا شش و پنج میں مبتلا تھے کیا انہیں واپس چلے جانا چاہیے یا ابھی سکندر ہاؤس کے اس حصے میں ہی ٹھہرنا چاہیے؟ ردا اپنے کمرے میں چلی گئی اور ہاجرہ بھی بنا کچھ کہے وہاں سے چلی گئیں۔ وہ ان کے رویے کو سمجھ اور جان نہ پائے کہ وہ کیا سوچ رہیں ہوں گیں۔

"یہ میں نے کیسی محبت کی ہے؟ یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس کے دل میں میرے لیے کوئی جذبہ نہیں، احترام نہیں۔ اس کی دھڑکنیں کسی اور کے نام پر دھڑکتی ہیں میں نے ساری عمر گزار دی اس آس و امید میں کہ ایک دن میری محبت، میرے صبر کا انعام مجھے اس کے دل میں میرے نام کی گونج کی صورت میں مجھے ملے گا۔ آج برسوں بعد اس کا دل دھڑکا تو اس کی اپنی محبت کے نام پر۔ میں اور میری محبت ہمیشہ ترستی رہے گی؟" کمرے کے بیچوں بیچ وہیل چیئر پر بیٹھے رضا کی نگاہیں ایک غیر مرئی نقطے پر جم گئی تھیں اور دل و دماغ میں ایک تکرار جاری تھی۔ انہیں لگتا تھا اس کی ہمدردی، ان کی محبت کی شدت دیکھ کر پیار میں بدل جائے گی، آج انہیں معلوم ہوا کہ محبت، محبت ہی رہتی ہے اور ہمدردی، ہمدردی ہی رہتی ہے۔ حسن کی واپسی کوئی معنی نہ رکھتے ہوئے بھی انہیں الجھا گئی تھی۔ قدموں کی آہٹ پر وہ چونکے تو سامنے وہی کھڑی تھی جو آج بھی انہیں بے اختیار کردیا کرتی تھیں۔ جو آج بھی ان کی محبت تھیں۔

"تم...... میرا مطلب ہے کہ جب تک حسن یہاں ہیں آپ کہیں نہیں جانا۔" ان کے لہجے میں التجا نہیں حکم تھا۔ ہمیشہ کی طرح وہ انہیں حکم دے رہی تھیں۔

وہ پوچھنا چاہ رہے تھے کہ کیوں؟ لیکن وہ ایک تحکم بھرا جملہ ادا کرکے وہاں سے جاچکی تھی اور رضا سکندر کو اس حکم کی تعمیل کرنا تھی۔

"ہم سا بدقسمت کون ہوگا کہ اپنی محبت کے سنگ زندگی گزارنے کے باوجود ہم محبت کو ترس رہے ہیں۔" وہ کمرے میں آئے تو ہاجرہ سامنے والی کھڑکی کے پاس کھڑی گہری سوچوں میں گم تھی۔ وہ وہیل چیئر کو دھکیلتے اس کے پاس آرکے۔ سالوں بعد وہ انہیں اتنے قریب سے دیکھ رہے تھے۔

"کیا سوچ رہی ہو؟" ہاجرہ کی گہری خاموشی ان کے وہاں آنے کے کھٹکے پر بھی ان کی محویت نہ ٹوٹی تو ان کی سوچوں کے بارے میں انہیں پوچھنا پڑا۔

"ہاجرہ......" وہ پھر بھی متوجہ نہ ہوئیں تو ان کے آنچل کو دھیرے سے کھینچ کر متفکرانہ لہجے میں پکارا۔ وہ رخ موڑ کر انہیں دیکھنے لگیں۔

"تم ٹھیک ہو؟" ہاجرہ کی طرف سے آج بھی ایک لاتعلقی تھی اور ان کے لہجے میں محبت سے بھرپور ایک فکر۔ ہاجرہ نے آہستگی سے سر اثبات میں ہلادیا۔

"خاموش کیوں ہو؟ کوئی بات کرو۔" ان کی خواہش آج بھی اس کی آواز سننے کی تھی۔

"کیا بات؟" نہ جانے کیوں وہ غائب دماغی کا شکار ہورہی تھیں۔

"لڑائی کرو، کوئی الزام ہی دے دو۔ ہاجرہ پر خاموشی نہیں جچتی۔" وہ دھیرے سے مسکرائے تو ہاجرہ نے خالی خالی نظروں سے انہیں دیکھا۔

"اس وقت لڑائی کروں؟ میرے پاس تو کوئی اور ٹھکانہ بھی نہیں کہ اگر یہاں سے نکل جانے کو کہو گے تو کہاں جاؤں گی؟" وہ اس کی خودکلامی تھی یا اوائل دنوں کا حال؟ ان کی سمجھ میں نہ آیا لیکن شرمندہ ضرور ہوئے۔

"اب وقت، حالات اور عمر کا تقاضا یہی ہے کہ میں تمہیں کہیں بھی جانے نہ دوں۔" رضا نے اس کا ہاتھ تھامنا چاہا لیکن وہ کچھ ایسے فاصلے پر تھیں کہ ڈیل چیئر آگے نہیں بڑھ سکی اور وہ لپک نہیں سکتے تھے، آگے بڑھا ہاتھ ہاجرہ کے دیکھنے سے پہلے ہی انہوں نے پیچھے کرلیا تھا۔

"وہ وقت ہمارا تھا نہ حالات پر گرفت مضبوط تھی، عمر بھی جذباتی تھی اور محبت بھی کچی۔" رضا سکندر نے ماضی کی ایک لڑائی کی وضاحت دی جو شاید ہاجرہ کے دل میں کانٹے کی طرح آج بھی چبھ رہی تھی۔ ذرا کی ذرا نظر اٹھا کر انہیں دیکھا۔ انہیں یوں لگا اس کے نزدیک ان باتوں کی کوئی اہمیت نہیں، ہاجرہ کی سوچیں کہیں اور الجھی ہوئی تھیں۔

"لیکن ہم وہ عمر گزار چکے ہیں، وہ وقت گزرے بھی صدیاں بیت گئیں، ہاجرہ اب ہمیں سدھرنا چاہیے۔ اب ہمیں سنجیدگی سے زندگی کو جینا چاہیے۔ ایک دوسرے کو قبول کرلینا چاہیے۔" نہ جانے کیوں عبدالمعید حسن کا لوٹ آنا رضا کو اچھا نہیں لگا تھا۔ وہ اپنے آپ کو ایک بار پھر بے انتہا غیر اہم سمجھنے لگے تھے۔ ہاجرہ کے رویے کی تبدیلی انہیں احساس دلا رہی تھی کہ اس کی نظروں میں آج بھی رضا سکندر کا وجود بے معنی ہے۔ محبت تو وہ حسن سے کرتی ہیں۔ حسن کا کوئی اتہ پتہ نہیں تھا تو انہیں بھی اتنا احساس نہیں تھا حسن کے آتے ہی وہ ایک بار پھر یہ کوشش کرنے لگے کہ ہاجرہ کو ان سے محبت ہوجائے۔

"ہم وہ عمر گزار چکے ہیں اور وہ وقت بھی اب پلٹ کر نہیں آئے گا۔ اب ہمیں اپنی نہیں وجاہت اور ردا کی زندگیوں کے بارے میں سوچنا چاہیے۔" ہاجرہ نے قدرے سپاٹ انداز میں کہا۔

"لیکن میں چاہتا ہوں کہ پہلے ہمارے درمیان کی اس دیوار کو گرنا چاہیے۔" رضا کا انداز الجھا ہوا تھا۔

"مجھے اب آرام کرنا ہے۔ میں شاہ زیب کو بلاتی ہوں آپ کو بستر پر شفٹ کردے گا۔" ہاجرہ کا انداز آج بھی وہی تھا۔ وہی بے گانگی وہی لاتعلقی جو ہمیشہ رضا کو توڑ دیا کرتی تھی۔

"تم خوش ہو کہ حسن واپس آگیا ہے؟" اس سوال پر ہاجرہ کے قدم یک دم رکے اور بے اختیار اس نے پلٹ کر رضا کو دیکھا۔ ایک مسکراہٹ اس کے چہرے پر در آئی اور بنا کوئی جواب دیے وہ باہر کی طرف بڑھ گئیں۔

"میں ٹھیک ہوں شازی کو تکلیف نہ دو۔" رنجیدہ لب و لہجہ نے ان کے قدم پھر روک لیے۔ بنا کچھ کہے ہاجرہ اپنی جگہ پر لیٹ گئیں۔ کچھ ہی دیر بعد رضا کو محسوس ہوا کہ وہ گہری نیند سو چکی ہیں۔ ڈیل چیئر کو دھکیلتے وہ کھڑکی کے پاس آرکے اور چیئر کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں موندلیں۔ انہیں محسوس ہوا کہ آنکھیں بند کرتے ہی گرم سیال ان کی آنکھوں سے بہہ رہا ہے۔ رات بیت رہی تھی اور وہ لمحہ لمحہ پگھل رہے تھے۔



"بیٹھے ہو تم، کھوئے کھوئے گم صم۔ خیریت تو ہے؟" مسکیز ہ نے اس کی کال ریسیو نہیں کی اور وہ کافی دیر سے پریشان حال بیٹھا یہی سوچ رہا تھا کہ وہ کہاں ہوگی کہ احمر کی آمد اور شوخ گنگناہٹ نے اسے چونکا دیا۔

"نہیں کچھ خاص نہیں۔" ایک نظر موبائل کی خالی اسکرین پر ڈالی اور گہری سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔

"سوچوں کی گہرائی تو کسی گمبھیر معاملے کی نشاندہی کررہی ہے۔" احمر نے ابرو اچکا کر بے یقینی سے اسے دیکھا۔

"ایک حیران کن بات ہے تو سہی لیکن تم یقین نہیں کرو گے۔" وجاہت نے اس کی طرف دیکھ کر قدرے سنجیدگی سے کہا۔

"بتاؤ تو سہی؟" احمر پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"انکل عبدالمعید ہیں ناں......"

"ہاں کیا ہوا......وہ خیریت سے تو ہیں ناں؟" اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی احمر فکرمندی سے گویا ہوا۔

"پہلے پوری بات تو سن لو بے صبری ہیروئن کی طرح بیچ میں بولنا ضروری ہے کیا۔" وجاہت نے جھنجھلا کر کہا تو احمر اسے گھور کر رہ گیا۔

"بات شروع ڈرامائی انداز میں کرے گا تو بیچ میں بولنا ہی پڑے گا ناں۔" احمر نے منہ بسور کر کہا۔

"اب بتاؤ بھی کیا ہوا انکل عبدالمعید کو؟" وجاہت کچھ دیر خاموش ہوا تو احمر نے غصے سے کہا۔

"انکل عبدالمعید میری امی کے فرسٹ کزن نکلے۔" انکشاف پر احمر کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

"کیا مطلب......! کہاں سے نکلے؟" بوکھلاہٹ میں وہ یہ بھول گیا کہ کیا کہہ رہا ہے۔

"خون سے۔" وجاہت نے اسے گھور کر کہا۔

"اور تمہیں یہ سب کیسے پتا چلا؟" احمر ابھی تک بے یقینی کی

سی کیفیت میں تھا۔
"انکل عبدالمعید گئے تھے ناں بابا سے ملنے کے لیے۔" وجاہت نے اس سے نظریں چراتے ہوئے اسے بتایا۔
"کیا......؟" وہ چلایا۔
"یعنی تم وہاں ملاقاتیں کروا رہے ہو اور یہاں میرے سامنے ستی ساوتری بنے گھوم رہے ہوتا کہ میں کوئی اندازہ نہ لگا سکوں کہ معاملہ کہاں تک پہنچا ہے۔" احمر نے خون آلود نگاہوں سے اسے گھورتے ہوئے ناراضی کا اظہار کیا۔
"تم خوامخواہ غصہ کررہے ہو ایسا کچھ نہیں ہے۔" وجاہت نے وضاحت دی۔
"میری سمجھ اب اتنی بھی گئی گزری نہیں ہے کہ تمہاری سازشوں کو نہ سمجھ سکے۔" احمر بگڑے تیوروں کے ساتھ گویا ہوا۔
"نہیں...... نہیں تم تو بہت اعلیٰ سمجھ کے مالک ہو۔" وجاہت نے دانت پیس کر خشمگین نظروں سے اسے دیکھا۔
"تو تم میری اعلیٰ سمجھ کو متاثر نہ کیا کرو۔ نقصان کا اندیشہ ڈرانے لگتا ہے۔" احمر نے بھی تیکھے لہجے میں کہا تو یک دم وجاہت کا قہقہہ بلند ہوا۔
"اب سیدھی طرح بتاؤ کیا سین ہے۔"
"تیرے سر کی قسم کوئی سین نہیں۔"
"خبردار...... میرے سر کی قسم نہ کھانا۔" ایک دم ہی احمر نے اسے خبردار کیا۔
"پہلے ہی میرا کوئی کام سیدھا نہیں ہوتا، اوپر سے تم میرے سر کی قسم کھالو تاکہ تمہارے جھوٹ کی سزا بھی مجھے ہی ملے۔"
"یار ایک ذرا سی بات پر کیوں ہتھے سے اکھڑ رہے ہو۔" وجاہت ایک تو سکیزہ کی طرف سے الجھن کا شکار تھا اس پر احمر کی بحث وہ اچھا خاصا جھنجھلا گیا۔
"واہ خوب کہی۔ پرواہ داری کی بھی حد ہے بالا ہی بالا والدین تک بات پہنچا دی، وہاں پرانی رشتہ داریاں نکل آ ئیں اور یہاں مجھے کچھ خبر ہی نہیں اور میں ہتھے سے بھی نہ اکھڑوں۔" احمر نے دونوں ہاتھ کمر پر رکھے لڑاکا عورت کا کردار بخوبی نبھایا۔
"مجھے معلوم نہیں تھا کہ تم اندر سے اتنے پھاپے کٹنے ہو۔ یعنی کہ حد ہوگئی بات پوری سنی نہیں اور فضول ہانکنے لگے۔" وجاہت نے غصے سے کہا۔
"آدھی بات نے ہی اوسان خطا کردیے تو پوری سننے پر اللہ خیر ہی کرے اور......"

"اچھا تو انکل عبدالمعید وہاں پہنچے تو انہیں پتا چلا کہ یہ تو کسی گم گم کے میلے میں بچھڑے کزن ہیں جو اچانک مل گئے۔" احمر اب ان کی ملاقات کو تصوراتی انداز میں بیان کرنے لگا تو وجاہت نے اسے گھورا۔
"سین تو کافی فلمی ہے لیکن سچ یہی ہے۔" وجاہت نے ان کی ملاقات کے ڈرامائی انداز کی تائید کی۔
"اوئے یاررررر......" احمر یک دم دونوں ہاتھ ایک دوسرے پر مار کر اچھلا تو وجاہت گھبرا گیا۔
"اس کا مطلب کہ سکیزہ تمہاری کزن ہے۔" احمر نے بات پوری کی تو وجاہت نے دانت کچکچا کر پاؤں میں پہنا سلیپر اس کی طرف اچھال دیا۔
"تو پچھلے آدھے گھنٹے سے میں کیا بکواس کیے جارہا ہوں؟" وجاہت کا بس نہ چل رہا تھا کہ احمر کے اس قدر متعجب رد عمل پر اس کا گلا ہی دبا دے۔
"یار ایمان سے میرے ذہن میں تو یہ آیا ہی نہیں۔ ابھی ابھی مجھے خیال آیا کہ سکیزہ تو عبدالمعید انکل کی بیٹی ہے۔" احمر نے معصوم صورت بنا کر کہا۔
"اب تو معاملہ صاف ہے ناں؟ اب تو آنٹی کو بھی کوئی اعتراض نہیں ہوگا لیکن تمہارا منہ کیوں لٹکا ہوا ہے؟" احمر نے اس کے بیزار چہرے کی طرف دیکھ کر پوچھا۔
"کافی دیر سے سکیزہ کو کال کرنے کی کوشش کررہا ہوں اٹھا ہی نہیں رہی۔" وجاہت نے بیچارگی سے کہا تو احمر بے اختیار ہنستا چلا گیا۔
وجاہت نے جھینپ کر ہمیشہ کی طرح ایک بار پھر اس کی مرمت شروع کردی۔ کبھی تکیے سے، کبھی کے لاتوں سے تو کبھی صلواتوں سے اور احمر اسے چھیڑتا اور مار کھاتا رہا کہ دوستوں کی اس چھیڑ چھاڑ اور مار میں بھی گہری دوستی چھپی ہوتی ہے۔ کافی دیر دونوں ہنستے ہنساتے رہے لیکن وجاہت کے دل میں سکیزہ کی جانب سے خاموشی پر فکر میں اضافہ ہونے لگا تھا۔ یک دم ہی اسے احساس ہوا کہ سکیزہ اس کی کزن ہے اور گھر کی لڑکیوں کے معاملے میں وہ کافی محتاط تھا۔ ایک بار پھر وہ اس کا نمبر ملایا۔ اس دفعہ نمبر کسی دوسری کال پر مصروف ہونے پر اسے تھوڑا سا اطمینان ہوا لیکن فکر بہرحال رہی تھی۔



بستر پر لیٹے چھت کو گھورتے ایک لمحے کے لیے بھی ان کی

آنکھیں بند نہیں ہوئی تھیں، ایک عجیب سی کیفیت نے انہیں بہت بے چین کردیا تھا۔

زندگی بھی کیا شے ہے؟ ایسے مقام پر لے آتی ہے جہاں ہم کبھی قدم بھی رکھنا نہیں چاہتے ہیں اور نہ چاہتے ہوئے بھی ہم اس جگہ ٹھہر جانے پر مجبور ہوجاتے ہیں جہاں چند پل کا قیام بھی ہمیں کبھی گراں گزرتا تھا۔ جب کسی سے ملنے کا سبب بنتا ہے تو اتنی بڑی دنیا سکڑ کر چھوٹی سی ہوجاتی ہے۔ انہیں آج احساس ہورہا تھا کہ وجاہت کو دیکھتے ہی انہیں کیوں لگا تھا کہ وہ اس سے پہلے مل چکے ہیں۔ ان کے ذہن کے کسی گوشے میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ وجاہت ہاجرہ اور رضا کا بیٹا ہوگا۔ بے شک رابطے نہیں تھے، دوریاں تھیں لیکن ان تینوں کے درمیان تعلق تو تھا جس کی مشابہت وجاہت کے چہرے پر جھلک رہی تھی اور پہچانتے ہوئے بھی وہ پہچان نہ پائے تھے۔

''چاچا حکیم اللہ'' عبدالمعید حسن زیرلب بڑبڑائے اور ایک دم اٹھ بیٹھے۔

''جمشید لالا...... شمع باجی سب لوگ کہاں ہیں؟'' انہوں نے خود کلامی کی۔ وہی اپنے جنہوں نے عبدالمعید حسن کو دکھ دیئے تھے۔ ان کی محبت نے انگڑائی لی اور اگلے پل وہ اٹھ کھڑے ہوئے کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکل آئے۔ باہر کھڑے وہ سکندر ہاؤس کے ہر کمرے کے بند دروازے کی طرف دیکھتے رہے، کسی بھی دروازے پر دستک دینا انہیں مناسب نہیں لگا، اسی بے چینی کے ہمراہ وہ واپس کمرے میں جانے لگے کہ ایک کھٹکے پر رک گئے۔

''ہاجرہ......'' سامنے والے کمرے سے نکلنے والی ہاجرہ تھی جو یقیناً پانی پینے کی غرض سے باہر آئی تھیں۔

عبدالمعید حسن بے اختیار ان کی طرف بڑھے۔ ابھی تک ان دونوں کی براہ راست کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ پکار پر ہاجرہ چونکیں۔ حسن کو وہاں دیکھ کر حیران بھی ہوئیں لیکن سپاٹ چہرے کے ساتھ کھڑی رہیں۔

''کتنا وقت گزر گیا۔ میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ میں واپس اپنوں میں لوٹ آؤں گا۔'' حسن نے بہت مدھم آواز میں کہا۔

''مجھے معلوم تھا کہ زندگی میں ایک بار پھر آپ سے ملاقات ضرور ہوگی لیکن اس ملاقات کا حوالہ میرا بیٹا ہوگا یہ واقعی نہیں سوچا تھا۔'' ہاجرہ نے ان کی طرف دیکھ کر کہا۔

''سب لوگ کہاں ہیں؟ چاچا حکیم اللہ ٹھیک ہیں؟'' نہ جانے کیوں حسن کو بے چینی ہورہی تھی، اپنوں کے دیئے گئے زخم اب مندمل ہوگئے تھے یا شاید ان کی سمجھ میں آ گیا تھا کہ جو کچھ ہوا وہ ہونا ہی تھا اور اس کا سبب وہ لوگ بنے جو اپنے تھے۔

''سب اپنے اپنے مقام پر زندگیاں گزار رہے ہیں۔'' ہاجرہ نے مختصراً کہا۔

''خوش ہیں؟'' حسن نے انہیں دیکھ کر پوچھا تو ہاجرہ نے نگاہ اٹھا کر انہیں دیکھا۔ ان کی نظروں میں ایک ایسا پھیکا پن تھا کہ حسن نے بے اختیار نگاہ جھکالی۔

''میں چاچا حکیم اللہ سے ملنا چاہتا ہوں۔'' حسن کی بات پر ہاجرہ چونکیں۔

''وہ آغا حویلی میں ہی ہیں۔ صبح مل لینا۔''

''تم بھی ساتھ چلوگی؟''

''میں آغا حویلی نہیں جاتی۔'' ہاجرہ نے کہا تو حسن نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

''ابھی تک پرانی ضدیں قائم ہیں؟''

''جن کی بدولت زندگی تباہ ہوجائے ان کو معاف کرنا میرے لیے ممکن نہیں تھا۔'' ہاجرہ کے لہجے کی تلخی پر حسن گنگ رہ گئے۔

''اس کا مطلب ہے مجھے بھی نہیں معاف کیا؟'' حسن کا سوال بہت غیر متوقع ہوا۔

''تمہاری خاموشی اور سوگوار چہرہ مجھے اچھا نہیں لگا ہاجرہ۔'' دونوں بیچ راستے میں ایک ایسا ذکر چھیڑے کھڑے تھے جس نے ہاجرہ کی زندگی بدل دی تھی، جس نے اسے ایسا کٹھور بنادیا تھا کہ آج تک وہ رضا کی سچی اور کھری محبت کو پہچان نہ سکی تھیں۔

''ہاجرہ لڑتی جھگڑتی ہی اچھی لگتی تھی۔'' مسلسل خاموشی پر حسن پھر بولے۔

''نیا انکشاف ہے کہ آپ کو بھی ہاجرہ اچھی لگتی تھی۔'' لہجے میں طنز اور غصہ دونوں ہی واضح تھے، عبدالمعید حسن ہنس دیئے۔

''صبح بات کرتے ہیں۔ تم بھی آرام کرو۔'' اس کے طنز کو نظر انداز کرکے وہ پلٹ گئے۔

''آپ کی بیٹی کیسی ہے؟'' مسکیزہ کے ذکر پر وہ رک گئے۔

''بہت پیاری ہے۔ شجیعہ کی طرح پاگل اور ٹوٹ کر چاہنے والی۔'' مسکیزہ کے ذکر پر عبدالمعید حسن کے چہرے پر ایک دلکش مسکراہٹ ابھری اور شجیعہ کے ذکر پر ہاجرہ نے لب بھینچ لیے

تھے۔

"اسے ساتھ کیوں نہیں لائے؟" ہاجرہ نہ جانے کیا جاننا چاہ رہی تھی۔

"میں اپنے دوست کے ساتھ چند دنوں کے لیے آیا ہوں، وہ یونیورسٹی میں پڑھتی ہے تو اس کی پڑھائی کا حرج ہوتا۔"

"اسی یونیورسٹی میں جس میں وجاہت پڑھتا ہے؟" ہاجرہ کے سوال پر عبدالمعید چونکے اور اثبات میں سر ہلایا۔ اگلے پل بنا کچھ کہے ہاجرہ واپس کمرے میں چلی گئیں اور عبدالمعید حسن اپنے کمرے میں آکر صبح کا انتظار کرنے لگے تھے۔



"ہیلو۔"

"السلام علیکم۔ کیا ہوا؟ آپ کی اتنی کالز۔ میں نے ابھی فون چیک کیا۔" وجاہت کی کال کو اس نے ایک ہی بیل پر اٹھالیا تھا۔

"وعلیکم السلام۔ کافی دن سے کوئی رابطہ نہیں ہوا۔ کال نہیں اٹھائی تو مجھے فکر ہونے لگی کہ کہیں انکل کی غیر موجودگی میں بیمار ہی نہ پڑگئی ہو۔" وجاہت نے یک دم اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے کہا تو وہ ہنسنے لگی۔

"آپ بھی ڈیڈ کی طرح مجھے بالکل ہی بچی سمجھنے لگے ہیں۔ ڈیڈ کو بھی بتایا تھا اور آپ کو بھی بتارہی ہوں کہ میں بچی نہیں ہوں اور میں ڈیڈ کے بغیر بھی کچھ دن رہ سکتی ہوں۔" سکیزہ کچھ تیکھے انداز سے بولی تو وجاہت مسکرادیا۔

"اچھا کہاں مصروف تھیں؟" وجاہت نے سرسری لہجے میں پوچھا۔

"آسیہ آنٹی کے ساتھ تھی اور ان سے کڑاہی گوشت پکانا سیکھ رہی تھی۔" سکیزہ نے ہلکے سے ہنس کر کہا۔

"میرے لیے سیکھ رہی ہو؟"

"کیوں آپ کو کیا ہے۔" سکیزہ کے سوال پر وجاہت نے خیالوں ہی خیالوں میں اسے گھورا۔

"میں تو اس لیے سیکھ رہی ہوں کہ ڈیڈ آئیں گے تو ان کو سرپرائز دوں گی۔" وجاہت کے کچھ کہنے سے پہلے ہی سکیزہ نے خود ہی وضاحت دی۔

"اس سرپرائز میں میرا بھی چھوٹا سا حصہ رکھ لینا بہت عرصے سے اپنی فیورٹ ڈش نہیں کھائی۔"

"واقعی......! آپ کی بھی فیورٹ ڈش ہے؟" سکیزہ خوشی سے چلائی۔

"ہاں۔"

"پھر ٹھیک ہے ڈیڈ آجائیں تو کڑاہی گوشت کی دعوت پکی۔" سکیزہ نے یک دم پروگرام بنالیا اور وجاہت ایک خوش فہمی میں گھرنے لگا۔

"انکل سے بات ہوئی؟" وجاہت جاننا چاہ رہا تھا کہ عبدالمعید نے سکیزہ کو کچھ بتایا کہ نہیں۔

"نہیں کل صبح بات ہوئی تھی۔ ڈیڈ نے کہا تھا کہ اگر وہ بات نہ کرسکیں تو پریشان نہ ہوں وہ مصروف ہوں گے اور میرے خیال میں ڈیڈ آپ کے پیرنٹس سے بھی ملاقات کرنے گئے ہیں۔"

"ہاں ردا کا میسج آیا تھا کہ انکل ہمارے گھر ہیں۔" وجاہت نے بھی اس حوالے سے کوئی تفصیل بتانا مناسب نہ سمجھا۔

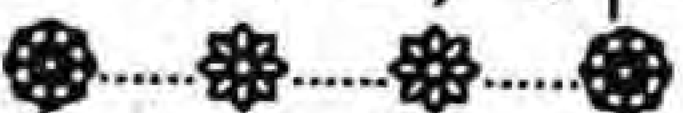
"اوکے...... اگر کل یونیورسٹی آرہی ہو تو کافی ساتھ پئیں گے۔" وجاہت نے کہا تو سکیزہ لمحہ بھر کو چونکی۔

"لیکن آپ تو کافی نہیں پیتے۔"

"کوئی بات نہیں میں چائے پی لوں گا۔ جب فری ہو تو میسج کردینا۔" وجاہت نے کہا۔

"اچھا۔" کال بند ہوچکی تھی اور وجاہت سمجھ نہ پایا کہ اس نے سکیزہ کو کیوں نہیں بتایا کہ وہ اس کی کزن ہے۔ شاید وہ مل کر بتانا چاہ رہا تھا تاکہ اس کے تاثرات بھی دیکھ سکے۔

سکیزہ متعجب تو ہوئی لیکن اس نے زیادہ غور نہ کیا کہ وجاہت نے کافی ساتھ پینے کا کیوں کہا۔ لمحہ بھر سوچنے کے بعد وہ دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہوگئی تھی۔



یوں لگ رہا تھا کہ ماحول کچھ پُرسکون ہے لیکن ایک [illegible] سی تھا۔ پتوں کی سرسراہٹ اور چڑیوں کی چہچہاہٹ نے فضا میں ایک ہلچل مچا رکھی تھی۔ ذہن پُرسکون نہ تھا مسلسل ایک بے چینی انہیں بار بار پہلو بدلنے پر مجبور کررہی تھی۔ اس کے باوجود وہ رخ موڑے ایک ہی انداز میں بیٹھے تھے۔ جب رات آنکھوں میں کٹ جائے تو صبح بوجھل لگنے لگتی ہے۔ بستر پر لیٹے لیٹے سر گھما کر دیکھا تو کھڑکی کے پاس رضا اپنی وہیل چیئر پر سر ٹکائے آنکھیں موندے ہوئے تھے۔ وہ اندازہ نہ لگا سکی کہ وہ جاگ رہے ہیں یا ان پر نیند مہربان ہوچکی ہے۔ بار بار پہلو بدلنے پر وہ یہ تو جانتی تھیں کہ رات ان پر بھی بہت بھاری گزری ہے لیکن اس وقت کی خاموشی انہیں کچھ سوچنے پر مجبور کررہی تھی۔ وہ آہستگی

سے اٹھیں اور کھڑکی کے پردے کو برابر کرتیں کمرے سے باہر نکل گئیں۔ ہاجرہ کے باہر جاتے ہی رضا نے آنکھیں کھول کر گہری سانس خارج کی۔ اگلے لمحے انہوں نے وہیل چیئر کے وہیلز کو گھمایا اور کمرے میں نگاہیں دوڑائیں، برسوں بعد وہ دونوں ایک ہی چھت تلے کئی گھنٹوں تک اکٹھے رہے تھے اور برسوں پہلے والی بیگانگی آج بھی اسی تواتر سے برقرار رہی تھی۔ کتنی عجیب بات ہے ایک عمر ساتھ گزار دی اور اس کے دل میں وہ محبت نہ انگڑائی لے سکی جوان کی خواہش تھی، انتہائی دلبرداشتہ ہوکر وہ وہیل چیئر کو دھکیلتے وہاں سے باہر کی جانب بڑھنے لگے۔

"السلام علیکم۔" وہ جیسے ہی کمرے سے باہر نکلے سامنے عبدالمعید حسن کچھ الجھن میں کھڑے نظر آئے۔ رضا نے اِدھر اُدھر نگاہ دوڑائی ہاجرہ یا ردا کہیں نظر نہ آئیں۔

"وعلیکم السلام۔ یار اتنا سناٹا میں تو گھبرا ہی گیا کہ کہیں تم لوگ مجھے چھوڑ کر بھاگ تو نہیں گئے۔" عبدالمعید حسن آگے بڑھتے ہوئے ہنس کر بولے۔

"ہم تو اِدھر ہی ہیں اور ویسے بھی بھاگنے والے کام تو آپ کے ہی ہیں بے فکر رہیں ہمارا تو جینا مرنا یہاں ہی ہے۔" اس سے پہلے کہ رضا کچھ کہتے کچن سے برآمد ہوتی ہاجرہ نے بظاہر ہنستے ہوئے لیکن بے انتہا تلخی سے کہا تو حسن نے کنکھیوں سے رضا کو دیکھا جو سر جھکائے بیٹھے تھے۔

"اچھی بات ہے ایک کپ چائے ملے گی۔" ردا کچن کے دروازے میں کھڑی ماں کے تیوروں سے کافی حد تک خوف زدہ تو تھی ہی اب حیران بھی ہورہی تھی۔ اس نے آج تک ہاجرہ کو رضا سے بھی ایسے طنزیہ لہجے میں بات کرتے نہیں دیکھا تھا۔ اب اسے وجاہت کی خواہش کی تکمیل ہوتے نظر نہیں آرہی تھی۔

"ردا بیٹا انکل کے لیے اچھی سی چائے بناؤ اور ساتھ کچھ کھانے کو بھی لاؤ۔" رضا نے حیران و پریشان کھڑی ردا کو کہا وہ ایک دم کچن میں چلی گئی۔ ہاجرہ خاموشی سے وہاں ہی کھڑی رہیں۔ یوں محسوس ہورہا تھا اگر ایک بات اور کی تو ہاجرہ کی طرف سے وہاں جنگ شروع ہوجائے گی۔ وہ یوں بھری ہوئی کھڑی تھیں جیسے عمر بھر کی ریاضت کا سارا حساب آج اور ابھی لے لے گی۔ عبدالمعید حسن کے لیے آج بھی ہاجرہ کا یہ رویہ اتنا ہی حیران کن تھا جتنا برسوں پہلے تھا۔ وہ جان گئے کہ وہ آج بھی اتنی ہی ضدی ہیں، آج بھی ان میں من مانی کی عادت اسی طرح موجود ہے آج بھی وہ ثابت کررہی ہیں کہ ان کی رگوں میں آغا حکیم اللہ کا خون ہے۔

"آؤ میں تمہیں اپنا کام دکھاؤں؟" عبدالمعید حسن اِدھر اُدھر یوں دیکھ رہے تھے جیسے کوئی جائے پناہ ڈھونڈ رہے ہوں اور رضا بھی وہاں سے ہٹ جانا چاہتا تھے۔

"میں چاچا حکیم اللہ سے ملنا چاہتا ہوں۔ جمشید لالا اور شمع باجی سے ملاقات بھی کرنی ہے پھر مجھے جانا ہوگا۔" انہوں نے اپنی خواہش ظاہر کی تو رضا نے ہاجرہ کی طرف دیکھا جو لب بھینچے اب وہاں سے ہٹ جانے کے لیے پر تول رہی تھی۔

"ہاں ٹھیک ہے ناشتہ کرلیں پھر چلے جانا۔" رضا نے کہا تو انہوں نے اثبات میں سر ہلادیا۔

"چلو پھر تمہارا کام دیکھ لیتے ہیں۔" اگلے پل عبدالمعید حسن نے خوش دلی سے کہا تو رضا مسکرادیے۔

"ہاں چلو۔ ردا بیٹا چائے اور ناشتہ میرے اسٹوڈیو میں ہی لے آنا۔" رضا نے ردا کو آواز دی اور عبدالمعید کے ہمراہ سکندر ہاؤس کے اس حصے کی طرف بڑھ گئے جوان کی جائے پناہ تھی۔

"ہاجرہ تم بھی ساتھ آؤ۔" عبدالمعید نے رضا کے ساتھ چلتے ہوئے یک دم پلٹ کر کہا تو ہاجرہ نے رضا کو دیکھا۔

"ہاں آجاؤ۔" رضا نے مدہم آواز میں کہا۔

"میں ناشتہ لے کر آتی ہوں آپ لوگ چلیں۔" شاید انہیں احساس ہوگیا تھا کہ ان کا رویہ ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا اسی لیے نرم لہجے میں کہہ کر کچن کی جانب بڑھ گئیں۔ کچھ بھی تھا ہاجرہ نے کبھی بھی کسی مہمان کے سامنے ایسی تلخی کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ بے شک وہ مہمان رضا کے ہوں ہاجرہ نے سکندر ہاؤس کی عزت پر کبھی حرف نہ آنے دیا تھا لیکن آج ہاجرہ نے اپنی زبان اور رویے سے ضبط کے سارے بند توڑ دیے تھے۔

"ہاجرہ نہیں بدلی۔" رضا کے ہمراہ چلتے ہوئے عبدالمعید حسن نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ کہا۔

"نہیں۔" رضا سکندر نے نہایت مختصراً جواب میں تائید کی۔ عبدالمعید کو محسوس ہوا جیسے وہ ہاجرہ کی تلخ کلامی کے باعث کچھ شرمندگی محسوس کررہے ہیں اس لیے اس حوالے سے مزید کوئی بات کرنا مناسب نہیں سمجھی۔

"ماشاء اللہ۔" رضا سکندر کے حصے (جس کو انہوں نے اپنا اسٹوڈیو کہہ کر متعارف کرایا تھا) میں قدم رکھتے اور ان کے کام کو دیکھتے ہی عبدالمعید حسن کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں۔

"یہ سب تمہارا کام ہے؟" انہوں نے لکڑی کا کام دیکھ کر

حیرانی سے پوچھا۔

"اتنا بھی خاص نہیں کہ تم ایسے بے یقین ہو جاؤ۔" رضا سکندر کھسیانا سا ہنستے ہوئے بولے۔

"اتنا نہیں...... بہت ہی زیادہ خاص ہے۔" عبدالمعید نے ان کے آرٹ کو ہاتھ سے چھو کر کہا۔

"مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے رضا۔ تم نے بہت اچھا کیا اپنی صلاحیت کو ضائع نہیں ہونے دیا۔ مجھے یقین ہے کہ یہ کام تمہیں ایک ایسا مقام بھی دے گا جس کی تم خواہش کرتے تھے جو تمہارا حق بھی ہے۔" رضا نے انہیں دیکھا لیکن اندازہ نہیں لگا سکے کہ عبدالمعید نے کس مقام کی بات کی ہے۔

"ان شاء اللہ۔" رضا نے زیرلب کہا۔ عبدالمعید حسن کافی دیر تک کام دیکھتے رہے اور رضا خاموشی سے ان کی دلچسپی پر حیران ہوتے رہے تھے۔

❀......❀......❀......❀

بے حد سنجیدگی اور خاموشی سے کچن میں کھڑی وہ ناشتہ کی چیزیں تیار کر رہی تھیں۔ الوکی بھجیا، سوجی کا حلوہ اور پوریاں۔ ٹی کیک، بسکٹ اور چائے۔ ساری چیزیں ٹرالی میں سجانے کے لیے وہ ردا کو ساتھ ساتھ ہدایت دے رہی تھیں، کہیں سے بھی یہ محسوس نہیں ہو رہا تھا کہ وہ آدھا گھنٹہ پہلے والی ہاجرہ ہیں۔ اس وقت وہ مکمل طور پر مہمان نوازی نبھانے کی کوشش میں اپنے سارے ہنر آزمانے میں لگیں ہوئی تھیں۔

"امی......" ردا پہلے تو دیکھتی رہی پھر بے اختیار انہیں پکارا تو انہوں نے مصروف انداز میں نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا۔

"انکل عبدالمعید وہی ہیں ناں جنہوں نے یوکے میں کسی سے شادی کر لی تھی اور نانا ابو ان کو زبردستی لے آئے تھے؟" ردا ایک سنی سنائی بات کی تصدیق چاہ رہی تھی۔

"ہاں وہی ہیں۔" ہاجرہ نے پلیٹوں کو سیٹ کر کے رکھتے ہوئے کہا۔

"اس کا مطلب ہماری ایک اور کزن بھی ہے؟" ردا ایک دم خوش ہوتے ہوئے بولی۔

"تمہاری کزن؟" ہاجرہ نے چونک کر دیکھا۔

"ہاں انکل عبدالمعید کی بیٹی سکیزہ۔" ردا پُرجوش لہجے میں بولی۔

"تم کیسے جانتی ہو......! کیا وجاہت بھی جانتا ہے اسے؟" ہاجرہ کا انداز ایسا تھا کہ ردا نظریں چرا گئی۔

"نہیں امی بھائی تو نہیں جانتے۔" ردا یک دم سنبھل کر بولی۔ ہاجرہ چند پل اس کو دیکھتی رہی پھر رخ موڑ کر اپنا کام کرنے میں لگ گئی۔ کچھ دیر بعد ناشتے کی ٹرالی دھکیلتے ردا کے ہمراہ ہاجرہ سکندر ہاؤس کے اس حصے کی جانب بڑھیں جہاں رضا اور حسن براجمان تھے۔

"اتنا کچھ بنالیا، میں تو صبح صبح صرف چائے ہی پیتا ہوں۔" عبدالمعید حسن نے مسکرا کر کہا۔

"اچھا تو انکل آپ کی اسمارٹنس کا راز صرف چائے پینا ہے؟" ردا نے مسکراتے ہوئے عبدالمعید کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اسمارٹنس کہاں بیٹا اب تو بوڑھے ہوگئے ہیں ہم۔" عبدالمعید نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ہاں لیکن بڑھاپے نے بھی آپ کی اسمارٹنس کو برقرار رکھا ہے۔" ردا کو یاد آیا کہ سکیزہ نے اکثر اپنے ڈیڈ کا ذکر کسی ہیرو کی طرح کیا تھا۔ ان کو دیکھ کر اسے ایسے ہی محسوس ہوا۔

"بیٹا اب تو طبیعت بھی خراب رہتی ہے۔ ہاں کبھی ایک زمانہ مرتا تھا ہم پر بھی۔"

"اور پھر کیا ہوا انکل؟" ردا نے شریر لہجے میں دلچسپی سے پوچھا۔

"پھر وہ زمانہ حقیقت میں مر گیا۔ صرف مرا ہی نہیں مار بھی گیا۔" عبدالمعید حسن ہنستے ہوئے مگر سنجیدگی سے گویا ہوئے۔ ان کی بات پر یک لخت ہاجرہ نے انہیں دیکھا، رضا کی نگاہیں بھی ان کی جانب اٹھیں۔

"انکل اب ایسے اداس نہ ہوں۔ سکیزہ تو ہے اور اب تو ہم سب بھی ہیں۔" اگلے پل ردا نے ہاجرہ اور رضا کو دیکھ کر قدرے بشاش لہجے میں کہا۔

"ہاں...... میں تو اداس نہیں ہوں۔" عبدالمعید نے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔

"انکل ایسا کریں کہ سکیزہ کو بھی یہاں بلالیں، ہم سب ساتھ رہتے ہیں۔" ردا نے سوچے سمجھے بغیر کہا۔ ہاجرہ نے بے چینی سے پہلو بدلا اور رضا نے حیرانی سے ردا کو دیکھا۔

"ان شاء اللہ چکر لگائیں گے۔ سکیزہ بھی آئے گی۔" وہ بولے۔ ہاجرہ ایک غیر مرئی نقطے پر نظریں جمائے کسی گہری سوچ میں گم تھیں۔

"چاچا حکیم اللہ کی طرف جانا ہے۔" عبدالمعید حسن نے گھڑی دیکھتے ہوئے ایک بار پھر کہا۔

"کچھ دیر تک شفیق آ جائے گا۔اس کے آنے سے پہلے مل کا آ جاؤں پھر مجھے واپس جانا ہوگا۔" ناشتہ سے فارغ ہوکر عبدالمعید نے کہا تو ہاجرہ نے رضا کی طرف دیکھا اور خاموشی سے وہاں سے اٹھ کر چلی گئیں۔ان کے یوں جانے پر عبدالمعید نے متعجب نظروں سے رضا کو دیکھا۔

"میں چلتا لیکن....." رضا نے اپنی وہیل چیئر کو دیکھتے ہوئے بات کو ادھورا چھوڑ دیا اور عبدالمعید سمجھ گئے کہ اتنے برس بیت جانے کے باوجود آغا حویلی کے مکین نہیں بدلے۔وہاں کے قانون آج بھی اتنے ہی جان لیوا ہیں جتنے برسوں پہلے تھے۔

"انکل میں آپ کے ساتھ چلتی ہوں، بہت سارے دن ہوگئے ہیں وردا اور عالیہ سے بھی ملاقات نہیں ہوئی ہے۔" ردا نے شوخی سے کہا۔

"بابا میں انکل کے ساتھ جاؤں؟" ردا نے رضا کی طرف دیکھ کر ان سے اجازت لی۔

"ہاں بیٹا ضرور جاؤ لیکن امی کو بتا کر جانا۔" رضا نے خوش دلی سے کہا تو ردا اثبات میں سر ہلاتے ہوئے ناشتے والی ٹرالی دھکیلتی وہاں سے نکل گئی۔

"انکل میں پانچ منٹ میں تیار ہوکر آتی ہوں۔" جاتے ہوئے وہ پلٹی تو عبدالمعید نے سر ہلا دیا۔

"چاچا حکیم اللہ ابھی تک ویسے ہی ہیں؟" اس کے جاتے ہی عبدالمعید نے رضا کی طرف دیکھ کر سوال کیا۔

"نہیں اب ویسے نہیں ہیں۔" رضا کے لہجے میں کچھ ایسا ضرور تھا کہ عبدالمعید چونکے۔

"پھر تم اور ہاجرہ آغا حویلی کیوں نہیں جاتے ہو؟" عبدالمعید الجھن کا شکار ہورہے تھے۔

"ہاجرہ کی بغاوت پر ہمارا نکاح کروانے کے بعد آغا صاحب نے ہمیں آغا حویلی سے نکال دیا تھا۔ نکاح میں بھی نہیں شامل ہوئے تھے اس کے بعد حالات بہت بدل گئے لیکن ہاجرہ کی ضد نہ ٹوٹی۔اس نے پھر آغا حویلی میں قدم نہ رکھا۔ میں کوشش کرتا ہوں کہ کبھی کبھار رافیہ آنٹی سے مل آیا کروں لیکن ہاجرہ کی وجہ سے کبھی کبھار مہینوں بعد ہی جا پاتا ہے۔" رضا نے انہیں آغا حویلی کے ذکر پر ہاجرہ کی بیزاری کی وجہ بتائی۔

"بدل جانا چاہیے۔ وقت بدل جائے تو انسان کو بھی دل میں گنجائش پیدا کرنی چاہیے۔ خیر جمشید لالا اور شمع باجی خیریت سے ہیں؟" عبدالمعید حسن وہاں جانے سے پہلے ان سب کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔

"ہاں...... کچھ عرصے قبل وہ لوگ آغا حویلی ہی شفٹ ہوگئے ہیں۔ وردا، مزمل اور عالیہ جمشید کے بچے ہیں۔ وردا اور مزمل جڑواں ہیں، عالیہ ہماری ردا کی ہم عمر ہے۔" رضا غائبانہ ان سب کا تعارف کروا رہا تھا۔

"اتنا وقت گزر گیا۔ ہماری اگلی نسل بھی جوان ہوگئی لیکن ہمارے دلوں سے نفرتیں نہ نکل سکیں۔" عبدالمعید نے گہری سانس خارج کرتے ہوئے کہا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

"یہی ہی ہے زندگی۔ ہر پل امتحان اور ہر لمحہ آزمائش۔" رضا ان کے ہمراہ وہیل چیئر کو دھکیلتے ہوئے آگے بڑھتے ہوئے بولے۔

کچھ ہی دیر میں عبدالمعید حسن، ردا کے ہمراہ سکندر ہاؤس سے نکل کر آغا حویلی کی جانب بڑھنے لگے تھے۔ راستہ بہت طویل نہیں تھا۔

"انکل سکیزہ کیسی ہے؟" ان کے ساتھ چلتے ہوئے ردا نے پوچھا۔

"ٹھیک ہے۔اس کی سہیلیاں بہت کم ہیں۔اس لیے کبھی کبھار کافی بور ہوجاتی ہے۔" عبدالمعید نے خوش مزاج اور ہنس مکھ ردا کی طرف دیکھ کر بتایا۔

"اب ہم مل گئے ہیں تو سکیزہ اکیلی نہیں رہے گی نہ ہی بور ہوا کرے گی۔ وردا اور عالیہ کو جب پتا چلے گا تو دیکھنا وہ بھی اتنا خوش ہوں گی۔" ردا انہیں بتانے لگی اور حقیقتاً وہ خود بھی بہت خوش ہورہی تھی۔ ایک تو وجاہت کی وجہ سے دوسرا جب سے اس کی سکیزہ سے زیادہ بات چیت ہونے لگی تھی اس نے جانا تھا کہ سکیزہ بہت دلچسپ لڑکی ہے۔

"سکیزہ کو بھی جب معلوم ہوگا تو وہ بھی بہت خوش ہوگی۔" عبدالمعید مسکرا کر بولے۔

"اب تک تو اس کو پتا چل بھی چکا ہوگا۔" ردا زیرلب بڑبڑائی۔

"وردا اور عالیہ تو سکیزہ کی فرسٹ کزن ہیں میں تو پھر سیکنڈ کزن میں آتی ہوں لیکن خوشی مجھے بھی ہوئی کہ اب ہم فیملی میں چار لڑکیاں ہوگئی ہیں۔" ردا خوشی سے گویا ہوئی اور اس کے تاثرات سے واضح تھا کہ وہ دل سے خوش ہورہی ہے۔ عبدالمعید کے اندر ایک اطمینان گھر کرنے لگا۔ عبدالمعید اس سے اس کے

بارے میں پوچھتے رہے، پڑھائی کے متعلق اس کے علاوہ مصروفیات کے متعلق اور سکینزہ کے بارے میں بھی بتاتے رہے۔

''انکل آپ بہت عرصے بعد پاکستان آئے ہیں، ہم نے آپ کی کہانی بھی سنی ہے۔ آپ کی محبت کی داستان سے ہم سب بہت متاثر ہیں۔'' ردا جان گئی تھی کہ عبدالمعید کافی خوش مزاج شخصیت کے مالک ہیں اس لیے پہلی ہی ملاقات میں وہ انہیں کافی کچھ بتانے لگی تھی۔

''اچھا واقعی کس سے سنا...... اپنی امی سے؟'' نہ جانے کیوں انہوں نے ہاجرہ کا پوچھا۔

''نہیں...... امی تو کبھی اپنی فیملی کی کوئی بات ہی نہیں کرتیں۔'' ردا تھوڑا منہ بسور کر بولی۔

''بابا سے پتا چلا اور پھر شمع خالہ سے۔ شمع خالہ بہت اچھی ہیں بہت فرینڈلی۔'' ردا کی باتوں سے انہوں نے اندازہ لگایا کہ آغا حویلی میں جو بگڑے ہوئے تھے وہ آج بھی وہی بگڑے ہوئے ہیں باقی یقیناً سدھر چکے ہوں گے۔

''اور جمشید لالہ؟'' عبدالمعید نے آہستگی سے پوچھا۔

اس سے پہلے کہ ردا انہیں جواب دیتی وہ آغا حویلی پہنچ گئے تھے۔ آغا حویلی کا مین گیٹ انہیں گنگ کر گیا۔ گزرا زمانہ ان کی آنکھوں کے سامنے گھومنے لگا۔ ان کا بچپن، حکیم اللہ کی سختیاں، کلیم اللہ کے نرم انداز اور پھر سب کچھ بدل جانا۔ عبدالمعید حسن کسی خواب کی سی کیفیت میں آگے بڑھ رہے تھے آغا حویلی کا مین گیٹ وہی تھا، یقیناً وقتاً فوقتاً اس کی مرمت ہوتی رہی تھی اس لیے وہ اب تک بہتر حالت میں تھا۔ انہیں جیسے ایک ایک بات یاد آرہی تھی۔ وہ وقت بھی جب ان کی زندگی کا اہم فیصلہ ہوا تھا۔ جب انہیں زبردستی واپس لایا گیا تھا۔ یہی وہ گیٹ تھا جس کو عبور کیا تھا۔ یہی وہ درودیوار تھے جن سے شدید نفرت تھی۔ یہاں کے ہی مکین تھے جن کو وہ مار دینا چاہتے تھے اور آج انہی کی چاہ میں وہ اس در کو عبور کرآئے تھے۔ ردا نے اطلاعی گھنٹی پہ انگلی رکھی۔

''آتا ہوں...... آتا ہوں۔'' انتہائی عجلت میں جھنجلائی آواز وہ کیسے نہیں پہچان سکتے تھے۔

''جمشید خالو آرہے ہیں۔'' ردا نے مدھم آواز میں کہا لیکن عبدالمعید حسن کو اپنی سانسیں جیسے اٹکتی ہوئی محسوس ہوئیں۔

''السلام علیکم خالو۔ کیا حال ہیں؟'' دروازہ کھولتے ہی ردا نے آگے بڑھ کر سلام کیا تو انہوں نے حسب عادت ابرو اچکا کر اسے دیکھا۔

''وعلیکم السلام۔ تم تھیں تو اتنی بار بیل بجانے کی کیا ضرورت تھی۔''

''خالو آپ سے کوئی ملنے آیا ہے۔'' ردا نے مسکراتی نگاہیں ان پر جمائے قدرے رازداری سے کہا۔

''کون...... یہ کون ہیں؟'' جمشید نے پہلے دھیان نہیں دیا، ردا کے کہنے پر متحیر نظروں سے ردا سے کچھ فاصلے پر کھڑے شخص کو دیکھتے ہوئے گویا ہوئے۔

''جمشید لالہ۔'' اتنا کہہ کر عبدالمعید آگے بڑھے اور ان سے لپٹ گئے جبکہ وہ ابھی تک سکتے کی سی کیفیت میں وہیں کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ پہچان تو وہ پہلی نظر میں ہی گئے تھے لیکن بے یقین ایسے تھے کہ اپنی آنکھوں پر اعتبار نہ آرہا تھا۔

''حسن...... !تم کہاں تھے...... واپس آگئے ہو تم؟'' جمشید ان کا چہرہ دونوں ہاتھوں سے تھامے رقت آمیز لہجے میں گویا ہوئے۔

''سب کچھ بھولنے کی کوشش میں تھا لالہ لیکن ناکام رہا۔'' عبدالمعید حسن نے ان کے دونوں ہاتھ تھام کر گلوگیر لہجے میں کہا۔ ردا ان دونوں کی بھیگی پلکوں کو دیکھ کر بت بنی کھڑی رہی۔

''جمشید خالو کی آنکھوں میں بھی آنسو آسکتے ہیں؟'' وہ من ہی من میں بڑبڑائی۔ اندر سے آتی عجیب وغریب آوازوں نے انہیں چونکایا۔ عبدالمعید نے سوالیہ نظروں سے جمشید کی طرف دیکھا لیکن وہ نظریں چرا گئے۔

عبدالمعید حسن، جمشید کے ہمراہ آغا حویلی میں داخل ہوئے، نظریں اٹھائیں تو سامنے کے منظر نے ان کے دماغ کو سن کر دیا تھا۔ انہیں یوں محسوس ہوا آغا حویلی کی پوری عمارت ان کے سر پر آگری ہو۔ انہوں نے بے حد رنجیدگی سے جمشید کو دیکھا جو تیز تیز قدم اٹھاتے آگے بڑھ رہے تھے اور پھر بوجھل دل سے وہ بھی آگے بڑھ گئے تھے۔



پچھلے چالیس منٹس سے وہ یونیورسٹی کے کیفے ٹیریا میں بیٹھا اس کا انتظار کر رہا تھا لیکن اس کا کہیں کوئی اتا پتا نہیں تھا۔ مسلسل انتظار سے اب اسے جھنجلاہٹ ہونے لگی تھی۔

''ایسی بھی کیا غیریت برتنا سکینزہ عبدالمعید کہ بندہ انتظار میں ہی سوکھ کر کانٹا ہوجائے۔'' کاؤنٹر کی طرف دیکھتے ہوئے

https://pklibrary.com/

وجاہت بڑبڑایا۔
"اور اب لسی بھی کیا بے تابی وجاہت سکندر۔ ذرا ہوش کے ناخن لو۔ یوں بچھے جاؤ گے تو اپنی قدر گنوادو گے۔" اگلے پل وجاہت نے خود کو سرزنش کرتے ہوئے بجائے فارغ بیٹھ کر اس کا انتظار کرنے کے سامنے رکھی فائل کو کھول کر کام کرنا شروع کردیا۔
"ہیلو..... السلام علیکم۔" سامنے کاغذ پھیلائے وہ کسی سوچ میں غرق تھا کہ ہاتھ میں پکڑے کپ کو میز پر رکھ کر ہلکے سے میز بجاتے ہوئے وہ اپنے مخصوص مدہم لہجے میں سلام کرتی اس کی چائے کا کپ اس کے سامنے رکھتے مسکرائی تو وجاہت نے حیرانی سے دیکھا۔
"وعلیکم السلام۔ بڑی دیر کردی مہرباں آتے آتے۔" بے اختیار وہ گنگنایا۔
"کیا حال ہے؟" وجاہت نے گہری نگاہ اس پر ڈالی اور پوچھا۔
"میں ٹھیک ہوں۔ آپ کا کیا حال ہے؟" کندھے سے بیگ اتار کر نیچے رکھتے ہوئے اس نے پوچھا۔
"ٹھیک تو ہوں لیکن انتظار میں سوکھ کر کانٹا ہونے والا تھا۔" وجاہت نے ہنستے ہوئے کہا۔
"انتظار کس کا؟" وہ بولی تو وجاہت نے بھونچکا کر اسے دیکھا۔
"فرشتوں کا۔" اگلے لمحے تپ کر بولا تو سکیزہ ہنسنے لگی۔
"فرشتے لیسے چائے پر آتے ہیں آپ کے پاس۔" سکیزہ نے آنکھیں پھیلا کر پوچھا۔
"فرشتے تو وقت پر ہی آئیں گے ایسے تو پریاں آتیں ہیں۔" وجاہت نے اس کی مسکراہٹ پر نگاہ جما کر کہا۔
"بڑی بات ہے۔" سکیزہ نے تعریف کی تو وجاہت نے لب بھینچ کر خود کو مزید کچھ کہنے سے باز رکھا۔
"انکل سے بات ہوئی کیسے ہیں وہ؟" اس کی ہنسی کے حصار سے نکلتے ہوئے وجاہت نے یک دم موضوع بدلا۔
"زیادہ بات تو نہیں ہوئی لیکن ڈیڈ بالکل ٹھیک ہیں۔" وجاہت نے اندازہ لگایا کہ وہ واقعی لاعلم ہے، وہ شش و پنج میں مبتلا ہوگیا کہ کیا اسے سکیزہ کو بتانا چاہیے کہ وہ دونوں ایک ہی خاندان کے ہیں یا عبدالمعید کے بتانے کا انتظار کرے۔
"اچھا ٹھیک ہے۔ اس کا مطلب ہے ابھی تک تمہاری شادی کی کوئی بات نہیں ہوئی۔" وجاہت نے کچھ ایسے انداز میں کہا کہ سکیزہ نے چونک کر اسے دیکھا۔
"جی نہیں اور ایسی بات ابھی ہوگی بھی نہیں۔ آپ بے فکر رہیں۔" سکیزہ نے ماتھے پر بل ڈال کر کہا۔
"اااااچھا...... چلو دیکھتے ہیں۔"
"کوئی ضرورت نہیں آپ کو کچھ بھی دیکھنے کی۔" سکیزہ نے اسے گھورتے ہوئے کہا تو وجاہت کے چہرے پر مدہم سے مسکراہٹ ابھری۔
"ویسے اتنا ٹائم ہوگیا ہے۔ ہم ایک دوسرے کو جانتے ہیں تم نے اپنے بارے میں کبھی کچھ نہیں بتایا۔" وجاہت جاننا چاہ رہا تھا کہ جیسے وہ عبدالمعید حسن کے بارے میں سب جانتا ہیں کیا سکیزہ بھی اس خاندان کے بارے میں کچھ جانتی ہے اور اگر جانتی ہے تو کیا جانتی ہے اور اس کے تاثرات کیا ہیں۔
"میں اپنے بارے میں کیا بتاؤں؟ چھوٹی سی تو دنیا ہے میری اور میرے خیال میں آپ جانتے ہی ہیں وہ سب۔" سکیزہ سرسری اور کچھ لاپروائی سے گویا ہوئی۔
"ہاں لیکن کچھ تفصیل سے بتاؤ۔ تم لوگوں کے کوئی رشتہ دار وغیرہ نہیں ہیں؟" وجاہت نے پوچھا تو سکیزہ یک دم خاموش ہوگئی۔
"نہیں بتانا چاہتی ہو تو کوئی بات نہیں۔" اس کی خاموشی پر وجاہت حیران ہوا۔
"نہیں ایسی بات نہیں ہے۔ ڈیڈ کی فیملی ہے۔" سکیزہ آہستگی سے بولی۔
"تو کبھی کسی کا ذکر کیوں نہیں کیا...... یہاں ہی ہیں کیا سب؟" وجاہت جان بوجھ کر اس سے پوچھ رہا تھا۔
"نہیں...... پاکستان میں...... لیکن ڈیڈ ان سب سے ناراض ہیں تو کبھی گئے ہی نہیں۔" سکیزہ یوں بول رہی تھی جیسے اس بارے میں بات نہیں کرنا چاہتی ہو۔
"ناراض کیوں ہیں؟" وجاہت ساری کہانی اس کی زبانی سننا چاہتا تھا کہ اس کہانی کے بارے میں اس کے کیا خیالات ہیں۔
"ان لوگوں نے ڈیڈ کے ساتھ بہت ان فیئر (بے انصافی) کیا ہے، مام کو ڈیڈ سے جدا کردیا تھا جس کی وجہ سے ڈیڈ نے ان سے رشتہ ختم کردیا۔ اب وہ ہماری زندگی کا حصہ نہیں ہیں۔" سکیزہ نے بمشکل اپنی بات مکمل کی۔ اس کے لہجے اور تاثرات

سے اس کی ناگواریت نمایاں تھی۔
"تو اس کا مطلب ہے سکیزہ بھی سب جانتی ہے۔" وجاہت نے خود کلامی کی۔
"اور اگر کبھی وہاں جانا پڑا تو یا کوئی وہاں سے آیا تو......؟"
"ڈیڈ کا تو پتا نہیں لیکن میں ان لوگوں کو معاف نہیں کرسکتی۔ ان لوگوں نے میرے ڈیڈ کو بہت ہرٹ کیا ہے' میری مام کی ڈیتھ ان لوگوں کی وجہ سے ہوئی۔ ان لوگوں کی وجہ سے میرا بچپن بہت برا گزرا۔" سکیزہ مدھم اور جذباتی انداز میں بولی تو وجاہت گنگ رہ گیا۔
"میں اب کیا کہوں؟" وجاہت واقعی خاموش ہوگیا تھا۔
"پتا ہے وجاہت کچھ باتیں ایسی ہوتیں ہیں جو کبھی بھی ذہن سے نہیں نکلتیں۔" سکیزہ نے وجاہت کی طرف دیکھ کر کہا تو وجاہت نے اس کو بغور دیکھتا رہا۔
"میں جب تک مام کے ساتھ رہی تو ہر وقت انہیں اداس ہی دیکھا۔ مجھے زیادہ کچھ یاد نہیں بس یاد ہے مام کی طبیعت بہت خراب ہو رہی تھی نانو نے انہیں ڈاکٹر کے پاس لے کر جانا تھا میں بھی ساتھ تھی نانو بہت زیادہ پریشان تھیں وہ میرے سامنے ڈیڈ کے حوالے سے کوئی بات نہیں کرتی تھیں' بس اس دن شاید پہلی بار نانو نے ڈیڈ کا نام لے کر بہت غصہ کیا تھا، مام بالکل خاموش بس اپنی تکلیف برداشت کرنے کی کوشش کر رہی تھیں، مام نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ میں کبھی اپنے ڈیڈ کو کوئی الزام نہیں دوں گی اور کبھی ڈیڈ کا ساتھ نہیں چھوڑوں گی انہیں اکیلا نہیں کروں گی۔" سکیزہ پہلی بار وجاہت کے سامنے اتنا سب کہہ گئی۔ اس کا انداز بے حد رنجیدہ تھا کہ وجاہت یک ٹک اس کو دیکھتے ہوئے بغور سن رہا تھا۔
"نانو کون؟" وجاہت حیران ہوا کیونکہ اس کے خیال میں شجیعہ کی کوئی فیملی نہیں تھی۔
"دل بہار نام تھا ان کا۔ مام کی مدر نہیں ہیں لیکن ان سے بڑھ کر میں نے کوئی ماں نہیں دیکھی۔" سکیزہ نے بہت محبت سے دل بہار بانو کا ذکر کیا تھا۔
"دادی اماں۔" وجاہت زیر لب بولا۔
"وہ کہاں ہیں تمہارا رابطہ ہے؟" وجاہت یک دم بے چین ہوا۔
"ہاں...... وہ اپنے گھر میں رہتی ہیں اور بہت کامیاب سوشل ورکر ہیں۔" سکیزہ نے بہت خوش دلی سے وجاہت کو بتایا تو وجاہت اس انکشاف پر سکتے میں رہ گیا۔
"کبھی ان کا ذکر نہیں کیا۔" وجاہت نے پوچھا۔
"کبھی کوئی بات بھی تو نہیں ہوئی۔" سکیزہ نے کندھے اچکا کر کہا۔
"تمہیں معلوم ہے تمہاری مام کے ساتھ کیا ہوا تھا؟" وجاہت نے حیرانگی سے پوچھا۔
"مام کے بعد جب میں ڈیڈ کے پاس آگئی تھی تو کچھ وقت تک ڈیڈ مجھے اپنے ساتھ نہیں رکھ سکے تھے، انہیں سنبھالنا نہیں آتا تھا تب میں شفیق انکل اور آسیہ آنٹی کے ساتھ رہتی تھی پھر ایک دن ڈیڈ مجھے اپنے ساتھ لے آئے اور تب مجھے ڈیڈ نے سب بتایا تھا۔ اپنی اور مام کی ساری کہانی سنائی تھی۔ اپنی فیملی کی زبردستی اور زیادتی بتائی تھی۔ تب سے مجھے ڈیڈ کی فیملی سے نفرت ہوگئی ہے۔" سکیزہ نے گہرا سانس خارج کیا جبکہ وجاہت سکتے میں تھا۔ آج پہلی بار اس نے جانا کہ اتنی محبت کرنے والی لڑکی کسی سے اتنی نفرت بھی کرسکتی ہے۔
"تم یہ بھی تو سوچو کہ اس وقت جیسے حالات تھے سب کچھ ویسے ہی ہوا تھا۔ اس میں کسی کا قصور تو نہیں۔" وجاہت نے درپردہ اپنا دفاع کرنا چاہا۔
"تم اپنے دل میں انجان لوگوں کے لیے نفرت پال کر کیوں اپنی شخصیت خراب کر رہی ہو۔ جو برا کرتا ہے اس کی سزا بھی تو وہ بھگت لیتا ہے۔" وجاہت نے مدھم انداز میں اسے قائل کرنے کی کوشش کی۔
"آپ بھی ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ جن لوگوں سے میرا کوئی رشتہ نہیں ان سے مجھے نفرت نہیں کرنی چاہیے۔" سکیزہ نے وجاہت کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔
"خیر چھوڑیں یہ باتیں۔ یہ تو آپ نے کہا کہ میں اپنے بارے میں کچھ بتاؤں تو میں بنا سوچے بول گئی۔" سکیزہ نے موضوع بدلنا چاہا۔
"لیکن یہ تمہارے بارے میں تو نہیں تھا۔ یہ تو فیملی کے بارے میں تھا۔ تم خوش ہو؟" وجاہت کے سوال پر سکیزہ نے متغیر نگاہوں سے اسے دیکھا۔
"کس بات سے؟"
"یوں ہی...... تم زندگی کو خوش ہو کر گزار رہی ہو؟"
"اگر میں کہوں گی کہ میں بہت دکھی زندگی گزار رہی ہوں تو یہ سچ نہیں ہوگا اور اگر میں کہوں گی کہ میں بہت خوش ہوں تو یہ بھی

سچ نہیں ہوگا۔ کبھی میں بلاوجہ ہی بہت خوش ہو جاتی ہوں اور کبھی بلاوجہ ہی بہت اداس۔" عبدالمعید کے نہ ہونے کی وجہ سے سکینزہ آج وجاہت سے بہت تفصیل سے گفتگو کر کے اس کو حیران کر رہی تھی۔

"جب کوئی میرے ساتھ برا کرتا ہے تو بہت ہرٹ ہوتی ہوں اور جب بدلے میں، میں اس کے لیے برا سوچنے لگتی ہوں تو مجھے پتا چل جاتا ہے کہ میں برا سوچ رہی ہوں پھر میں اپنے آپ سے پوچھتی ہوں کہ جو میں سوچ رہی ہوں کیا وہ صحیح ہے؟ ایک جواب ملتا ہے کہ اگر اچھا سوچو گی تو اللہ خوش ہوگا پھر میں اچھا سوچنے لگتی ہوں اور خوش ہو جاتی ہوں کہ میں نے اللہ کو راضی کرنے کی کوشش کی۔" سکینزہ اپنے مخصوص انداز میں اپنے بارے میں اسے بہت کچھ بتا رہی تھی۔

"کبھی کبھی مجھے لگتا ہے مجھے بہت کچھ چاہیے، ایسا لگتا ہے میں زندگی سے بہت کچھ ایکسپیکٹ (توقعات) کر رہی ہوں لیکن جب میں اپنی خواہشات کی لسٹ بنانے لگتی ہوں تو میرے پاس کچھ بھی ایسا نہیں ہوتا ہے جس کی کمی ہو۔" وہ ہنس دی۔ وجاہت سنجیدگی سے بیٹھا آج پہلی بار سکینزہ کو ایک الگ ہی روپ میں دیکھ رہا تھا۔

"میں بہت سلی (بے وقوفانہ) باتیں سوچتی رہتی ہوں۔" سکینزہ کی مسکراہٹ گہری ہوگی۔

"مثلاً؟" وجاہت زیادہ بولنے کی بجائے اسے جاننے کی کوشش کر رہا تھا۔

"کچھ خاص نہیں۔" سکینزہ جھجکی۔

"تم جانتی ہو کہ تم مجھ سے شیئر کر سکتی ہو۔" وجاہت نے دوستانہ مسکراہٹ کے ساتھ اسے بولنے پر اکسایا۔

"مجھے بہت ڈر لگتا ہے۔"

"مجھ سے؟" وجاہت یک دم بولا۔

"نہیں...... نہیں بس ایسے ہی مجھے ڈر لگتا ہے۔ ڈیڈ کہتے ہیں کہ لوگوں کے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا کہ وہ میرا اچھا کرتے رہیں گے۔"

"تمہیں لگتا ہے لوگ تمہارا اچھا کریں گے؟" وجاہت نے بہت دلچسپی سے استفسار کیا تو سکینزہ نے اثبات میں سر ہلایا اور پھر خود ہی ہنس دی۔

"میرے وہم ہیں، خوف اور......"

"پاگل پن۔" وجاہت نے اس کی بات پوری کر دی۔

"ہاں شاید۔" سکینزہ نے تائید کی۔

"کچھ ایسا ہوا ہے کیا جس وجہ سے ڈر لگتا ہے؟" وجاہت کے سوال پر سکینزہ چونکی۔

"اب اتنا ڈر نہیں لگتا پہلے بہت لگتا تھا۔ اب میں نے اپنے آپ کو بہادر بنالیا ہے۔" سکینزہ اب اس موضوع سے ہٹنا چاہتی تھی اور وجاہت نے بھی پھر اصرار نہیں کیا۔ یوں چاہنے کے باوجود سکینزہ اسے نہ بتا سکی کہ کیسے وہ تاریک اور لمبی راتیں گاڑی میں گزارا کرتی تھی اور عبدالمعید کام پر جایا کرتے تھے۔ چاہنے کے باوجود سکینزہ اسے اس رات کا واقعہ نہ بتا سکی جب بہت سے نشہ آور لوگوں نے ان کی گاڑی کا شیشہ توڑا تھا اور کتنے ہی ہفتے وہ بخار میں تپتی رہی تھی۔ اس کے دل سے آج تک وہ رات محو نہ ہو سکی تھی۔

"مجھے اچھا لگا آج تم نے مجھ سے بہت سی باتیں شیئر کیں۔" وجاہت نے کہا تو سکینزہ مسکرادی۔

"وہ ڈیڈ نہیں ہیں یہاں تو میں......"

"پلیز اب یہ نہ کہنا کہ مجھے اپنا ڈیڈ سمجھ رہی ہو۔" وجاہت نے منہ بسور کر کہا تو یک دم ہی سکینزہ ہنسنے لگی۔ ایک بے ساختہ اور کھلکھلاتی ہنسی وجاہت کو مسحور کر گئی تھی۔

"نہیں ایسی بات نہیں ہے۔" سکینزہ نے وضاحت دی اور پھر وجاہت نے جس مقصد کے لیے اسے بلایا تھا وہ پورا کیے بنا ان کی ملاقات کا وقت ختم ہو گیا تھا۔

"اپنا خیال رکھنا اور گھر پہنچ کر مجھے میسج کر دینا۔" وجاہت کی ہدایت پر سکینزہ نے حیرانی کے باوجود اثبات میں سر ہلایا۔ آغا فیملی کے بارے میں اس کے تاثرات جاننے کے بعد وجاہت نے اسے یہ حقیقت بتانے کا ارادہ ملتوی کرتے ہوئے اس کے بارے میں جاننے میں دلچسپی لی اور بلا ارادہ اس کے بارے میں جاننے کی خواہش میں غیر ارادی طور پر سامنے آئے انکشاف پر وجاہت خوش بھی تھا اور متعجب بھی۔ وہ اب اس انتظار میں تھا کہ عبدالمعید اسے خود بتائیں اور یہ خبر سکینزہ اسے بتائے۔

ردا نے میسجز کے ذریعے تقریباً سارے حالات اسے بتا دیے تھے۔ ہاجرہ کی سرد مہری اور تلخی اسے ایک نئے محاذ کے لیے تیار رہنے کا اشارہ دے رہی تھی اور اب سکینزہ کی باتیں بھی اسے الجھا گئی تھیں۔



اپنے وجود کو بہ مشکل گھسیٹتے وہ آگے بڑھ رہے تھے۔ آنکھوں

کے سامنے کے منظر کی حقیقت کو ان کا دل کسی طرح قبول نہیں کر پا رہا تھا۔ وہ شخص آج بے بس و لاچار نظر آ رہا تھا جو کبھی دندناتا پھرتا تھا۔

''کیا ہوا؟'' جمشید نے آگے بڑھ کر نیچے گرے برتنوں کو دیکھتے ہوئے اس عورت سے پوچھا جو سارے کام روکے بت بنی جمشید کے ساتھ آغا حویلی میں داخل ہوتے اس شخص کو دیکھ رہی تھیں۔

''خالہ یہ میں کر دیتی ہوں۔'' ردا کے لیے یہ صورت حال نئی نہیں تھی لیکن جو وہاں برسوں بعد آیا تھا اس کے لیے یہ ایک ایسی انہونی تھی جس نے ان کا دل چیر ڈالا تھا۔ ردا آگے بڑھی اور شمع کے ہاتھ سے ٹرے لیتے ہوئے بولی۔

''ح..... حسن؟'' شمع ان کی طرف بڑھیں۔

''شمع باجی۔'' عبدالمعید حسن نے ان کی طرف پیش قدمی کی۔

''تم کہاں تھے؟'' شمع کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

''یہ..... یہ سب کیا ہے باجی؟'' وہ اس بکھرے ماحول کی طرف اشارہ کر کے پوچھنے لگے۔

''ابا..... دیکھیں کون آیا ہے۔'' ان کو کوئی جواب دیے بنا وہ بستر پر پڑے آغا حکیم اللہ کے پاس جا کر بلند آواز میں بولیں۔

''کون ہے؟'' انہوں نے جو پوچھا وہ کسی کو سمجھ میں نہیں آیا۔ شمع نے ان کے سر کو دونوں ہاتھوں سے اٹھا کر اس طرف موڑا جہاں عبدالمعید حسن کھڑے تھے۔

''تقریباً دو سال پہلے ابا کو فالج کا اٹیک ہوا تھا۔'' آنسوؤں کو پونچھتے ہوئے شمع نے عبدالمعید حسن کو بتایا۔

''کیسے ہیں چاچا؟'' حسن یک دم ان کی طرف بڑھے۔ ان کے لیے آغا حکیم اللہ کی یہ حالت، بے بسی اور لاچاری دیکھنا بہت مشکل تھا۔

''تم.....'' وہ لڑکھڑاتی زبان کے ساتھ کچھ بولے۔ عبدالمعید کو سمجھ نہیں آئی انہوں نے مدد طلب نظروں سے شمع کو دیکھا۔

''ابا حسن ہے..... واپس آ گیا ہے۔'' شمع نے گھگیائی آواز میں ان کے قریب ہو کر کہا۔

''چاچا میں حسن ہوں۔'' انہیں سمجھ میں نہیں آیا کہ انہوں نے کس کا نام لیا ہے اب کے عبدالمعید حسن نے بھی اونچی آواز میں کہا۔ وہ کچھ نہ بولے۔ اسی طرح پڑے رہے۔

وہ انسان جو کبھی کسی کو خاطر میں نہ لاتا تھا، من مانیوں کا شیدائی تھا۔ آج ایسا بے بس تھا کہ سب کچھ اس کے سامنے ہو رہا تھا۔ اچھا یا برا لیکن اس میں اتنی سکت اور طاقت نہیں تھی کہ کوئی حکم صادر کر سکتا۔ کوئی اختیار نہ تھا کہ کسی کو کسی بات سے روک سکتا۔ عبدالمعید حسن جن کے تصور میں بھی نہ تھا کہ وہ آغا حکیم اللہ جو آغا حویلی کا حکمران تھا۔ جس کی مرضی کے بغیر آغا حویلی میں کوئی فیصلہ نہیں ہوتا تھا آج انہیں ایسی بے بسی کی انتہا پر دیکھنا پڑے گا۔ لاکھ ان سے متنفر سہی لیکن ان کا دل غم سے بھر گیا تھا۔

''چاچا..... آپ ٹھیک ہو جائیں گے۔'' عبدالمعید حسن ان کے پاس رکھی کرسی پر بیٹھتے ہوئے ان کا ہاتھ پکڑ کر بولے۔ انہوں نے نظر اٹھا کر دیکھا۔ وہ کچھ بولے تو عبدالمعید نے شمع کی طرف دیکھا۔

''ہاں ابا ٹھیک ہو جائیں گے۔'' شمع نے کہا تو عبدالمعید حسن نے ان کا ہاتھ تھام کر سہلایا۔

''شمع باجی آپ کیسی ہیں؟'' حسن نے شمع کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''دیکھ لو حسن بس جی رہے ہیں۔'' شمع وہاں بکھری چیزوں کو سمیٹتے ہوئے یاسیت آمیز لہجے میں بولیں۔

''چچی کہاں ہیں..... وہ ٹھیک تو ہیں؟'' حسن اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے رافیہ کے متعلق پوچھا۔

''ان کا حال، ان حالات میں کہاں تک ٹھیک رہ سکتا ہے؟ ایک بار دھڑکنوں کو بند کر کے پھر بحال کروا چکیں ہیں۔ سو رہیں ہیں میں جگاتی ہوں۔'' شمع نے اپنے مخصوص لہجے میں کہا۔

''جمشید لالہ ٹھیک ہیں؟'' حسن ہر ایک کے بارے میں سب سے پوچھ رہا تھا۔

''ٹھیک ہیں..... تمہیں جان کر خوشی ہوگی کہ سدھر بھی گئے ہیں۔'' شمع نے مدہم مسکراہٹ کے ساتھ کہا تو عبدالمعید حسن نے اطمینان بھرا سانس خارج کیا۔

''جب سے آیا ہوں یہ پہلی خوشی کی خبر ہے جو ملی ہے۔'' ان کی بے ساختگی پر شمع نے دیکھا۔

''رضا اور ہاجرہ سے ملے ہو؟'' شمع نے پوچھا اور حیران بھی ہوئی کہ حسن واپس آ گیا اور ہاجرہ نے اسے کوئی اطلاع نہ دی۔

''ہاں شمع باجی ادھر ہی سے آیا ہوں۔'' عبدالمعید نے بتایا اور پھر وجاہت سے ملاقات اور پاکستان آنے کا احوال ان کے گوش گزار کیا۔ شمع حیران تھی کہ ہاجرہ نے حسن کے لوٹ آنے کا کوئی

تذکرہ کیوں نہیں کیا۔ انہیں یہ تو اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ خوش نہیں ہوگی لیکن یہ اندازہ لگانا بہت مشکل تھا کہ وہ کیا سوچ رہی ہوگی۔

''شمع باجی چاچا کی ایسی حالت دیکھ کر بہت دکھ ہوا۔'' شمع کتنی دیر تک وہاں بکھری چیزیں سمیٹتی رہی جب فارغ ہوئیں تو عبدالمعید حسن گویا ہوئے۔

''کیا کہہ سکتے ہیں حسن اللہ کی یہی مرضی تھی۔ ابھی بھی کچھ سنبھل گئے ہیں شروع شروع میں تو کوئی بات سمجھتے ہی نہ تھے، جھنجھلاہٹ، غصہ اور طبیعت ایسی، جس طرح انہیں سنبھالا ہے ہم ہی جانتے ہیں، پچھلے چند ماہ سے لیا نے اپنی اس حالت کو قبول کرنا شروع کردیا ہے۔ ان کی بھی غلطی نہیں تھی جب تک انسان میں دم رہتا ہے وہ اکڑ کر ہی چلتا ہے' سمجھتا ہے وہ کبھی لاچار ہو ہی نہیں سکتا۔'' شمع، حکیم اللہ کو سوپ پلاتے ہوئے ان کے سامنے ہی بول رہی تھیں۔ وہ خاموشی سے تھوڑا سوپ پی رہے تھے تھوڑا گرا رہے تھے لیکن ان کی صفائی کا وہ خاص خیال رکھ رہی تھیں۔ حسن نے آغا حکیم اللہ کی طرف دیکھا ان کے چہرے پر اذیت وہ صاف پڑھ سکتے تھے۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ شمع کو ان کے سامنے ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا۔

''شمع باجی آپ ایسا کریں چائے لے آئیں اور چچی کو بھی جگا دیں پھر میں نے جانا ہے اور یہ مجھے دیں میں چاچا کو پلا دوں گا۔'' حسن نے شمع کے ہاتھ سے سوپ کا پیالہ لیتے ہوئے کہا۔ وہ انہیں دے کر ان کے پاس سے اٹھ گئیں۔

''چاچا بہت سارا وقت گزر گیا ہے۔'' حسن ان کے بالکل پاس بیٹھتے ہوئے سوپ کو چمچ کی مدد سے ان کے منہ میں ڈالتے ہوئے بہت مدہم آواز میں بولا۔ آغا حکیم اللہ نے نظریں اٹھا کر انہیں دیکھا۔

''زندگی بدل گئی ہے، میں نہیں جانتا تھا کہ میں جس جگہ جارہا ہوں یہ وہ جگہ ہے جہاں کبھی لوٹ کر نہ آنے کا میں نے عہد کیا تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ جن لوگوں سے ملنے جارہا ہوں ان سے میرا رشتہ اتنا گہرا ہے کہ میں چاہ کر بھی نہ توڑ سکا تھا۔'' جو اذیت آغا حکیم اللہ کے چہرے پر انہیں نظر آئی اس نے عبدالمعید کو شرمندہ کردیا تھا۔

''چاچا میں نے جانا ہے کہ زندگی بہت کٹھن ہے یا شاید ہم بنادیتے ہیں۔ نفرتوں سے، بے جا ضد اور تکبر سے۔ آپ ہی دیکھیں چاچا کہاں گیا وہ خاندان جس کی ساکھ کو برقرار رکھنے کے لیے ہمارے بڑوں نے ایسے ایسے فیصلے کیے جنہوں نے نہ تو کوئی خوشی دی نہ اس ساکھ کو قائم رکھا۔'' ان کا منہ صاف کرتے ہوئے عبدالمعید حسن مزید گویا ہوئے۔ حکیم اللہ نے ہاتھ کے اشارے سے سوپ کو پیچھے ہٹا کر مزید لینے سے انکار کیا۔

''چاچا اب تو وہ کردار بھی نہیں رہے پھر نفرت کیسی اور کون سی ضد؟'' حکیم اللہ کی آنکھوں میں تیرتا پانی اور کچھ بولنے کی کوشش عبدالمعید کو خون کے آنسو رولا گیا۔ بے اختیار اور بلا ارادہ انہوں نے حکیم اللہ کے ہاتھ تھام کر اپنی آنکھوں سے لگا لیے۔

''چاچا آج میری آپ سے کوئی ناراضی نہیں ہے۔ اس لیے نہیں کہ آپ کی یہ حالت ہے اس لیے کہ اب وقت گزر گیا ہے۔ میں عمر کے اس حصے میں مزید کوئی بوجھ نہیں برداشت کرسکوں گا اور نہ ہی میں آپ کو اس حالت میں دیکھ سکتا ہوں۔'' عبدالمعید حسن ان کی حالت دیکھ کر ڈر گئے تھے۔ اللہ کی لاٹھی بے آواز ہے انہوں نے سنا تھا آج اپنی آنکھوں سے دیکھ بھی لیا تھا۔ ان کی باتیں سن کر آغا حکیم اللہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔



عبدالمعید حسن جب سکندر ہاؤس سے آغا حویلی کی جانب بڑھے تھے تو اپنے آپ سے عہد کیا تھا کہ وہ ماضی کا کوئی حوالہ نہیں دیں گے، جو گزر گیا وہ اب پلٹ نہیں سکتا ہے تو چاچا حکیم اللہ اور جمشید لالہ سے ملتے ان کی زبان پر کوئی شکوہ نہیں ہوگا اور نہ ہی کوئی شکایت اور چاچا حکیم اللہ کو دیکھتے ہی ان کو اپنے فیصلے پر اطمینان ہوا تھا اگر وہ دل میں نفرت اور شکایتوں کے انبار لیے وہاں آتے تو اس لمحے وہ اپنی سوچوں پر نادم بھی ہوتے اور اپنے آپ کو کوس بھی رہے ہوتے۔ وہ حکیم اللہ جن کا رعب و دبدبہ سارے علاقے میں مشہور تھا، سامنے والا مرتے مرجائے لیکن وہ اپنے اصولوں سے نہ پھرا کرتے تھے آج ان کی بے بسی کا یہ عالم ہے کہ سر گھما کر دوسری طرف دیکھنے کے بھی محتاج ہوگئے تھے۔

''چاچا حکیم اللہ میرا دل آپ کی طرف سے صاف ہے۔ میرا اللہ گواہ ہے کہ بہت پہلے میں اس سب کا خیال اپنے دل سے نکال چکا ہوں جو میرے ساتھ ہوا تھا۔ سب کچھ بھولنے کی کوشش میں سب کو معاف کرچکا ہوں۔'' عبدالمعید حسن ان کے ہاتھ کو اپنے دونوں ہاتھ میں پکڑے ان پر پیشانی ٹکائے ان سے مخاطب تھے اور آغا حکیم اللہ ایسے لاچار تھے انہیں کچھ نہ کہہ پائے تھے، کچھ کہنے کی سکت ہی نہ تھی۔

عبدالمعید حسن آغا حویلی لوٹ آنے اور سب اپنوں سے ملنے پر ابھی تک ایک خواب کی سی کیفیت میں مبتلا تھے۔ ابھی تک وہ سکیزہ کو اس حقیقت کے متعلق بھی نہیں بتا پائے تھے۔ وہ سمجھ نہیں پا رہے تھے کہ اس کا کیا ردعمل ہوگا۔

''حسن......'' یہ سلسلہ نجانے کتنا طویل ہوتا کہ جمشید کی آواز پر اٹھ کھڑے ہوئے۔

''کہاں چلے گئے تھے لالہ؟'' عبدالمعید حسن، حکیم اللہ کے پاس سے اٹھ کر جمشید کی جانب بڑھے۔

''کہیں نہیں۔ وردا کو کالج سے لانا تھا۔'' اتنا کہہ کر جمشید نے ایک پیاری سی لڑکی کو آگے کیا۔

''وردا بیٹا یہ آپ کے چچا ہیں۔''

''حسن چچا۔'' وردا نے پُرجوش انداز میں تصدیق چاہی جمشید نے اثبات میں سر ہلایا اور عبدالمعید حسن ٹپٹا گئے۔

''السلام علیکم! چچا کیسے ہیں آپ؟'' وردا ان کی طرف بڑھتے ہوئے خاصی بے تکلفی سے مخاطب ہوئی۔

''میں ٹھیک ہوں بیٹا۔ آپ کیسی ہو؟ مجھے حیرت ہو رہی ہے کہ آپ بھی مجھے جانتی ہو۔'' عبدالمعید نے جمشید کو دیکھا اور پھر وردا کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولے۔

''چچا جان آپ کو شاید معلوم نہیں آغا فیملی کی ینگ جنریشن کے آپ ہیرو ہیں۔'' وردا انہیں ایک پُراعتماد لڑکی لگی۔ ایک پل بھی محسوس نہیں ہونے دیا کہ وہ ان کے لیے اجنبی ہیں۔

''کاش میری سکیزہ بھی ایسی پُراعتماد ہوتی۔'' بے اختیار ان کے دل میں خواہش ابھری۔

''بالکل نئی اطلاع ہے میرے لیے۔'' عبدالمعید حسن آغا خاندان کی کایا پلٹ جانے پر حیران تھے اور اس سے بھی زیادہ متعجب وہ اس بات پر تھے کہ ہاجرہ اور رضا کو دیکھ کر انہیں یہ گماں نہ ہوا تھا کہ آغا فیملی میں کوئی تبدیلی آگئی تھی۔ وہاں انہیں اسی سرد مہری کا سامنا کرنا پڑا تھا جو بھی اس خاندان کی روایت ہوا کرتی تھی لیکن یہاں آغا حکیم اللہ کی حالت کے علاوہ انہیں ایک چہل پہل محسوس ہوئی تھی۔

''چلو تم لوگ ماں کے ساتھ مل کر کھانے کا انتظام کرو اور دیکھو نانو اٹھ گئی ہیں کہ نہیں۔'' وردا کے کچھ کہنے سے پہلے جمشید نے کہا۔

''انکل اب یہاں سکیزہ کو بھی ہونا چاہیے۔'' وردا کے وہاں سے جانے سے پہلے ردا وہاں آگئی اور عبدالمعید کو کہنے لگی تو وردا نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''ہماری ایک اور کزن بھی ہے۔ عبدالمعید انکل کی بیٹی سکیزہ۔'' ردا نے اسے بتایا۔

''تو چچا اس کو کیوں نہیں لائے؟'' سکیزہ کے ذکر پر وردا نے بھی خوشی کا اظہار کیا۔

''بیٹا وہ بھی آئے گی۔ یہ ملاقات تو حادثاتی طور پر ہوئی ہے۔ اگر پہلے پتا ہوتا تو اسے بھی ساتھ لے آتا۔'' عبدالمعید حسن کو اندازہ ہونے لگا تھا کہ وجاہت کے حوالے سے جو وہ سوچ کر یہاں آئے تھے وہ ان کا ایک بہتر فیصلہ ثابت ہوا تھا۔ ہاں ہاجرہ کے رویے نے انہیں تھوڑا مایوس ضرور کیا تھا لیکن پھر بھی انہیں کوئی خوف نہیں تھا۔ آغا حویلی کی یہ تبدیلی خوش آئند تھی، جس نے انہیں کافی حد تک خوشی اور اطمینان بھی دیا تھا۔

''جمشید لالہ۔ یہ تو وہ آغا حویلی لگ ہی نہیں رہی ہے۔'' عبدالمعید حسن نے جمشید کو دیکھ کر خوش دلی سے کہا۔ وہ یہ نہیں سمجھے کہ جمشید کیسے بدل گیا، وہ تو حکیم اللہ کی طرح اپنے موقف پر ڈٹ جانے والا تھا پھر یہ کایا کیسے پلٹ گئی۔

''ہم نے بہت مشکل وقت گزارا ہے حسن۔ بہت ذلتیں سہی ہیں۔ اب جا کر سمجھ میں آئی کہ وقت کے ساتھ ساتھ انسان کو اسے بدلنا چاہیے کہ روایات بھی قائم رہیں اور کسی کے ارمانوں کا خون بھی نہ ہو۔ مجھے لگتا تھا کہ میری کامیابی حکمرانی میں ہے، ڈٹ جانے اور اکڑنے سے۔ جب میں اپنی بات منواؤں گا تو بدلے میں مجھے بلند مقام ملے گا، مجھے لگتا تھا میں دوسروں کو دبا کر رکھوں گا تو وہ میری عزت کریں گے لیکن میں غلط تھا۔ شمع کے صبر اور برداشت کا صلہ اس کو ملنا تھا، دیر سے ہی سہی، اولاد کی بدولت ہی سہی لیکن اللہ نے مجھے وہ سمجھ عطا کردی جو عزتوں سے نوازتی ہے۔'' جمشید کا لب ولہجہ انہیں کلیم اللہ جیسا لگ رہا تھا۔ جمشید وہی بات کہہ رہا تھا جو کبھی حسن اور کلیم اللہ کہا کرتے تھے۔

''حسن......؟'' اس سے پہلے کے دونوں بھائی مزید کوئی بات کرتے رافیہ کی آمد نے انہیں روک دیا۔

''السلام علیکم۔'' شمع کا ہاتھ پکڑے وہ سبک رفتاری سے چل رہی تھیں، عبدالمعید حسن یک دم اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کی جانب بڑھے۔

''وعلیکم السلام۔ تم ٹھیک ہو حسن...... کہاں چلے گئے تھے؟ شمع نے بتایا تو مجھے یقین ہی نہیں آیا کہ تم واقعی لوٹ آئے ہو۔''

''بس چچی دل اچاٹ ہوگیا تھا۔'' عبدالمعید حسن نے سر

جھکا کر کہا۔ انہیں ایک بار پھر اپنی حادثاتی آمد کے متعلق بتانا پڑا، انہیں کھلے دل سے خوش آمدید کیا گیا، عبدالمعید نے آغا حکیم اللہ کی طرف دیکھا، وہ سب کچھ دیکھ رہے تھے لیکن کچھ بول نہیں پا رہے تھے۔ ان کے بس میں آج کچھ بھی نہیں تھا۔ عبدالمعید حسن کا دل صحیح معنوں میں ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا تھا۔

کافی دیر وہ آغا حویلی میں رہے، کھانا بھی یہیں کھایا۔ لیکن ان کا قیام اس سے زیادہ طویل نہیں ہو سکتا تھا۔ شفیق آنے والے تھے اور کل شام ان کی فلائیٹ بھی تھی جس کو وہ کسی صورت کینسل نہیں کروا سکتے تھے۔ سکیزہ کو ہمراہ لانے کا وعدہ کرتے ہوئے بہت سی الجھنیں لیے عبدالمعید حسن آغا حویلی سے نکل گئے تھے۔ پاکستان کے سات دن کے دورے میں ان دونوں نے ان کی زندگی کی کایا ہی پلٹ دی تھی۔ وہ ہوا تھا جو انہوں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔

"کیا سکیزہ کے لیے فیصلہ کرنا اب آسان ہوگا؟" عبدالمعید حسن نے اپنے آپ سے سوال کیا۔

ہاجرہ وجاہت کی ماں ہے۔ وجاہت کی ماں ہاجرہ وہ عورت ہے جس کی محبت کو ٹھکرانے کے باوجود انہوں نے عزت کی نگاہ سے دیکھا تھا لیکن شاید وہ یہ نہ جان سکے تھے کہ ہاجرہ ٹھکرانے کے بعد کی عزت کو آج تک پہچان نہ پائی تھی۔ آج بھی وہ محبت کے اظہار پر ملنے والی دھتکار کی آگ میں جل رہی تھی۔ بہر حال اب حالات کون سی صورت اختیار کرتے ہیں کوئی بھی نہیں جانتا تھا اور وہ تو یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ وجاہت کی خواہش کیا ہے؟ ان کے لیے سکیزہ کی مرضی کی بھی بہت اہمیت تھی۔ اس سب کے باوجود وہ جب وہاں سے نکلے تو ان کا دل مطمئن تھا۔ یہ سوچ حاوی تھی کہ صدیوں بعد ہی سہی آغا حویلی کی روایات نے کروٹ تو بدلی اور آج اس زمانے میں، اس نسل کے لیے یہ بدلاؤ بہت ضروری تھا۔

چند امیدوں اور نئی امنگوں کو دل میں بسائے عبدالمعید حسن نے آغا فیملی کو خیر باد کہا۔ اس بار ان کے دل کے بوجھ نے نئے ڈھنگ کے ساتھ ان کو مضطرب تو کیا تھا لیکن وہ پُر امید تھے۔ آغا حویلی سے آتے ہی دوسری شام وہ واپس یوکے پرواز کر گئے تھے جہاں سکیزہ کے ساتھ ساتھ وجاہت بھی ان کا شدت سے منتظر تھا۔

❁......❁......❁......❁

آج وہ بہت خوش تھی۔ یونیورسٹی بھی نہیں گئی تھی اور آسیہ کے گھر سے صبح ہی اپنے گھر واپس آ گئی تھی۔ ایک دو ڈشز پکا کر گھر کی تھوڑی بہت صاف ستھرائی بھی کی۔ گھر گندا تو نہیں تھا لیکن کافی دن بند رہنے کی وجہ سے بے رونق ضرور ہو گیا تھا۔ اس نے ساری چیزوں کو سیٹ کر کے رکھا اور تیار ہونے لگی کہ آج اس نے عبدالمعید کو ائیر پورٹ سے ریسیو کرنا تھا اپنی مخصوص مختصری تیاری کے ساتھ وہ اب وقت کا انتظار کر رہی تھی۔ جب اس نے گھر سے نکلنا تھا۔ موبائل ہاتھ میں اٹھایا ہی تھا کہ اس کا میسج آ گیا۔

"فری ہو تو کال کرو۔" وجاہت کی طرف سے آیا میسج اسے حیران کر گیا۔ عموماً ایسے ہوتا نہیں تھا، وہ ایک دو میسج کر کے کال کر لیا کرتا تھا۔ اگلے ہی پل سکیزہ نے اس کے نام پر کلک کر دیا۔

"السلام علیکم۔ خیریت ہے؟" سکیزہ نے یک دم پوچھا۔

"وعلیکم السلام۔ جیتی رہو۔" وجاہت نے متبسم لہجے میں کہا لیکن وہ سکیزہ ہی کیا جو لہجوں کو پہچان لے۔

"کال کا کیوں کہا؟"

"میرے منٹس ختم ہو گئے ہیں، کل بیلنس ڈلواؤں گا تو پیکیج کروں گا، انکل نے آج آنا ہے، میں بھی ایئرپورٹ جانا چاہ رہا تھا تو سوچا پوچھ لوں کیا پتا تم ہی لفٹ دے دو۔" وجاہت کچھ منہ بسور کر اور کچھ مسکرا کر بولا تو سکیزہ نے یک دم دانت کچکچائے۔

"میں سمجھی پتا نہیں کیا ہو گیا ہے۔"

"جو ہونا تھا وہ ہو گیا اب اور کیا ہوگا بھلا۔" وجاہت ذو معنی انداز میں بولا۔ وہ جانتا تھا کہ ابھی تک سکیزہ کو معلوم نہیں ہوا کہ وہ دونوں ایک ہی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔

"کیا ہوا ہے اور کیا ہونا تھا؟" سکیزہ تو واقعی نہیں سمجھی تھی۔

"کچھ نہیں۔ یہ بتاؤ کب نکلنا ہے ایئرپورٹ کے لیے؟"

"بس ایک گھنٹے تک نکلنا ہے لیکن میں آپ کو کوئی لفٹ نہیں دے رہی ہوں۔" سکیزہ نے مسکراہٹ دبا کر ہری جھنڈی دکھائی۔

"لیکن کیوں؟" وجاہت منہ بسور کر بولا۔

"میں ڈیڈ کو خود ریسیو کرنا چاہتی ہوں۔" سکیزہ نے کہا تو وجاہت کا سر پیٹ لینے کو جی چاہا۔

"اچھا...... میں دور کھڑا رہوں گا۔" اس کے ساتھ سفر کا موقع وہ کسی طرح گنوانا نہیں چاہ رہا تھا۔

''دور کھڑے ہونے کا کیا فائدہ؟'' سکینز ہ نے حیرت سے پوچھا۔
''تم پاس آنے جو نہیں دے رہی تو دور سے ہی دیکھنا پڑے گا ناں۔'' وجاہت آہستگی سے ہنسا۔
''اچھا ٹھیک ہے چلے چلیں لیکن ڈیڈ سے پہلے میں ملوں گی۔ زیادہ بیچ میں نہیں آنا ہے آپ نے۔'' سکینز ہ کی مقرر کردہ حدود پر وجاہت کا قہقہہ بلند ہوا۔
''اوکے ٹھیک ہے۔'' اس کی یہ شرط اسے ماننی ہی تھی۔
''ٹھیک ہے میں آپ کو پک کرلوں گی۔'' سکینز ہ نے کہا تو وجاہت نے من ہی من 'یاہو' کا نعرہ لگایا۔
''کتنی دیر تک آؤ گی؟'' وجاہت نے گھڑی پر ٹائم دیکھتے ہوئے پوچھا۔
''تقریباً بیس منٹس تک۔'' سکینز ہ نے فلائیٹ کا اندازہ لگایا اور پھر وجاہت کو بتایا۔
''اچھا نکلنے سے پہلے میسج کردینا تاکہ میں تیار رہوں۔'' وجاہت نے کہا۔
''کیوں آپ نے کون سا میک اپ کرنا ہے۔'' سکینز ہ ہنس دی۔
''میک اپ تو نہیں کرنا لیکن پہلی بار من پسند لڑکی کے ساتھ سفر کروں گا تو تیاری ذرا اسپیشل ہونی چاہیے ناں، کیا پتا وہ امپریس ہو ہی جائے۔'' وجاہت کی برجستگی پر سکینز ہ کا قہقہہ اس کی سماعت سے ٹکرایا۔
''آپ بھی عجیب ہی ہیں۔'' سکینز ہ کے بیان نے اسے سرشار کردیا۔
''اگر ارادہ امپریس کرنے کا ہے تو جلدی تیار ہوجائیں کہیں دیر نہ ہوجائے۔'' سکینز ہ نے کہا اور وجاہت اللہ حافظ کہہ کرفون بند کرتے ہی تیار ہونے لگا۔
اگلے بیس منٹ میں وہ دونوں ایئرپورٹ کی طرف روانہ ہوگئے تھے۔ وجاہت کے لیے وہ پہلے سے زیادہ قابل احترام اس لیے بھی ہوگئی تھی کیونکہ وہ اس کے خاندان کی فرد تھی۔ بنا کسی عہد و پیماں کے اس نے سکینز ہ کی حفاظت کا ذمہ اپنے سر لے لیا تھا۔ دونوں کے درمیاں باتیں ہوتی رہیں۔ وہ سکینز ہ سے اس کی زندگی کے بارے میں پوچھتا رہا اور کچھ اپنے بارے میں بتاتا رہا لیکن کہیں بھی یہ ذکر نہیں آیا کہ ان دونوں کے درمیان یونیورسٹی فیلو اور بے نام سی دوستی کے علاوہ بھی کوئی رشتہ ہے۔ وجاہت نے جان بوجھ کر نہیں بتایا اور سکینز ہ تو تھی ہی لاعلم۔
ویٹنگ ایریا میں کھڑی سکینز ہ اب عبدالمعید کا انتظار کررہی تھی۔ اناؤنسمنٹ بورڈ پر فلائیٹ کے لینڈ ہونے کی اپ ڈیٹ آگئی تھی اور اس کی بے قراری اور خوشی میں بھی اضافہ ہورہا تھا۔ بچوں جیسی اس کی خوشی کو وجاہت بغور دیکھ رہا تھا۔ تقریباً ڈھائی گھنٹے کے ساتھ میں وجاہت نے سکینز ہ کو مزید جانا تو اس کی محبت میں مزید اضافہ ہوگیا تھا۔ اس نے جانا کہ سکینز ہ ٹوٹ کر چاہنے والی لڑکی ہے۔ وہ اگر آغا حویلی کے مکینوں سے نفرت بھی کرتی ہے تو اس میں وہ مضبوطی نہیں جو وجاہت کو دوسروں میں دھکیل دے۔ وہ بہت نرم دل اور صاف گو لڑکی ہے۔ وجاہت کو اپنی پسند پر فخر محسوس ہوا۔
''ڈیڈ آگئے۔'' سکینز ہ کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔ وجاہت نے مسافروں کے رش میں عبدالمعید حسن اور شفیق کو آتے دیکھا اور سکینز ہ کے ہمراہ وہ بھی آگے بڑھا۔
''میری جھلی دھی۔ آئی مسڈ یو سوچ۔'' وہ لوگوں کی پرواہ کیے بغیر بیچ راستے میں ان سے لپٹ گئی۔ عبدالمعید اس کو بانہوں میں بھر کر محبت سے بولے۔
''السلام علیکم انکل کیسے ہیں...... سفر ٹھیک گزرا؟'' وجاہت نے ان کی طرف ہاتھ بڑھا کر پوچھا۔ عبدالمعید نے چونک کر اسے دیکھا اور اگلے ہی پل اسے گلے سے لگالیا۔ ان کے انداز میں ایسی بے اختیاری اور بے تابی تھی کہ سکینز ہ چونکے بنا نہ رہ سکی۔ وجاہت نے مسکرا کر انہیں دیکھا۔ دونوں کے درمیان کوئی بات نہ ہوئی۔ عبدالمعید نے اسے کسی اور رشتے سے مخاطب کیا نہ وجاہت نے کوئی اور حوالہ دیا لیکن دونوں ہی جانتے تھے کہ ملاقات کا جوش کس نوعیت کا ہے۔ عبدالمعید وجاہت کے کندھے پر ہاتھ رکھے آگے بڑھ رہے تھے۔ وجاہت نے دیکھا کہ سکینز ہ کو عبدالمعید کا اس سے ایسے ملنا اور ساتھ چلنا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ اس نے خشمگیں نگاہوں سے وجاہت کو دیکھا۔
''شفیق انکل آپ کیسے ہیں؟'' ایک دم سکینز ہ ان کو نظرانداز کرتی ہوئی شفیق انکل کی جانب متوجہ ہوئی اور وجاہت مسکراہٹ دباتے عبدالمعید کے بیگ کو دھکیلتے گاڑی کی طرف بڑھا تو غیر ارادی طور پر عبدالمعید بھی اس کے ساتھ ہوگئے۔ سکینز ہ شفیق کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے بھی ان کو بغور دیکھ رہی تھی۔ واپسی کے پورے راستے سکینز ہ ایک لفظ نہ بولی، وجاہت کے لیے اس کا جلنا ایک دلچسپ منظر تھا اور وہ لطف

اندمنہ ہوتا رہا تھا۔



پھر وہ کمرے سے باہر نکلیں نہ کسی سے کوئی بات کی۔ ایک جھنجھلاہٹ اور بیزاری نے انہیں اپنے حصار میں جکڑ رکھا تھا۔ چاہ کر بھی اپنے دل میں وہ کوئی خوشگوار ماحول نہ بنا پا رہی تھیں۔ انہیں لگتا تھا جیسے وہ خود کو سمجھ ہی نہیں پا رہی ہیں۔ عبدالمعید حسن واپس چلے گئے تھے برسوں بعد ان کے یوں اچانک سامنے آجانے پر ان کے زخم تازہ ہوگئے تھے۔ اپنے آپ پر بند باندھنے کے باوجود وہ اس تلخی کو نہ چھپا سکی تھیں جو ان کے خیال میں عبدالمعید حسن کی بدولت ان کے حصے میں آئی تھی۔

"میں کیوں ایسی زندگی گزار رہی ہوں جو کسی طرح بھی، کسی بھی زاویے سے میرے لیے نہیں تھی؟" ہاجرہ نے آج تک اس بے بسی اور لاچاری کو قبول نہیں کیا تھا۔ عمر کی کتنی دہائیاں گزرنے کے بعد بھی ان کی سمجھ میں یہ نہیں آیا تھا کہ اگر وہ حقیقت کو تسلیم کرلیتیں تو زندگی کسی نہ کسی زاویے سے خوش گوار ہوسکتی تھی۔

"میں غلط ہوں اس لیے میں خوش نہیں ہوں۔ اس کا مطلب ہے حسن بھی غلط تھے اس لیے وہ بھی آج اکیلے ہیں..... رضا کی تنہائی بھی اس بات کی گواہ نہیں کہ وہ بھی غلط تھا؟" ہاجرہ کے اندر ایک جنگ جاری تھی۔ تکرار زور پکڑتی جارہی تھی۔

"امی..... امی۔" ردا کی مسلسل پکار ان کی سماعت سے ٹکرائی تو انہوں نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ ردا ہاتھ میں پکڑی ٹرے میں کھانا اور چائے رکھے کمرے میں داخل ہوئی۔

"امی کھانا کھائیں اور شمع خالہ کی کال آئی تھی آپ سے بات کرنا چاہتی ہیں۔" ردا نے کھانے کی ٹرے میز پر رکھتے ہوئے انہیں بتایا تو ہاجرہ نے ایک خاموش نگاہ اس پر ڈالی۔

"اور ہاں امی یاد آیا بھائی نے تصویریں بھیجیں ہیں اور کہا تھا امی کو بھی دکھا دینا۔ میں دکھاتی ہوں۔" ردا نے موبائل نکالتے ہوئے انہیں بتایا اور ان کے نزدیک بیٹھ گئی۔

"یہ تصویریں انکل عبدالمعید جب پہنچے تو اس وقت کی ہیں۔" ردا نے ائیرپورٹ پر لی گئی تصویر ان کے سامنے کی جس میں عبدالمعید حسن اور سکینہ دونوں کھڑے تھے، عبدالمعید کا ہاتھ وجاہت کے کندھے پر نظر آرہا تھا۔

"امی یہ سکینہ ہے انکل کی بیٹی۔" ردا نے ماں کے چہرے پر نگاہ ڈال کر سکینہ کے بارے میں بتایا۔

"پیاری ہے ناں؟" ردا نے ان کی نگاہوں کو دیکھ کر پوچھا۔

"ہاں..... اس کا مطلب ہے کہ وجاہت اسے جانتا ہے۔" ہاجرہ نے بے حد غور سے تصویر دیکھی، وجاہت کی ترچھی نگاہ سکینہ پر تھی اور ہونٹوں پر کھلتی مسکراہٹ کو دبانے کی کوشش کررہا تھا۔

"پتا نہیں امی بھائی نے کبھی ذکر تو نہیں کیا۔" ردا نے دوسری تصویریں دکھائی ایک میں وجاہت اور حسن ساتھ ساتھ تھے اور ایک وجاہت کی اکیلے کی تھی۔

"ذکر نہیں کیا تو کیا ہوا نظر جو آرہا ہے۔" ہاجرہ نے تیکھی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے موبائل واپس کیا۔

"شمع خالہ کا نمبر ملا دو۔" ہاجرہ نے سپاٹ انداز میں کہا۔

"تمہارا دماغ پھر خراب ہوگیا ہے کیا؟" کال ریسیو کرتے ہی شمع نے انتہائی غصے سے کہا۔

"کیوں کیا ہوا ہے؟" ہاجرہ اسی بیزاری سے گویا ہوئیں۔

"حسن کی واپسی اتنی اہم نہیں ہے ہاجرہ کہ تم ایک بار پھر سوگ منانے بیٹھ جاؤ۔" شمع نے دانت پیستے ہوئے کہا تو ہاجرہ نے اشارے سے ردا کو وہاں سے جانے کو کہا۔

"میں کسی سوگ میں نہیں ہوں باجی۔" ردا کے وہاں سے جاتے ہی ہاجرہ بولیں۔

"دیکھو ہاجرہ اب وقت نہیں کہ تم رضا کی نظروں میں اپنے آپ کو بے اعتبار ٹھہراؤ۔ تم کیوں نہیں مان لیتی کہ رضا ہی تمہارا مقدر ہے اور وہی تمہاری قسمت۔" شمع کو ہاجرہ کی طرف سے ہر وقت ایک دھڑکا لگا رہتا تھا۔

"میں نے کچھ نہیں کیا۔" ہاجرہ بے دلی سے بولیں۔

"تم جانتی ہو ہاجرہ رضا نے ہر حال میں تمہارا ساتھ نبھا کر ثابت کردیا کہ وہ تم سے محبت کرتا ہے۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ تم اس سے محبت نہیں کرتی وہ تمہیں عزت دیتا ہے، تمہارے بچوں کو تمہارا خیال رکھنے کو کہتا ہے۔ کیوں نہیں تم اس کی قدر کرتیں..... کیوں نہیں تم اس سے محبت کرتیں؟" شمع نے جھنجھلا کر کہا تو ہاجرہ کا قہقہہ اس کے کانوں میں گونجا۔

"مجھے میں کوئی جہیز میں نہیں لے کر آئی تھی۔"

"ہاں لیکن اس گھر میں پہلے سے بھی موجود نہیں تھے۔ تمہاری بے اعتنائی کے باوجود رضا نے ان بچوں کے دل میں تمہارے لیے کوئی میل نہیں آنے دیا۔ رضا انا پرست نہیں ہے

ہاجرہ ورنہ وہ کیا کیا نہ کرسکتا تھا۔" شمع کا غصہ عروج پر تھا۔

"میں نے کہا تھا اپنے آپ کو کہ اس سے اب محبت کرلو لیکن سوال یہ ہے باجی کہ محبت کروں کیسے؟" ہاجرہ کے تمسخرانہ انداز پر شمع سکتے میں رہ گئیں۔

"کیا اس کی اچھائی، شرافت اور تمہارے لیے اس کے جذبوں کی کوئی وقعت نہیں ہاجرہ کہ ان کی بنیاد پر تم اس سے محبت کرو؟"

"بہت ہے...... بہت قدر ہے تب ہی تو یہ رشتہ قائم ہے ورنہ تم تو جانتی ہو باجی ہاجرہ کتنی سرپھری تھی۔" ہاجرہ کی ہنسی اتنی تلخ تھی کہ شمع گنگ رہ گئیں۔

"تم بتاؤ باجی کیا تمہیں جمشید بھائی سے محبت ہوگئی ہے؟" اگلے پل ہاجرہ نے کاٹ دار لہجے میں ان سے پوچھا۔

"جمشید اور رضا میں زمین آسمان کا فرق ہے ہاجرہ۔"

"کیا فرق ہے باجی؟ تمہیں بھی محبت نہیں تھی مجھے بھی نہیں ہے۔" ہاجرہ کا لہجہ مذاق اڑانے جیسا تھا۔

"رضا تم سے محبت کرتا تھا اور کرتا ہے ہاجرہ جبکہ جمشید اور میں ہمارا رشتہ نبھا رہے ہیں۔" شمع کے لہجے میں دکھ تھا۔

"لیکن اب تو جمشید بھائی ویسے نہیں رہے۔ تمہارا یقین جیت گیا لیکن مجھے حیرت ہے باجی کہ تم خوش آج بھی نہیں ہو۔" ہاجرہ اور شمع آج بھی جب بھی موقع ملتا دونوں بہنیں ایک دوسرے سے دل کی باتیں کرلیا کرتی تھیں۔

"میں خوش ہوں ہاجرہ اور اگر نہیں بھی خوش ہوں تو اس کی اور بھی بہت سی وجوہات ہیں، ابا کی بیماری، اماں کی دیکھ بھال، بچوں کی تربیت گھربار دیکھنا۔ بہت کچھ ہے جو صرف اپنے لیے خوش ہونے نہیں دیتا اور تم جانتی ہو کہ شادی کے شروع کے چند سال بہت اہمیت رکھتے ہیں، ان چند سالوں میں شوہر کا اچھا یا برا سلوک بہت گہرے اثرات چھوڑ جاتا ہے۔ میں بہت خوش ہوں کہ اللہ نے میرے صبر کا پھل مجھے اس صورت دیا ہے آج جمشید اپنی اولاد کے سامنے سرخرو ہیں اور ان کے انداز اب دل دکھانے والے اور کرخت بھی نہیں رہے لیکن میرے دل میں ان کی باتوں کے نقوش اس قدر گہرے ہیں کہ میں چاہ کر بھی وہ ذلت بھرے لمحات بھول نہیں پائی۔ ان کی نفرت، ان کی دھتکار، بات بے بات نیچا دکھانا میں فراموش نہیں کرسکتی۔ ہاں میں اب بھی صبر سے ہی کام لے رہی ہوں اور مجھے اب بھی یقین ہے کہ جس طرح اللہ نے میری دعائیں قبول کیں اسی طرح میرا دل بھی پھیر دے گا۔" شمع نے ہر بار ہاجرہ کو بتایا تھا اور آج پھر وہ یہی باتیں کررہی تھیں۔

"میں تمہیں آج بھی یہی کہوں گی ہاجرہ کہ حسن نے اپنے حصے کی محبت کرلی۔ اس کے لوٹ آنے پر رضا کو اس کی عمر بھر کی محبت پر پچھتاوا مت دو۔ اسے یہ احساس نہ ہونے دو کہ اس نے تم سے محبت میں اپنی عمر ضائع کردی ہے۔" شمع ایک بار پھر اسے رضا کے لیے قائل کررہی تھیں۔

"میں اب کہاں جاسکتی ہوں باجی؟ یہاں ہی تو ہوں۔" ہاجرہ نے گہری سانس خارج کی۔

"یہاں ہوتے ہوئے بھی نہیں ہو۔ رضا کے سامنے ہوتے ہوئے بھی اس کے ساتھ نہیں ہو۔ اس کے ساتھ جڑے رہنے کے باوجود تم اس کی نہیں ہو۔ اسے محبت دو ہاجرہ۔ خدارا اپنے آپ کو سنبھالو، جانو اپنے آپ کو۔" شمع کے منت بھرے لہجے پر ہاجرہ کی آنکھیں پانیوں سے بھرنے لگی۔

"کاش باجی کوئی تو سمجھ سکتا کہ اس اذیت میں عمر میں نے بھی گزار دی۔ سب کو رضا کی تکلیف نظر آرہی ہے۔ میرے آنسو، میری بے بسی اس کا حساب کہاں ہے؟" شمع کا فون بند ہوگیا اور ہاجرہ خود کلامی کرنے لگیں۔ کتنی ہی دیر وہ وہیں بیٹھی رہیں۔ سوچتی رہیں لیکن آج بھی اپنے دل کو نہ سمجھا سکی تھیں۔



ائیرپورٹ سے واپسی پر شنش اپنے گھر روانہ ہوگئے تھے اور وجاہت بھی کچھ دیر رکنے کے بعد گھر چلا گیا تھا جاتے ہوئے عبدالمعید نے اسے دوسرے دن آنے کا کہا تھا اس وقت وہ تھکے ہوئے تھے اور کچھ سفر کی وجہ سے بھی نڈھال تھے تو زیادہ بات نہ ہوسکی تھی۔ دوسرے دن عبدالمعید اپنی نیند پوری کرکے جاگے تو سکینہ یونیورسٹی سے گھر واپس آچکی تھی اور وہ... وجاہت بھی آگیا تھا۔

"میں نے کہا تھا میں ڈیڈ سے پہلے ملوں گی اور آپ دور کھڑے رہیں گے۔" سکینہ نے دروازہ کھولا اور سامنے کھڑے وجاہت کو گھورتے ہوئے کہا۔

"السلام علیکم۔" وجاہت نے مسکراہٹ دباتے ہوئے اسے شرمندہ کیا۔

"زیادہ مسلمان بننے کی ضرورت نہیں ہے، میں بھی سلام کرسکتی ہوں لیکن مجھے بہت غصہ ہے۔" سکینہ نے تیوریاں چڑھا کر کہا تو وجاہت بہ مشکل اپنا قہقہہ روک سکا۔

"تو تم جل رہی ہو۔" وجاہت نے بغور اسے دیکھ کر کہا۔

"ڈیڈ صرف میرے دوست ہیں۔ آپ کیوں ڈیڈ سے دوستی کررہے ہیں؟" سکیزہ نے روہانسے انداز میں اس سے پوچھا۔

"کیا میں اندر آسکتا ہوں..... انکل جاگ گئے ہیں ناں؟" اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے وجاہت نے اجازت لی تو سکیزہ بنا کچھ کہے ایک طرف ہوگئی۔

"السلام علیکم انکل۔ کیسے ہیں' کیسے دن گزرے پاکستان میں اور طبیعت ٹھیک رہی؟" سکیزہ دروازے میں آکھڑی ہوئی تھی' وجاہت کے سوالوں پر دانت پیس کر من ہی من نہ جانے کیا بڑبڑائی۔

"وعلیکم السلام بیٹا بالکل خیریت سے ہوں اور پاکستان میں ایسے ایسے سرپرائز ملے کہ طبیعت خراب ہونے کی طرف دھیان ہی نہیں گیا۔" عبدالمعید گہری ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ بولے۔

"جی انکل سنا میں نے بھی۔" وجاہت نے کنکھیوں سے سکیزہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ تو وہ آنکھیں پھیلائے ان دونوں کو دیکھنے لگی اور پھر بنا کچھ کہے وہاں سے چلی گئی اور دس منٹ بعد کمرے میں داخل ہوئی تو اس کے ہاتھ میں چائے کے ساتھ سینڈوچز اور نوڈلز دیکھ کر وجاہت کی بھوک بھی چمک اٹھی۔

"کون سے سرپرائز ڈیڈ اور مجھے کیوں نہیں بتایا؟" چیزیں سروکر کے سکیزہ عبدالمعید کے پاس بیٹھتے ہوئے نروٹھے لہجے میں بولی۔

"کیوں وجاہت تم نے سکیزہ کو نہیں بتایا کیا؟" عبدالمعید نے وجاہت کی طرف دیکھا تو اس نے نفی میں سر ہلادیا۔

"انکل ہماری ملاقات ہی نہیں ہوئی۔" وجاہت کے جھوٹ پر سکیزہ نے وجاہت کی طرف دیکھا لیکن وہ متوجہ نہیں تھا۔

"ڈیڈ کیا ہوا؟" سکیزہ کو رہ رہ کر وجاہت کے جھوٹ پر حیرت ہورہی تھی۔ عبدالمعید کے شریر انداز نے بھی اسے تشویش میں مبتلا کردیا تھا۔ اسے یہ خوف ستانے لگا کہ کہیں عبدالمعید نے اس کا رشتہ تو نہیں طے کردیا۔

"بیٹا بات یہ ہے کہ......"

"نہیں نہیں انکل میں بتاتا ہوں۔" وجاہت ان کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی بولا تو عبدالمعید ہنس دیے۔

"اچھا چلو تم ہی بتادو۔" سکیزہ واقعی صحیح معنوں میں غصے میں آگئی تھی۔ وہ سچ مچ جلن محسوس کررہی تھی' عبدالمعید کے معاملے میں وہ اتنی ہی حساس تھی۔ اب بھی کوئی بات وجاہت کو پتا ہے اور سکیزہ کو نہیں پتا تو یہ بات اس کے لیے برداشت کرنا مشکل تھا۔

"نہیں ڈیڈ...... مجھے آپ بتائیں کیا بات ہے۔" سکیزہ نے وجاہت کو مکمل نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا انکل آپ ہی بتادیں۔" وجاہت جان بوجھ کر اسے تپا رہا تھا لیکن اس پل اس کے تاثرات ایسے تھے کہ وہ اس مذاق کو طول نہ دے سکا۔

"بیٹا میں وجاہت کے گھر گیا تھا۔ وجاہت کی امی اور بابا سے ملاقات کرنے اور وجاہت نے جو سامان دیا تھا وہ دینے۔" عبدالمعید اسے بتانے لگے' سکیزہ نے چور نظروں سے وجاہت کو دیکھا اس کی مسکراہٹ ایسی نہ تھی کہ نظر انداز کردی جائے۔

"وجاہت کی امی میری کزن ہیں۔ اس رشتے سے تم اور وجاہت بھی کزن ہو۔" عبدالمعید نے بہت پُرجوش انداز میں اسے بتایا تو سکیزہ ایک دم سکتے میں آگئی۔

"کون.....؟" سکیزہ کے لب ہلے۔ "ہاجرہ.....؟" سکیزہ نے نام لیا تو عبدالمعید نے اثبات میں سر ہلایا۔ سکیزہ کے چہرے پر خوشی تو کیا ایک مدہم سی مسکراہٹ بھی نہ ابھری تھی۔

"تو کیا اسے خوشی نہیں ہوئی؟" وجاہت چونکا۔

"ڈیڈ....." سکیزہ نے عبدالمعید کی طرف دیکھا جو مسکرا رہے تھے۔

"کیا ہوا..... میری جھلی دھی کیوں اداس ہوگئی؟" سکیزہ نے بنا کچھ کہے نفی میں سر ہلایا۔

"دیکھو بیٹا وہ وقت گزر گیا۔ اب ہمیں پرانی باتوں کو بھولنا ہوگا۔ بچپن کی لڑائیاں بچپن تک ہی اچھی لگتی ہیں۔ بڑھاپے میں بچپنا انسان کو معتبر نہیں رہنے دیتا، میں وہاں سب کو معاف کر آیا ہوں۔" عبدالمعید نے سکیزہ کا ہاتھ پکڑ کر رسان سے اسے سمجھانا شروع کیا۔

"اور میں چاہوں گا کہ میری سکیزہ بھی اپنا دل صاف کرلے۔ کسی کے خلاف کوئی ذرا سی بھی رنجش میری سکیزہ کے دل میں نہ ہو۔" عبدالمعید نے اس کی طرف دیکھا۔ وجاہت بغور سکیزہ کو دیکھ رہا تھا۔ سر جھکائے اس کی نظریں نہ جانے زمین میں کیا کھوج رہی تھیں۔

"میں چاہوں گا کہ میری سکیزہ اپنے ڈیڈ اور مام کے ساتھ ہوئی ناانصافیوں کو معاف کردے۔" عبدالمعید کا انداز ایسا پُراثر

تھا کہ سکینہ نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔ مدہم مسکراہٹ کے ساتھ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ وجاہت کے لیے سکینہ کا یہ روپ بہت انوکھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں جھلملاتے پانی کے قطروں نے وجاہت کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کردیا تھا۔

''میری جھلی دھی۔'' عبدالمعید نے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

''ہم وجاہت کو اپنی فیملی میں خوش آمدید کہتے ہیں۔'' عبدالمعید نے ہاتھ پھیلایا تو سکینہ نے ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا اور انہوں نے دوسرا ہاتھ وجاہت کی طرف بڑھایا جس کو اس نے جھجکتے ہوئے تھام لیا۔ وجاہت نے محسوس کیا کہ سکینہ اب اس کی طرف دیکھ بھی نہیں رہی وہ مسلسل سر جھکائے بیٹھی تھی۔

''انکل مجھے اب جانا ہے۔ شام میں جاب پر بھی جانا ہے ان شاء اللہ پھر ملاقات ہوگی۔'' وجاہت نے اجازت لی۔

''لیکن، ہم تو کھانا ساتھ کھانے والے تھے۔'' عبدالمعید کا لہجہ اپنائیت سے بھرپور تھا۔

''نہیں انکل۔ ابھی چائے پی لی تو ان شاء اللہ پھر کسی دن کھانا بھی کھالیں گے۔'' وجاہت نے انہیں کہتے ہوئے خاموش بیٹھی سکینہ کی طرف دیکھا۔

''اچھا چلو ٹھیک ہے پھر چکر لگانا۔'' عبدالمعید نے کہا تو وجاہت اٹھ کھڑا ہوا۔ سکینہ کے یک دم بدلے رویے پر وجاہت کی خوشی کہیں کھوگئی تھی۔

''اللہ حافظ انکل۔'' وجاہت کمرے سے باہر نکل گیا۔

''سکینہ بیٹا دروازہ لاک کردینا۔'' عبدالمعید نے میز پر رکھے چائے کے برتن اٹھاتی سکینہ کو کہا، وجاہت کے کانوں میں ان کی آواز پڑی تو کمرے سے باہر دروازے تک پہنچتے اپنی رفتار کو دھیما کرلیا۔

''تم ناراض ہو؟'' سکینہ ہاتھ میں ٹرے اٹھائے کمرے سے باہر نکلی تو مین ڈور کے پاس وجاہت کو کھڑے دیکھ کر رک گئی۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔

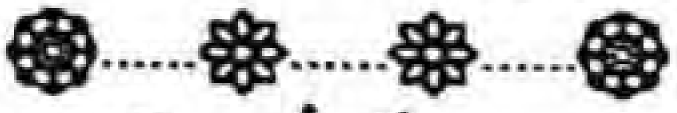
''پھر اس بات سے خوش کیوں نہیں ہو کہ ہم ایک ہی خاندان کے ہیں؟'' وجاہت نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''خوش ہوں۔''

''لگ کیوں نہیں رہی۔'' وجاہت سمجھ چکا تھا کہ اسے وجاہت کا عبدالمعید کے ساتھ زیادہ بے تکلف ہونا نہیں اچھا لگا۔

''اچانک خبر ملی تو عجیب سا لگ رہا ہے۔ اداس نہیں ہوں۔'' سکینہ نے یقیناً وہی کہا جو وہ محسوس کررہی تھی۔

''لیکن خوش بھی نہیں ہو۔'' وجاہت نے کہا تو سکینہ نے سر جھکا کر نفی میں سر ہلادیا۔ وجاہت چند پل اس کی طرف دیکھتا رہا اور پھر بنا کچھ کہے باہر نکل گیا۔ اس کے جاتے ہی سکینہ نے گہرا سانس لیا اور کچن میں چلی گئی۔



''مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔'' رضا اپنے کام میں مشغول تھے کہ ان کی آواز سماعت سے ٹکرائی۔ جسے انہوں نے اپنا واہم جان کر پلٹ کر دیکھے بغیر سر جھٹک دیا۔

''میں تم سے کہہ رہی ہوں کہ اپنا کام روکو مجھے بات کرنی ہے۔'' کسی کا بھی نظر انداز کرنا انہیں کبھی گوارا نہ ہوا تھا، تلخ جھنجلائی آواز نے ان کی محویت توڑی۔

''جی کہیں۔'' انہوں نے ظاہر نہیں کیا کہ پہلی پکار انہیں کوئی وہم لگی تھی۔ نہ اس بات پر کسی قسم کے تعجب کا اظہار کیا کہ برسوں بعد وہ آج کسی بات کی نیت سے ان کے پاس آئی ہیں۔

''کل وجاہت نے تصویریں بھیجی تھیں، شاید جب حسن ائیرپورٹ پہنچے تو اس وقت کی تھیں، سکینہ کو دیکھا تو میں سوچ رہی ہوں کہ وجاہت کے رشتے کی بات کریں۔'' بات تھی کہ کوئی دھماکہ۔ رضا سکندر سارے کام چھوڑ کر یک ٹک انہیں دیکھتے رہ گئے۔ ایک بار پھر انہیں اپنی سماعت پر دھوکے کا گمان ہوا تھا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)



[illegible]

سیدہ فرحین جعفری

سنو ہر اک سے یہ نہ کہنا کہ تیرے ہیں فقط تیرے
یہ راز چھوٹ جائیں تو بڑی تکلیف ہوتی ہے
امیدوں سے ہوتی ہیں وابستہ زندگی فراز
امیدوں ٹوٹ جائیں تو بڑی تکلیف ہوتی ہے

محبت الہام کی طرح دل کے نہاں خانوں میں اترتی ہے جیسے تپتی دھوپ میں کوئی شجر سایہ دار، حبس کے موسم میں بارش کی ٹھنڈی پھوار، ریت کے صحرا میں پانی کی چند بوندیں، گویا آب حیات۔ جسے اندھیری رات میں چمکتا ہوا چاند اور ٹھنڈی چاندنی...... وہ بھی رفتہ رفتہ اس کے دل میں بسنے لگی تھی۔ اس کے ہونے کا احساس ایسا جیسے صبح کی ٹھنڈی اور تازہ ہوا فجر کا پرسکون ماحول، محبت قطرہ قطرہ اس کے دل پر بوندوں کی طرح برس رہی تھی۔ ایک سحر اسے اپنے حصار میں قید کر رہا تھا کسی کا معصوم سوگوار چہرہ اسے اپنے دل کے بہت قریب محسوس ہونے لگا تھا۔ وہ دن بدن کسی کی محبت میں گرفتار ہونے لگا تھا اور دل کے معاملے میں زور کہاں چلتا ہے کب، کہاں کس پہ آ جائے...... یہ پتا ہی نہیں چلتا بس دل دھڑکتا ہے تو ایک ہی نام سنائی دیتا ہے۔



"نہال بیٹا...... اٹھو" امی کے پریشانی سے پکارنے پر وہ گھبرا کے اٹھا۔ صبح ایک آفس میٹنگ کے سلسلے میں اسے اسلام آباد جانا تھا وہ رات ہی ساری تیاری کر کے جلدی سو گیا تھا اور اب گہری نیند میں تھا یوں اٹھائے جانے پر وہ گھبرا گیا تھا۔

"بیٹا...... اٹھو جلدی سے گاڑی نکالو" نصرت جہاں ایک بار پھر گھبرائی ہوئی آواز میں بولیں۔

"کیا ہوا امی؟" وہ بستر چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"بیٹا...... وہ عروسہ بے ہوش ہو گئی ہے عالیہ باہر پریشان کھڑی ہے اسے اسپتال لے کر جانا ہے۔" امی خود بھی بہت گھبرائی ہوئی رونے والی ہو رہی تھیں۔ مختصر الفاظ میں اپنے ہمسائے میں رہنے والی عالیہ آنٹی اور ان کی اکلوتی بیٹی کا بتایا۔ وہ جلدی سے کار کی چابی اٹھا کر بھاگا تھا نظر دیوار پر لگی گھڑی پر گئی وہ رات کے دو بجا رہی تھی۔

نصرت جہاں، عالیہ بیگم کے ساتھ بینچ پہ بیٹھیں انہیں تسلی دے رہی تھیں جو مستقل رو رہی تھیں۔ نہال ادھر سے ادھر ٹہلتا ہوا ڈاکٹر کا انتظار کر رہا تھا جو انتہائی نگہداشت کے وارڈ میں عروسہ کا چیک اپ کر رہے تھے۔ تقریباً بیس منٹ بعد ڈاکٹر باہر آئے نہال تیزی سے ان کی طرف بڑھا۔

"وہ اب خطرے سے باہر ہے لیکن صبح تک انڈر آبزرویشن رکھیں گے، صبح آپ انہیں گھر لے جا سکیں گے۔" ڈاکٹر صاحب پیشہ وارانہ انداز میں مریض کی حالت بتاتے آگے بڑھ گئے جب ہی اس نے پوچھا۔

"ڈاکٹر ہوا کیا ہے؟" نہال نے جلدی سے سوال کیا۔

"کوئی گہرا صدمہ ہے یا بہت زیادہ سوچتی رہتی ہیں نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا آپ ٹھیک وقت پہ اسپتال لے آئے ورنہ کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ وہ کومہ میں بھی جا سکتی تھیں، بٹ ناؤ شی از فائن۔" ڈاکٹر صاحب تفصیل بتانے کے ساتھ تسلی دیتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔ عالیہ آنٹی کے چہرے پر شکر کے آثار نمایاں ہوئے۔ اس نے دونوں کو گھر چلنے کا کہا لیکن عالیہ آنٹی عروسہ کے بغیر گھر جانے پر راضی نہ ہوئیں مجبوراً وہ امی کے ساتھ گھر واپس آ گیا۔

رات کے چار بج رہے تھے اور نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں

دور تھی۔ ایک سوگوار سا معصوم چہرہ اور بے جان وجود اس کی نگاہوں میں گھوم رہا تھا۔



نہال پچھلے پانچ سال سے شہر میں اپنے ایک دوست کے ساتھ رہ رہا تھا' اس کا تعلق سندھ کے ایک دیہی علاقے سے تھا' وہ اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد تھا' دو سال پہلے اپنے ابو کے انتقال کے بعد وہ نصرت جہاں کو بھی مستقل طور پر شہر لے آیا تھا' یہاں اس کی ملازمت بھی' دوست کے توسط سے شہر کے ایک گنجان آباد علاقے میں گھر لے لیا تھا تاکہ ہمسایوں کی موجودگی میں امی کو اکیلے پن کا احساس نہ ہو اور ہوا بھی یہی..... یہاں شفٹ ہو جانے کے دو ہفتے بعد ہی امی کے ذریعے عالیہ آنٹی کی فیملی سے غائبانہ تعارف ہو گیا تھا۔

تقریباً سال بھر میں وہ امی کی زبانی ہی ان کے بارے میں جان گیا تھا پھر اکثر ایک دراز قد لڑکی امی کے ساتھ کچن میں نظر آنے لگی اپنی مصروفیت کی وجہ سے وہ زیادہ توجہ نہ دے سکا لیکن ایک دن عالیہ آنٹی کے شوہر سراج احمد جو کہ دل کے مریض تھے ان کی اچانک طبیعت خراب ہو جانے کی وجہ سے اسے بھی ان کے گھر جانے کا اتفاق ہوا اور پھر تو جیسے وہ ان کے گھر کا حصہ ہی بن گیا۔ ان کے ہاں انکل کے علاوہ کوئی مرد نہ تھا تو امی کے کہنے پر باہر کے بہت سے کام نہال نے سنبھال لیے تھے جس کی وجہ سے عالیہ آنٹی اور سراج انکل دلوں ہی اس کے مشکور رہتے اور وہ شرمندہ۔ اس نے کئی بار ایک معصوم سے چہرے کی جھلک دیکھی تھی' یہ وہی تھی جو امی کے ساتھ کچن میں بھی نظر آتی تھی..... وہ ان کی اکلوتی بیٹی عروسہ سراج تھی۔

وہ ایک عام سی لڑکی تھی' نہ ہوش اڑا دینے والا حسین چہرہ' نہ جھیل سی گہری آنکھیں۔ دراز قد' گوری رنگت' گہری کالی اداس آنکھیں' کمر تک آتے سلکی بال جو سائیڈ کی مانگ نکالے ہمیشہ ایک چوٹی میں گندھے نظر آتی' کچھ شرارتی لٹیں چہرے کے اردگرد بکھری رہتیں اور سوگوار چہرہ..... چہرے پر بلا کی معصومیت۔ اگرچہ پہلی مرتبہ میں متاثر کن نہیں تھا لیکن اگر کوئی بار بار اسے دیکھے تو یقیناً وہ اچھی لگنے لگتی جیسے نہال کو..... نہال کوئی بیس' بائیس سال کا لاابالی سا لڑکا نہیں تھا جو یونہی کسی بھی لڑکی پر عاشق ہو جاتا' وہ تیس سال کا ایک ذمہ دار نوجوان تھا جس نے کم عمری سے ہی باپ کا سہارا بننے کی کوشش کی تھی لیکن نہ جانے کیوں..... عروسہ دن بدن اسے خود سے قریب محسوس ہونے لگی تھی۔

محبت پہ کسی کا اختیار نہیں ہوتا' یہ ایک بلا کی طرح انسان پر سوار ہو جاتی ہے پھر ایک ہی نقش جیسے دل میں ٹھہر سا جاتا ہے' اس کے دل میں بھی عروسہ ٹھہر گئی تھی۔



"تم اس کے بارے میں کیا جانتے ہو نہال؟" نصرت جہاں کا ردعمل غیر متوقع تھا، نہال چونکا۔

"یہی کہ وہ عالیہ آنٹی کی اکلوتی صاحب زادی ہے اور شاید کافی سگھڑ اور سلیقہ مند بھی ہے اسی لیے آپ کے کچن میں اکثر وبیشتر پائی جاتی ہے ورنہ آپ کے معیار پر پورا اترنا ہر ایک کے بس کی بات کہاں۔" وہ شرارت سے بول رہا تھا' نگاہیں ہنوز سامنے دیوار پر لگی ایل ای ڈی پر مرکوز تھیں۔ جہاں نیوز چل رہی تھیں۔ نصرت جہاں سنجیدگی سے اسے تک رہی تھیں۔ آج اتوار کا دن تھا اور نہال فارغ بیٹھا خبریں سن رہا تھا تب ہی نصرت جہاں نے اس کی شادی کا ذکر چھیڑا اور خلاف توقع نہال نے عروسہ کا نام لے کر نصرت جہاں کو حیران کردیا تھا۔

"کیا ہوا امی؟ آپ تو ایسے چونک گئیں جیسے میں نے کچھ غلط کہہ دیا ہو۔" وہ مصنوعی حیرت سے بولا۔

"ہاں...... کیونکہ تم یہ نہیں جانتے کہ اس کی شادی ہوچکی ہے......" اب کے چونکنے کی باری نہال کی تھی۔

"مطلب......؟" وہ پوری طرح ان کی طرف متوجہ ہوا۔ دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہوئیں۔

"پانچ سال پہلے اس کی شادی ہوئی تھی لیکن شادی کے چار ماہ بعد ہی وہ لوٹ آئی اور چھ ماہ بعد اسے طلاق نامہ موصول ہوگیا تھا۔" نصرت جہاں بہت سے راز عیاں کررہی تھیں۔ نہال کچھ بولنے کے قابل نہ رہا تھا۔

"عالیہ تو چاہتی ہے کہ اس کی زندگی نئے سرے سے شروع ہوجائے لیکن عروسہ کی کیفیت تو تم خود دیکھ چکے ہو۔" نصرت جہاں ایک بار پھر دکھ سے گویا ہوئیں۔ "مجھے خود بھی وہ بچی پسند ہے' سلیقہ شعار اور سعادت مند لیکن......"

"لیکن کیا امی؟" نہال نے انہیں درمیان میں ہی ٹوک دیا۔

"ٹھیک ہے کچھ وجوہات رہی ہوں گی جو اس کی شادی چار ماہ ہی چل سکی لیکن کیا وہ ان چار ماہ کی سزا پوری زندگی کاٹے گی' ساری زندگی اپنے ماضی میں جیتی رہے گی؟ وہ سلسلہ اب ختم ہوگیا تو کیا اب اسے نئی زندگی شروع کرنے کا کوئی حق نہیں؟" وہ طبعیتاً کافی ٹھنڈے مزاج کا مالک تھا' ہر بات سوچ سمجھ کر کرنے والا لیکن نہ جانے کیوں اپنا ضبط کھو بیٹھا' شاید محبت انسان کو ایسے ہی بے اختیار کردیتی ہے۔

"میں اسے نئی زندگی دینا چاہتا ہوں امی۔" بالآخر وہ فیصلہ کن انداز میں بولا۔

"نہال جذباتی مت بنو' یہ زندگی بھر کا فیصلہ ہے۔" نصرت جہاں کے چہرے پر سوچ کے رنگ نمایاں ہوئے۔ وہ ایک شفیق اور سمجھدار ماں تھیں' نہال کی آنکھوں میں عروسہ کے لیے پسندیدگی بہت پہلے محسوس کرگئی تھیں۔ ان کے لیے بیٹے کی خوشی سے بڑھ کر اور کچھ نہیں تھا اور عروسہ انہیں بھی پسند تھی لیکن بیٹے کو آنے والے وقت سے آگاہ کرنا بھی ان کی ذمہ داری تھی' جذبات میں کیے گئے فیصلے پر کل پچھتاوا نہ ہو وہ اس ڈر سے بیٹے کو سمجھا رہی تھیں۔

"امی آپ کو اپنے بیٹے پر بھروسہ نہیں ہے کیا؟" وہ نرمی سے گویا ہوا "یہ کوئی جذباتی فیصلہ نہیں' آپ کی اور ابو کی تربیت ہے۔ اس کا کل کیا تھا مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا' اس کا آج ہمارے سامنے ہے اور کل ہمارے ساتھ ہوگا۔ آج کا یہ فیصلہ میں زندگی بھر نبھاؤں گا۔ اپنے بیٹے پر اتنا بھروسہ تو آپ کو کرنا ہی ہوگا امی۔" وہ ماں کا ہاتھ تھامے بہت آس سے اپنی چاہت مانگ رہا تھا اور وہ ایک ماں ہوکر کیسے اسے بے مراد کرسکتی تھیں۔ ان کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو اور چہرے پر مسکراہٹ آگئی تھی' وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتی اٹھ گئیں' اب انہیں عالیہ سے بات کرنا تھی...... نہال طمانیت سے گہری سانس لے کر مسکرا دیا تھا۔



ہر طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ اتنا گھپ اندھیرا کہ کچھ سجھائی نہ دیتا تھا' وہ رو رہی تھی' بہت شدت سے چیخنا چاہتی تھی لیکن آواز ساتھ نہیں دے رہی تھی' آنکھیں پھاڑے اور ہاتھ پھیلائے وہ دیکھنے اور اندھیرے میں ٹٹولنے کی کوشش کررہی تھی اردگرد بے شمار لوگوں کی آہٹیں محسوس ہورہی تھیں' پر اسے پوچھنے والا کوئی نہ تھا' وہ ہاتھ پھیلائے بڑھتی جارہی تھی' شاید کسی سہارے کی امید پر ہاتھ پھیلے ہوئے تھے' اونچے نیچے راستے پر وہ سنبھل کے چل رہی تھی' روتی جارہی تھی' منظر تھوڑا صاف ہوا کچھ دکھائی دینے لگا تھا' بے شمار لوگ ہنستے مسکراتے چہرے جیسے سب اس پر ہنس رہے ہوں۔

اب وہ دوڑنے لگی تھی' ہر اجنبی چہرے کو دیکھ کر ڈرتی' رک جاتی' پھر دوڑنے لگتی پھر شاید اس کا پیر کسی پتھر سے ٹکرایا تھا' ٹھوکر لگنے سے وہ بہت زور سے گری تھی۔

"امی......" ایک زوردار چیخ کے ساتھ وہ اٹھ بیٹھی' وہ اپنے کمرے میں تھی' کمرے میں اندھیرا تھا' وہ پسینہ میں شرابور بری طرح کانپ رہی تھی' روزانہ کی طرح آج بھی اس خوف ناک خواب نے آدھی رات کو اسے جگادیا تھا اب باقی رات ایسے ہی اندھیرے کو گھورتے گزر جانا تھی۔ یہ اس کی ہر رات کی کہانی تھی۔



"میں جانتی ہوں عروسہ تم نے بہت تکلیف سہی ہے' تم نے ہمیشہ بڑوں کا مان رکھا' ہمارے ایک غلط فیصلے نے تمہاری زندگی کی سب خوشیاں ختم کردیں' میں یہ بھی جانتی ہوں کہ تکلیف کے جس دور سے تم گزری ہو اس کے بعد لوگ اندر سے مرجاتے ہیں' دل مر جاتا ہے لیکن میرے بچے ایک بار کوشش تو کرو گزری باتیں بھلانے کی۔ ایک بار دل کا دروازہ کھولو تاکہ خوشیوں کی تازہ ہوا اندر جاسکے اور تمہیں اس گھٹن زدہ ماحول سے نکال سکے۔" عالیہ سراج عروسہ کے سامنے بیٹھی خود بھی رو رہی تھیں اور عروسہ بھی بغیر آواز کے سسک رہی تھی۔

کل ہی نصرت بیگم نے انہیں زندگی کی نوید دی اور نہال کی خواہش بتائی تھی اور وہ جو اپنی بیٹی کی زندگی کی طرف سے مایوس ہونے لگی تھیں ایک بار پھر ان کی آنکھوں میں امید کے دیئے جگمگانے لگے تھے۔ وہ نصرت جہاں کے ہاتھ تھام کر رو دیں' خوشی اتنی بڑی تھی کہ سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔ نہال جیسا داماد پانا یقیناً ان کے لیے باعث مسرت تھا۔ خوبرو' اسمارٹ' سمجھدار اور ذمہ دار سا نہال انہیں اور سراج احمد کو دل سے عزیز ہوگیا تھا اور کل جب نصرت جہاں نے بیٹے کی خواہش بیان کی تو جیسے ان کو دو جہاں کی خوشی مل گئی تھی۔

ماں باپ کے لیے تو اولاد کی خوشی دو جہاں کی نعمتوں سے بھی زیادہ پیاری ہوتی ہے۔ نصرت جہاں کو جواب دینے سے پہلے وہ ایک بار عروسہ سے بات کرنا چاہتی تھیں اور اسی سوچ کے ساتھ وہ اس وقت عروسہ کے سامنے بیٹھی اسے سمجھا رہی تھیں۔

"ایک بار ہم بوڑھے ماں باپ کو یہ سکون دے دو کہ ہماری اکلوتی اولاد خوش ہے۔" عروسہ کی سسکیاں بلند ہوئیں۔

"ایسا مت بولیں امی' مجھے پتا ہے آپ دونوں میرے لیے پریشان ہیں' آپ میرے بڑے ہیں' میرے لیے جو بھی فیصلہ کریں گے وہ یقیناً ٹھیک ہوگا لیکن...... امی مجھے اپنی بدقسمتی سے ڈر لگتا ہے' میں جب بھی مسکرانا چاہتی ہوں' میری آنکھیں آنسوؤں سے بھر جاتی ہیں...... آپ اور بابا کی خوشی کے خاطر مجھے آپ کا ہر فیصلہ منظور ہے۔" سسکیوں کے ساتھ دھیمی آواز میں عروسہ نے اپنی بات ختم کی تو عالیہ نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگالیا۔

"میری بیٹی بہت سمجھدار' فرماں بردار ہے اور اتنی فرماں بردار اولاد کو اللہ کبھی خوشیوں سے محروم نہیں رکھ سکتا' مجھے ایک روشن صبح نظر آرہی ہے عروسہ' تمہاری خوشیوں اور زندگی کی' نہال بہت سمجھدار لڑکا ہے اس نے اپنی خواہش سے تمہارا ساتھ مانگا ہے اور نصرت بہن بھی بہت شفیق اور محبت کرنے والی ہیں۔ مجھے یقین ہے اس گھر میں تمہارے لیے خوشیوں کی ایک نئی زندگی منتظر ہوگی...... بس زندگی کو ایک موقع دو۔" عالیہ سراج محبت سے سمجھاتے ہوئے ایک آس سے بولیں۔ عروسہ نے ان کے گھٹنوں پر سر رکھ دیا...... آنسو اب بھی اس کی آنکھوں سے رواں تھے۔

"نہ میری بچی...... اب رونا نہیں...... اب بس مسکرانا ہے خوش رہنا ہے۔" عالیہ بیگم اس کے آنسو پونچھتی خوشی سے مسکرا رہی تھیں۔



کبھی کبھی آرزوئیں یوں بھی پوری ہوجاتی ہیں' دعائیں ایسے بھی قبول ہوجاتی ہیں' دل کی خواہش زبان پر آنے سے پہلے ہی قبولیت کی سند پالیتی ہے' چپکے سے دل میں بسنے والے زندگی میں شامل ہوجاتے ہیں کہ قسمت پر یقین نہیں آتا۔

دو ماؤں نے یہ فیصلہ اپنی اپنی اولاد پہ چھوڑا' دونوں ہی ماں باپ کے لاڈلے اور فرماں بردار' ایک نے دل کی خوشی سے زندگی کو اپنانے کا فیصلہ کیا تو دوسری نے والدین کی خوشی کے لیے اپنی زندگی کو دوسرا موقع دیا...... یہ سب تو دنیاوی باتیں ہیں حقیقتاً تو یہ رشتہ اور یہ جوڑ اللہ تعالیٰ نے بہت پہلے ہی لوح محفوظ پہ لکھ دیا تھا بس انہیں ملنا اس طرح تھا...... ایک کی زندگی کی سب سے بڑی خوشی اور دل کی خواہش اور دوسرے کی زندگی کا سمجھوتہ لیکن نہال کو خود پہ اور اپنے پیار پہ پورا بھروسہ تھا...... شادی طے ہوتے ہی عالیہ سراج نے بہت مان سے اس کے دونوں ہاتھ تھام کے التجا کی تھی۔

"میری عروسہ بہت حساس ہے' بچپن سے لے کر آج تک وہ اپنے دل کی بات کبھی زبان پہ نہ لاسکی۔ ہم اس کی آنکھوں کی چمک سے اس کی خوشی اور پسند کا اندازہ لگالیا کرتے تھے۔ زندگی میں آئے طوفان نے اسے بکھیر دیا ہے' کم عمری میں ہی اتنا بڑا دکھ اسے اپنی ذات میں قید کرگیا ہے' تم اسے سمیٹ لینا' نادانی میں کوئی کمی ہوجائے تو معاف کردینا' اسے تھوڑا وقت دینا کہ وہ تمہیں اور اس نئے رشتے کو اپنا سکے۔" وہ روتے ہوئے اپنی اولاد کی خوشیاں مانگ رہی تھیں اور نہال نے اسی دن فیصلہ کرلیا تھا کہ ماضی میں عروسہ کی زندگی میں جو کچھ بھی ہوا وہ ان سب کا ازالہ کردے گا' وہ اسے اتنی خوشیاں دے گا کہ زندگی خوشیوں سے بھر جائے گی۔

وہ کبھی کسی کو بتا نہ سکا تھا کہ عروسہ ہی وہ لڑکی ہے جو پچھلے دو سال سے اس کے دل کی مکین بنی ہوئی ہے' اسے دیکھنے کے بعد دل نے کتنی ہی بار اس کے ساتھ کی تمنا کی تھی' یہ شاید قدرت کی طرف سے ایک کشش تھی جو اسے عروسہ کی جانب کھینچتی تھی کہ اسے اس کا مسیحا بنا

تھا۔ شادی کی پہلی رات ہی اس نے اپنے دل کی پوری سچائی عروسہ کے سامنے رکھ دی تھی..... سرخ اور سفید رنگ کے خوب صورت امتزاج کے اسٹائلش سے لہنگے میں سر جھکائے عروسہ اس کے دل میں اتر رہی تھی۔ اس کے مہندی لگے ہاتھوں کو تھام کر بہت محبت سے نہال نے زندگی کا پہلا تحفہ اس کی انگلی میں پہنایا..... زندگی کی نئی شروعات ہوگئی تھیں۔



زندگی اپنی مخصوص رفتار سے گزرنے لگی' عروسہ ایک اچھی بیوی کی طرح نہال کا خیال رکھتی اور اچھی بہو کی طرح نصرت جہاں کا احترام کرتی' جلد ہی اس نے گھر کے کاموں میں نصرت جہاں کا ہاتھ بٹانا شروع کردیا تھا..... وہ بولتی کم لیکن نہال کو سنتی بہت انہماک سے تھی' وہ آفس میں ہوتا تو بلامقصد اسے کال کرتی اور پورا وقت اسے سنتی رہتی' نہال مصروفیت کی وجہ سے کبھی میسج کردیتا تو وہ جھٹ کال کرلیتی..... گھر میں اکثر بیٹھے بیٹھے نہال اچانک اسے دیکھتا تو وہ اسی کو دیکھتی پائی جاتی اور اس کے دیکھنے پر ادھر ادھر ایسے دیکھنے لگتی جیسے چوری پکڑی گئی ہو..... وہ گھر میں ہوتا تو کوشش کرتی اس کے آس پاس رہے۔

اپنے میکے بھی نہال کے ساتھ ہی جاتی اور اس کے ساتھ ہی واپس آجاتی' رات کو نہال آفس کا کام کرتا تو وہ بغیر آواز ٹی وی آن کرکے اس کے پاس بیٹھ جاتی' نظریں نہال کا طواف کرتیں۔ نصرت جہاں نے عروسہ کی اس بے چین کیفیت کو محسوس کرلیا تھا اور ایک دن موقع دیکھ کر انہوں نے نہال سے اس بارے میں بات کی۔

''مجھے عروسہ کی یہ کیفیت پریشان کررہی ہے بیٹا..... تمہارے جانے کے بعد وہ سارا دن بولائی بولائی پھرتی ہے' بہانے بہانے سے تمہیں کال کرتی ہے' سارا دن نظریں دروازے پہ جمی رہتی ہیں۔ کل سراج بھائی صاحب کی طبیعت اتنی خراب تھی' عالیہ کی کال آئی تو اس نے یہ کہہ کر انکار کردیا کہ نہال کے آنے کا وقت ہورہا ہے' ان کے ساتھ ہی جاؤں گی۔'' نصرت جہاں فکرمندی سے بولیں۔

''بالکل ساتھ ہی تو گھر ہے میں نے کہا بھی کہ تم چلی جاؤ' میں نہال کو بھیج دوں گی لیکن وہ راضی نہیں ہوئی۔'' نہال پُرسوچ نظروں سے ماں کا چہرہ دیکھتا رہا..... محسوس تو وہ بھی بہت کچھ کررہا تھا لیکن سنجیدگی سے نہیں لیا تھا۔ پر آج امی کی باتوں سے وہ سچ میں پریشان ہوگیا اور اس کی دماغی کیفیت کی ابتری کی تصدیق دو دن بعد ہی ہوگئی تھی۔

آفس میں اس کی ایک اہم میٹنگ تھی' جس میں ہیڈ آفس سے ایگزیکٹو کی آمد متوقع تھی اور یقیناً اس میں دیر ہوسکتی تھی اسی بات کے پیش نظر اس نے عروسہ کو میسج کردیا کہ وہ آج دیر سے گھر آئے گا' اس کے بعد وہ میٹنگ میں چلا گیا' موبائل فون اپنی میز پہ ہی چھوڑ دیا تھا' میٹنگ سے فارغ ہوتے ہوتے ساڑھے نو بج گئے' اس نے اپنے کیبن میں آکر سیل فون چیک کیا تو پندرہ میسڈ کال آئی ہوئی تھیں' وہ عروسہ کی بے چینی پر مسکرا کر رہ گیا۔ رات کے دس بجے جب وہ گھر پہنچا تو عروسہ لاؤنج سے باہر سیڑھیوں پر بیٹھی روتی نظر آئی۔ اسے آتا دیکھا تو دوڑتی ہوئی آئی اور اس سے لپٹ گئی۔ عروسہ کے اس طرح رونے پر وہ پریشان ہوگیا۔

''شکر ہے آپ آگئے۔'' وہ اسے سختی سے بھینچے ہوئے روتے ہوئے بولی۔ نہال اسے ساتھ لیے اندر آگیا۔ اسے پانی پلایا اور جب وہ تھوڑا نارمل ہوئی تو رونے کی وجہ پوچھی۔

''مجھے لگا آپ مجھے چھوڑ کر چلے گئے' آپ نے میری کال بھی ریسیو نہیں کی' میں نے کتنی بار کال کی آپ کو۔'' بولتے ہوئے اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ اسے پندرہ مسڈ کال کا مطلب اب سمجھ آیا تھا۔

''اتنی پیاری اور خوب صورت بیوی کو چھوڑ کر کوئی جاتا ہے کیا؟'' اس نے اسے مطمئن کرنے کے لیے پیار سے کہا۔ اس رات وہ اس کا بازو پکڑے پکڑے سوئی جبکہ نہال پُرسوچ نظروں سے اس کا چہرہ دیکھتا رہا تھا۔



''وہ اپنی زندگی کے اس خوشگوار دور پہ بے یقینی کی کیفیت میں مبتلا ہے' وہ اپنے ماضی سے خوف زدہ ہے' اسے لگتا ہے کہ تم اسے چھوڑ جاؤ گے جیسے محسن نے.....'' عالیہ سراج سر جھکائے نم آنکھوں کے ساتھ کہہ رہی تھیں۔ آج وہ آفس جانے سے پہلے ان کے پاس آیا تھا' کل رات عروسہ کا طرزِ عمل اسے سچ میں پریشان کرگیا تھا۔ وہ اس کو ایسے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ عالیہ سراج محبت سے نہال کو دیکھ رہی تھیں جس نے کبھی عروسہ کا ماضی جاننے کی کوشش نہیں کی تھی لیکن اب ضروری تھا کہ وہ عروسہ کی اس دماغی کیفیت کی وجہ جان لے۔ وہ غیر مرئی نقطے کو دیکھتیں کہنے لگیں۔

عروسہ ان کی اکلوتی اولاد تھی' کم گو اور خاموش طبیعت کی مالک' اس کی اسکولنگ سے لے کر یونیورسٹی تک کے تمام فیصلے عالیہ سراج نے خود کیے اور اس نے بخوشی قبول بھی کیے..... عالیہ سراج پرانے خیالات کی خاتون تھیں' گریجویشن کے بعد ہی عالیہ بیگم کو اس کی شادی کی فکر ستانے لگی تو جب ان کی ایک رشتے کی بہن جو حیدرآباد میں مقیم تھیں' انہوں نے اپنے ہونہار سپوت کے لیے عروسہ کا ہاتھ مانگا تو وہ انکار نہ کرسکیں' سنجیدہ طبیعت کا سوبر سا محسن انہیں پہلی نظر

میں ہی پسند آ گیا تھا' دونوں گھروں کی باہم رضامندی سے وہ محسن کے ساتھ منسوب کروی گئی تھی۔ محسن سعید اس کی زندگی میں آنے والا پہلا مرد تھا۔ پورے ایک سال وہ اس کے ساتھ منسوب رہی' دونوں میں بھی کوئی جذباتی مکالمے' کوئی وعدے' قسمیں نہیں کھائے تھے لیکن وہ کومل احساسات کی لڑکی اکیلے میں اس کے نام سے مسکرانے لگی تھی' ایک سال بعد نکاح کے دو بول اس کی دلی کیفیت بدلنے لگے تھے۔ اس کے کورے دل وذہن پر محسن سعید کا نام نقش ہو چکا تھا اور ٹھیک بھی تو تھا' وہ اس کا شوہر تھا' اس کا شرعی ساتھی اللہ کی طرف سے بنایا ہوا جوڑ۔۔۔۔ اس کے نازک سے دل پہ پہلی چوٹ شادی کی پہلی رات لگی جب محسن نے کمرے میں آ کر اسے مخاطب کیا۔

"آپ تھک گئی ہوں گی' چینج کر کے آرام کریں۔" وہ حیران سی محسن کو سامنے صوفے پر لیٹتا دیکھتی رہی۔ خاموشی سے اٹھ کے اس نے چینج کیا اور لیٹ گئی۔ محسن کا رویہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا پھر تو جیسے روز کا معمول بن گیا تھا۔ وہ ضرورت کے تحت اس سے بات کرتا' دیر سے کمرے میں آتا اور صوفے پر سو جاتا' اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کیا کرے' امی بابا ولیمے کے بعد واپس چلے گئے تھے' اسے یہیں رہنا تھا لیکن اس گھٹن زدہ ماحول میں وہ تازہ ہوا کے ایک جھونکے کے لیے ترس گئی تھی' جس کے نام سے منسوب ہو کر یہاں آئی تھی وہ اس سے ایسے لاتعلق تھا جیسے جانتا نہ ہو۔۔۔۔ وہ جو پہلے ہی دنیا سے الگ رہتی تھی' محسن کے اس رویے سے اپنی ذات میں قید ہو گئی تھی۔ اس نے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا تھا۔ زندگی ست روی سے گزرنے لگی تھی۔

شادی کے چار ماہ بعد ثمینہ (محسن کی والدہ) کو شاید ان کی لگی بندھی زندگی کا احساس ہو گیا تھا سو بصد اصرار دونوں کو ڈنر پر بھیجا' وہاں کے خوب صورت ماحول میں بھی دونوں کے بیچ تناؤ کی کیفیت برقرار رہی تھی۔

"عروسہ مجھے آپ سے کچھ باتیں کلیئر کرنی ہیں۔" وہ چونکی' کھانا کھاتے اچانک محسن کا اس سے یوں مخاطب ہونا۔

"میری کسی بات سے آپ یہ مت سمجھیے گا کہ آپ کی ذات میں کوئی کمی ہے۔۔۔۔ کمی تو میری اپنی ذات میں ہے۔۔۔۔ میں جانتا ہوں آپ ایک بہت اچھی لڑکی ہو' ایک بے ضرر انسان لیکن۔۔۔۔ دل کے رشتے ان سب باتوں سے نہیں بنتے' وہ تو دل سے بنتے ہیں۔" وہ سانس روکے اسے سن رہی تھی' پہلی بار وہ جیسے کوئی اعتراف کرنے جا رہا تھا۔

"میں نے بچپن سے لے کر آج تک اپنی مرضی کی زندگی نہیں گزاری' گھر کا اکلوتا بیٹا تھا' بہنوں سے چھوٹا تو پیار بہت ملا لیکن میری اپنی ذات کہیں دب گئی۔۔۔۔ خصوصی توجہ اور بے انتہا پیار سے میرے اندر کا اعتماد ختم ہو گیا' اتنا پڑھ لکھ جانے کے باوجود میں کوئی بھی فیصلہ کرنے کا اہل نہ رہا تھا۔ ڈیڑھ سال پہلے امی نے میرے لیے آپ کو پسند کیا تو ہمیشہ کی طرح مجھے کوئی اعتراض نہ ہوا تھا۔" وہ بہت دھیمے لہجے میں بول رہا تھا۔

"سب کچھ ٹھیک تھا اور ویسا ہی رہتا اگر میری لائف میں انعم نہ آتی۔۔۔۔ وہ میری کولیگ تھی' زندگی سے بھرپور ایک پُراعتماد لڑکی۔۔۔۔ چٹکیوں میں بڑے بڑے فیصلے کرنے والی سمجھدار لڑکی۔۔۔۔ زندہ دل سی انعم جب مکمل اعتماد سے بولتی تو مجھے اس کی بات حرف آخر لگتی۔ اس کے ساتھ میں نے اپنی ذات میں موجودگی کو شدت سے محسوس کیا۔۔۔۔ بہت جلد ہی ہم دونوں کلوز ہو گئے۔" وہ سانس لینے کو رکے تو عروسہ کی سانسیں رکنے لگی تھیں۔

"اس نے ہی مجھے میری ذات میں موجودگی کا احساس دلایا پھر آہستہ آہستہ اس کی سنگت میں' میں بدلنے لگا' آپ کہیں بہت دور چلی گئیں بلکہ سچ کہوں تو میں آپ کو بھول ہی گیا تھا۔ وہ ایک سال جو میں نے انعم کے ساتھ گزارا وہ میری زندگی کا حاصل ٹھہرا۔۔۔۔ وہ میری بہترین دوست بن کے آئی تھی لیکن میرے دل میں دوست سے کہیں زیادہ مقام بنا گئی۔ مجھے محسوس ہونے لگا کہ زندگی بھر کے لیے انعم کا ساتھ بہت ضروری ہے اور پھر ایک دن میں نے اسے پرپوز کر دیا اور وہ بہت حیران ہوئی تھی۔"

"محسن ہم اچھے دوست ہیں اور ہمیشہ رہیں گے' شاید میں نے تمہیں بتایا نہیں کہ میں انگیجڈ ہوں' اگلے سال کے شروع میں میری شادی ہے۔" اس نے مسکراتے چہرے کے ساتھ دھماکا کیا تھا۔

"لیکن انعم میں تمہارے ساتھ کے بنا ادھورا ہوں۔۔۔۔" میں نے منت بھرے انداز میں کہا تو وہ تاسف سے سر ہلا کر رہ گئی۔

"محسن پہلے تم اپنے گھر والوں کے سہارے کے محتاج تھے اب جب کہ تمہارا اعتماد بحال ہو رہا ہے تو تم نے مجھے سہارا بنا لیا۔۔۔۔ زندگی سہاروں کے ساتھ نہیں گزرتی محسن۔۔۔۔ اپنا وجود انسان کو خود اٹھانا پڑتا ہے' راستے کے پتھر خود چننے پڑتے ہیں' سہارے تو ڈھ دیتے ہیں' ہماری ذات کا اعتماد ختم کر دیتے ہیں' کل تمہارے گھر والے تھے آج میں' کل کوئی اور۔۔۔۔ تمہاری اپنی ذات کہاں ہے محسن؟ خود پہ انحصار کرنا سیکھو۔ اپنی زندگی میں اپنی ذات کو سہارا بناؤ' اپنے لیے جتنا بہتر تم خود سوچ سکتے ہو میں یا کوئی دوسرا نہیں سوچ سکتا۔۔۔۔ بہت

مشکل سے تمہارا اعتماد لوٹا ہے محسن اسے ایسے مت گنواؤ۔" وہ دکھ سے بول رہی تھی اور میں بے بسی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ میں کسی قیمت پر بھی اسے کھونا نہیں چاہتا تھا۔

"نور رہی میری بات..... میں تمہاری اچھی دوست ہوں اور ہمیشہ رہوں گی‘ تمہیں جب میری ضرورت ہو ایک آواز دینا مجھے اپنے ساتھ پاؤ گے.....۔"

"وہ اس کے آخری الفاظ تھے..... پھر وہ چلی گئی اور میں جیسے ٹوٹ گیا..... میرا اعتماد ایک بار پھر ڈوبنے لگا چھ ماہ پہلے مجھے خبر ملی کہ اس کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے‘ میں اس سے ملنے گیا‘ وہ اپنی دونوں ٹانگیں گنوا چکی تھی‘ مجھے دیکھ کر مسکرائی ضرور لیکن اس کی مسکراہٹ میں زندگی کی چمک نہ تھی‘ میرے اظہار افسوس پہ پہلی بار وہ ٹوٹ کر بلک کر روئی..... اس کی منگنی ٹوٹ گئی تھی‘ وہ جو دوسروں کو سہارا دیا کرتی تھی‘ بے سہارا پڑی تھی‘ وہیں میں نے اس کا سہارا بننے کا فیصلہ کیا..... میں امی سے بات کرنے والا تھا کہ ہماری شادی طے کردی گئی‘ انہی دنوں انجم کے دو بڑے آپریشن ہوئے تھے میں اس کے ساتھ مصروف رہا امی سے بات نہ کرسکا اور وقت گزر گیا.....“ محسن جیسے تھک کر رکا۔

"ہاں میں مانتا ہوں‘ میری بزدلی‘ کم ہمتی کی وجہ سے آپ کی زندگی خراب ہوئی لیکن آپ کے ساتھ مزید کوئی تعلق بنا کر میں آپ کے ساتھ یہ ناانصافی نہیں کرسکتا کیونکہ میرے دل میں انجم کے سوا اور کوئی نہیں‘ میں اسے اکیلا نہیں چھوڑ سکتا آپ کے پاس زندگی ہے‘ آپ دوبارہ شروع کرسکتی ہیں‘ وہ اپنی زندگی ہار رہی ہے‘ اس کے پاس میرے علاوہ کوئی نہیں۔" عروسہ سانس روکے سن رہی تھی۔

"یہ فیصلہ مجھے آپ سے شادی سے پہلے کرنا چاہیے تھا لیکن حالات میرے حق میں نہ تھے۔" ایک پل کے لیے اس نے نظر اٹھا کر عروسہ کو دیکھا..... دونوں کی آنکھیں نم تھیں۔

"میرے اس فیصلے پر شاید میرے اپنے گھر والے بھی مجھے معاف نہ کریں لیکن میں مجبور ہوں..... میرے دل میں انجم ہے اگر میں آپ کو خود سے باندھ کر رکھوں گا تو یہ آپ کے ساتھ زیادتی ہوگی..... میری طرف سے آپ آزاد ہیں‘ زندگی آپ کے سامنے ہے آپ آگے بڑھ سکتی ہیں‘ ہوسکے تو مجھے معاف کردیجیے گا۔" بات ختم ہوچکی تھی۔ سب کچھ ختم ہوگیا تھا۔ واپسی کا سفر بہت خاموشی سے طے ہوا تھا۔ اسے گھر پہ اتار کر محسن گاڑی زن سے آگے بڑھا لے گیا۔ چند ساعت وہ دور جاتی گاڑی کو دیکھتی رہی اُسے لگا اس کی زندگی دور جارہی ہے‘ من بھر کے قدم اٹھاتی وہ گھر آگئی..... کچھ فیصلے وقت پہ ہوجائیں تو ہی بہتر ہوتا ہے۔ محسن اپنا راستہ منتخب کرچکا تھا‘ جس میں عروسہ کہیں نہیں تھی تو اب مزید صبر کی گنجائش کہاں تھی..... صبر اور برداشت تو وہاں کیا جاتا ہے جہاں کسی بھٹکے ہوئے کے لوٹ آنے کی امید ہو‘ یہاں تو محسن اپنی منزل کا تعین کر بیٹھا تھا‘ بہت ضبط سے اس نے ثمینہ آنٹی کو تمام حالات بتائے‘ وہ یقین کرنے کے لیے تیار نہیں تھیں۔ محسن ان کا فرماں بردار بیٹا تھا۔

محسن کا کہیں کوئی پتا نہیں چل سکا‘ دوسری طرف عروسہ کی طبیعت کافی خراب ہوگئی اس پر بے ہوشی کے دورے پڑ رہے تھے مجبوراً کراچی کال کرکے سراج احمد اور عالیہ کو بلایا..... عالیہ بہن سے بدگمان اور نالاں تھیں تو دوسری طرف ثمینہ اور سعید بیٹے کی اس حرکت پر سخت شرمندہ تھے۔ سب کے الگ جواز‘ صفائیاں‘ معافیاں‘ شکوے گلے اور بستر پر پڑی عروسہ سپاٹ چہرے اور بند آنکھوں کے ساتھ اپنی زندگی کے اس دور کی وجہ تلاش کررہی تھی۔ ایک ہفتے بعد ایک اداس سی شام عروسہ اپنی امی بابا کے ساتھ واپس کراچی لوٹ آئی اور چار ماہ کی یہ شادی اپنے انجام کو پہنچ گئی تھی۔

تقریباً چھ ماہ بعد محسن کی طرف سے طلاق نامہ موصول ہوگیا..... زندگی جیسے ختم ہوگئی تھی..... عروسہ ایک زندہ لاش بن کر رہ گئی تھی..... اس پہ ڈپریشن کے دورے پڑنے لگے وہ راتوں کو خواب میں ڈر کر اٹھ جاتی پھر پوری رات اندھیرے کو گھورتے گزرتی‘ کم عمری میں دیکھے گئے خواب کا ٹوٹنا اسے توڑ گیا تھا اور اب پانچ سال بعد جب زندگی اس کے لیے خوشیاں لارہی تھی وہ ایک بار پھر بے یقینی کی کیفیت سے دوچار ہوگئی تھی۔



"امی آپ ذرا اسے سنبھالیں میں کچن دیکھ لوں۔" نوراہ نے عارش کو نصرت بیگم کو پکڑاتے وہ مسکرا رہی تھی۔ اس کے لبوں نے مسکرانا سیکھ لیا تھا۔

"بیٹا ذرا نہال کو کال کرکے اسے میری دوائی یاد دلا دو۔" کچن کی طرف جاتی نصرت جہاں کی آواز پر وہ پلٹی‘ دن میں دسیوں بار اس کی آواز سننے کے بعد بھی اسے چین نہ آتا تھا۔

"السلام علیکم! وہ امی پوچھ رہی ہیں کب تک آرہے ہیں آپ؟" کال ریسیو ہوتے ہی جھٹ سے بولی۔

"امی پوچھ رہی ہیں..... اور آپ نہیں پوچھیں گی؟" نہال اس کی عادت جان گیا تھا۔ وہ اس سے بات کیے بنا رہ نہیں پاتی تھی لیکن ہر بات میں امی کا نام ضرور لگاتی تھی۔ وہ مسکرا کے بولا۔

"نہیں وہ امی کی دوائی لانی تھی ناں اس لیے پوچھ رہی تھی۔" وہ

اس کا سوال نظر انداز کرگئی۔ نہال کا قہقہہ بلند ہوا۔

"لے لی میں نے دوائیاں جناب۔"

"تو کب تک آرہے ہیں آپ؟" سوال اب بھی وہی تھا اس کا بس چلتا تو نہال کو کہیں جانے نہ دیتی۔

"تم بتاؤ...... کب آؤں؟" وہ شرارت کے موڈ میں آیا۔

"بس آجائیں فوراً" کہہ کر اس نے لب بھینچ لیے۔ نہال کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔

"تو آجاؤ استقبال کے لیے۔ ہم آگئے ہیں۔" نہال کی آواز کے ساتھ گاڑی کے ہارن کی آواز سنائی دی...... وہ کھل کے مسکراتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھ گئی تہال کو دیکھنے کی جلدی تھی۔



عالیہ سراج کی زبانی اس کے ماضی کے تلخ دنوں کے بارے میں سب جاننے کے بعد نہال کے لیے عروسہ کو سنبھالنا آسان ہوگیا تھا' شہر کے ایک مشہور سائیکاٹرسٹ سے اس کا علاج بھی شروع کروالیا دیا اور علاج شروع ہونے کے پندرہ دن بعد کی بات ہے وہ دنوں شاپنگ کے لیے مال آئے تھے' عروسہ بہت خوش تھی' اس کی طبیعت بھی کافی بہتر تھی' وہ دونوں فوڈ کورٹ میں بیٹھے آئس کریم سے لطف اندوز ہورہے تھے تب ہی اچانک عروسہ کی نظریں دروازے پہ جم سی گئیں...... نہال نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا' ایک درمیانی عمر کا اسمارٹ سا مرد وہیل چیئر دھکیلتا اندر آرہا تھا۔ وہیل چیئر پر ایک خوب صورت سی لڑکی بیٹھی خوشی سے کچھ کہہ رہی تھی' تب ہی اس مرد کی نگاہ عروسہ سے ٹکرائی' اس کی مسکراہٹ پل بھر میں غائب ہوئی۔ چند لمحے جیسے وہ کوئی فیصلہ کررہا تھا پھر وہیل چیئر دھکیلتا ان کی جانب آگیا...... عروسہ کی نظریں ابھی بھی جامد تھیں۔

"السلام علیکم! میں محسن سعید' عروسہ کا کزن اور یہ میری وائف انعم محسن۔" اس نے گرم جوشی سے نہال سے ہاتھ ملاتے ہوئے اپنا تعارف کروایا تو نہال کو سیکنڈ لگا سب سمجھنے میں۔

"وعلیکم السلام' میں نہال ولی' عروسہ کا ہزبینڈ...... بہت اچھا لگا آپ سے مل کے۔" انعم نے بھی بہت خوشی سے عروسہ سے ہاتھ ملایا' شاید وہ آج بھی ان دونوں کے رشتے سے انجان تھی۔ عروسہ کے چہرے پر پھیکی سی مسکان تھی۔ نہال نے بات سنبھالی۔

"مجھے پتا چلا تھا آپ کی شادی کا لیکن اس وقت انعم کے کچھ سیریس آپریشن رہتے تھے تو ہم چاہ کر بھی نہ آسکے۔ عروسہ نئی زندگی بہت مبارک ہو...... میری ہمیشہ سے خواہش تھی کہ آپ بہت ساری خوشیاں پائیں...... نہال آپ سے مل کر بھی بہت خوشی ہوئی۔" محسن کے لہجے سے سچائی ظاہر تھی۔ چند ہی کلمات کے بعد وہ دونوں چلے گئے لیکن عروسہ کے ہونٹوں کی مسکان بھی غائب ہوگئی تھی۔ اس رات وہ آدھی رات کو اٹھ کر بہت روئی تہال نے اسے رونے دیا' دل کا غبار نکل جانا ضروری تھا۔

"میں آج تک نہیں سمجھ سکی میری غلطی کیا تھی' قسمت کے ہر فیصلے کو قبول کرنے کے بعد بھی تہی داماں رہی۔ محسن نے مجھے ٹھکرادیا...... ٹھکرائے جانے کی اذیت جانتے ہیں آپ؟ میں اندر تک سے ٹوٹ گئی...... لیکن میرا اللہ جانتا ہے میں نے انہیں بھی کوئی بددعا نہ دی' ان کا طریقہ غلط تھا لیکن ان کی نیت بہت نیک تھی' آج ان دونوں کو خوش دیکھ کر مجھے کوئی احساس زیاں نہیں ہے کیونکہ مجھے آپ ملے ہیں...... میری کسی نیکی کا صلہ میں۔" اس نے نہال کے کندھے پر سر ٹکادیا۔ "نہال میں بہت خوش ہوں...... مجھے لگا تھا محسن نے ایک فرضی کہانی بنا کر مجھے چھوڑا ہے لیکن انعم کو دیکھ کر احساس ہوا کہ انہوں نے واقعی میرے ساتھ ناانصافی نہیں کی...... مجھے خود سے باندھے رکھا...... میرے لیے زندگی کے راستے بند نہ کیے اور ساتھ ہی ایک ضرورت مند کا سہارا بھی بنے...... ان سب کا اجر اللہ انہیں دے...... مجھے تو آپ کی شکل میں میرا انعام مل گیا ہے۔" آنسوؤں سے تر چہرے اور دھیمی مسکان کے ساتھ پہلی بار اقرار کرتی عروسہ نہال کے دل میں اتر گئی...... نہال نے محبت سے اس کا ماتھا چوم لیا تھا۔



نہال کے پیار اور توجہ' نصرت جہاں کے خیال اور ڈاکٹر کے علاج کی وجہ سے عروسہ آہستہ آہستہ نارمل ہونے لگی تھی پھر اللہ نے اس کے قدموں میں جنت رکھ کر اسے معتبر کردیا...... جس سے اس کا اعتماد بڑھا اور نہال پر یقین کامل ہوگیا۔ محبت تو اول روز سے ہی ہوگئی تھی۔

محبت زندگی میں ایک بار ہوتی ہے لیکن اس محبت کے بکھر جانے کے بعد سہارا دینے والے سے عشق ہوجاتا ہے...... نہال کے لیے اس کی دیوانگی آج بھی ویسی ہی تھی لیکن اب عروسہ کی زندگی کی راہیں روشن تھیں...... زندگی اگر خوب صورت تھی تو اب خوب صورت ترین ہوگئی تھی۔



biazdill@naeyufaq.com

بیاض دل

میمونہ رومان

صباس گل...... رحیم یار خان
سنا ماہر ہو تم کارِ رفو میں
یہ دامن چاک ہے بھر دو تو جانیں
دکھا بیٹھے جہاں بھر میں ہم اس کو
علاجِ درد دل کر دو تو جانیں

شانزہ پرویز شانو...... ایبٹ آباد
کوئی تعویذ ہو رد بلا کا
میرے پیچھے محبت پڑ گئی ہے

مہربان شاہ...... نوشہرہ
باہر سے تو رونق ہے وہی آج بھی لیکن
اس عشق نے اندر سے جلایا ہے بہت کچھ

انعم زہرہ...... ملتان
اسے کہنا دسمبر جا چکا ہے
اپنی یادوں سے کہہ دو اب تو چھوڑ دیں پیچھا میرا

اقراء جٹ...... ڈی جی خان
وہ جو گیت تم نے سنا نہیں، مری عمر بھر کا ریاض تھا
مرے درد کی تھی وہ داستاں، جسے تم ہنسی میں اڑا گئے

رقیہ ناز...... میلسی
نہیں مروں گا کسی جلن میں یہ سوچ لیا
میں اب کی بار محبت میں مارا جاؤں گا

کہکشاں سراج...... سرگودھا
محبتیں تھیں کبھی اپنے درمیاں کتنی
بچھا گئی ہے انا ہم میں دوریاں کتنی

ملودا حسین...... کراچی
نہیں یاد اتنی بڑی عمر میں
کسی رات آرام سے سوئے ہیں

وہ کہتے ہیں رنجش کی باتیں بھلا دیں
محبت کریں، خوش رہیں، مسکرا دیں

نسرین اینڈ نور چودھری...... وہاڑی
کبھی نغمۂ آرزو، کبھی زندگی کی پکار ہم
کبھی خاک کوچۂ یار ہم، کبھی شہر یار بہار ہم

مدیحہ نورین مہک...... گجرات
کٹ تو گیا کیسے کٹا یہ نہ پوچھیے
یارو سفر حیات کا آسان تو نہ تھا

مہرو عباس، زہرہ عباس...... چک شیخو، ٹنگ
افضل ہے سارے جہاں سے گھر حسین کا
نبیوں کا تاجدار ہے نانا حسین کا
ایک پل کی حکومت یزید کی
دنیا حسین کی زمانہ حسین کا

علشبہ خان...... بھرو
اب سمجھ آیا تیرے رخسار پہ تل کا مطلب
حسن دولت پہ دربان بٹھا رکھا ہے

شبانہ امین راجپوت...... کوٹ رادھا کشن
کتنا دور نکل گئے رشتے نبھاتے نبھاتے
خود کو کھو دیا اپنوں کو پاتے پاتے
لوگ کہتے ہیں ہم مسکراتے بہت ہیں
اور ہم تھک گئے درد کو چھپاتے

پروین افضل...... فیصل آباد
ابھی کچھ دیر میں محسن وہ پتھر ٹوٹ جائے گا
میں اس کی سرد مہری پر محبت وار آیا ہوں

یاسمین کنول...... پسرور
کس طرح سے ممکن تھا ایک شاخ پر کھلتے
میں کہ ہجر کا لمحہ، تو وصال کا موسم
کس نے کھیل کھیلا ہے کس نے ہجر جھیلا ہے
اب گزر گیا جاناں اس سوال کا موسم

ماریہ مغل...... حیدر آباد
منزل بھی اس کی تھی، راستہ بھی اس کا تھا
میں تنہا تھی، ورنہ قافلہ بھی اس کا تھا

ساتھ ساتھ چلنے کی سوچ بھی اس کی تھی
مگر پھر راستہ بدلنے کا فیصلہ بھی اس کا تھا

کلثوم نواز ملک...... گجرات

بربادیٔ دل جبر نہیں فیض کسی کا
وہ دشمن جاں ہے تو بھلا کیوں نہیں دیتے

امن ملک...... نور پور

دیکھی جو تیری بے رخی تو آنسو نکل پڑے
دنیا تو بے وفا تھی یار تجھے کیا ہوا

عائشہ نائج...... شہداد پور

ہم سے بدلا نہ گیا رنگ وفا
لوگ کیا کیا نہیں بدلا کرتے
خوف کیسا بھی ہو طوفان کا
اپنا دریا نہیں بدلا کرتے

دانیہ مغل...... میانوالی

دل یہ چاہتا ہے کوئی حسین سی بات ہو
خاموش تارے ہوں اور لمبی ہی رات ہو
پھر رات بھر یہ ہی گفتگو رہے!
تم میری زندگی تم میری کائنات ہو

نور بلنو...... میر پور خاص سندھ

وہ شخص کتنا کچھ جانتا ہوگا میرے بارے میں
جس نے مجھے ہنستے ہوئے دیکھ کر پوچھا اداس کیوں ہو؟

فیاض اسحاق مہانہ...... سلانوالی

زبان کا درد ہوئے دلوں میں گھر نہ ہوئے
ہتھیلیوں پر لکھے نام ہم سفر نہ ہوئے
عجب طریقہ ہے تجھ کو بھولنے کا
ہم تیری یاد سے اک پل بھی بے خبر نہ ہوئے

نور چودھری...... کمالیہ

چلتے رہے دھوپ میں
چھاؤں میں بٹھایا ہمیں
میں نے دیکھا ہے اک فرشتے کو
اپنے باپ کے روپ میں

شبانہ اعجاز...... لانڈھی

ڈھونڈ کر لاؤں کوئی تجھ سا کہاں سے آخر
اک ہی شخص ہے بس تیرا بدل یعنی تو

صفت اللہ...... گنتی عمر خان

میری دنیا سے الگ تھی اک شخص کی دنیا
وہ میرے دل کے اندھیروں میں چراغوں کی طرح تھا

گلشن چوہدری گل...... گجرات

مسکراہٹ آجاتی ہے اکثر غصے میں تیرا نام سن کر
سوچ تیرے نام سے اتنی محبت ہے تو تجھ سے کتنی ہوگی

شازیہ ہاشم میواتی...... کھٹیاں خاص قصور

ہر اک مصیبت کی تہہ میں چھپی رہتی ہے راحت بھی
شب تاریک کے دامن سے ہوتی ہے سحر پیدا

ام ہانی شاہد...... ڈگری

جو باتیں پی گیا تھا میں
وہ باتیں کھا گئیں مجھ کو

شفاعت بتول نین تارا...... جام پور

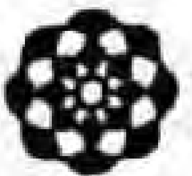
درد کے سمندر کو اتارا کب تھا
ہم تو ڈوب گئے تھے تمہیں پکارا کب تھا
سب فیصلے تو قدرت طے کر چکی تھی پہلے
ہمارے ہاتھ مقدر کا ستارہ کب تھا

نگہت غفار...... کراچی

خوشبو لکھوں احساس لکھوں یا خواب لکھوں
گزرے برس کی ساعتوں کو عذاب لکھوں
جو لکھ سکوں تو حقیقتوں کو خواب لکھوں
سچ یہ ہے کہ عمر رائیگاں کا ہر سال تمہارے نام لکھوں

نبی کھرل...... جڑانوالہ

یہ الگ بات ہے کہ شرمندہ تعبیر نہ ہوں
ورنہ ہر دل میں کئی تاج محل ہوتے ہیں



ڈش مقابلہ

طلعت آغاز

نہاری اور کلچے

اجزاء:۔

بونگ کا گوشت	آدھا کلو
کالی الائچی	آٹھ عدد
ادرک لہسن	ایک کھانے کا چمچ
سوکھا ادرک پاؤڈر	چار کھانے کے چمچ
نمک	ایک کھانے کا چمچ
لال مرچ	ایک کھانے کا چمچ
ہلدی	ایک چائے کا چمچ
سونف	تین کھانے کے چمچ
گرم مصالحہ	ایک کھانے کا چمچ
پیاز	ایک
آٹا	چار کھانے کے چمچ
آئل	ایک کپ
ادرک	ایک انچ
ہری مرچ	آٹھ
ہرا دھنیا	چھڑکنے کے لیے

ترکیب:۔

گوشت کو ابال لیں۔ آئل میں پیاز ڈال کر فرائی کریں ساتھ ہی لہسن، ادرک اور لال مرچ ڈال کر فرائی کریں پھر نمک، ہلدی ڈال کر گوشت ڈال لیں اور اچھی طرح بھون لیں۔ جب گوشت بھون جائے تو اس میں پانی شامل کریں۔ململ کے کپڑے میں ادرک کا پاؤڈر، کالی الائچی، اور سونف ڈال کر باندھ لیں اور اب یہ پوٹلی نہاری میں ڈال دیں اور چالیس منٹ ہلکی آنچ پر پکنے دیں پھر باریک کٹی ادرک، ہری مرچ اور گرم مصالحہ ڈال کر پانچ منٹ پکالیں۔ آٹے کو توے پر بھون کر پانی میں گھول لیں اور نہاری میں ڈال دیں گاڑھا ہونے پر اتار لیں اور کلچے کے ساتھ پیش کریں۔

نزہت جبین ضیاء......کراچی

دھابہ چکن

اجزاء:۔

قیمہ	ایک پاؤ
مرغی	آدھا کلو
پیاز	تین عدد
ٹماٹر	پانچ عدد
ادرک	دو انچ کا ٹکڑا
ہری مرچ	دو کھانے کے چمچے
پسا لہسن	دو کھانے کے چمچ
گرم مصالحہ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچ
لال مرچ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچ
دھنیا پاؤڈر	ایک چائے کا چمچ
دہی	چوتھائی پیالی
دیسی گھی	آدھا پیالی
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب:۔

ایک پین میں تیل گرم کریں اور پیاز کو سنہرا کر لیں، لہسن ادرک شامل کر کے بھونیں جب خوشبو آنے لگے تب تمام مصالحے، قیمہ، مرغی شامل کر دیں اور بھون کر سرخ کر لیں۔ دھابہ چکن میں ٹماٹر ڈال لیں اور پین کو ڈھک کر دم پر رکھیں جب پانی خشک ہو جائے اور مصالحہ تیل چھوڑ دے تو ڈش میں نکالیں اور ہرا مصالحہ، گرم مصالحہ چھڑک کر پیش کریں۔

گلشن آرا......ملتان

میتھی گاجر کی سبزی

اجزاء:۔

میتھی	چار گٹھی
پالک	آدھا کپ
لہسن	آٹھ جوئے

ٹماٹر	چھ عدد
گاجر	تین عدد
نمک	ایک چائے کا چمچ
زیرہ	ایک چائے کا چمچ
ہری مرچ	چھ عدد
پیاز	ایک عدد
زیتون کا تیل	چار کھانے کے چمچ

ترکیب:۔

پیاز کو فرائی کریں۔ پھر اس میں لہسن، زیرہ اور ٹماٹر کاٹ کر ڈالیں۔ اب پالک اور میتھی شامل کریں۔ کٹی گاجروں کو زیتون کا تیل ڈال کر پکائیں۔ پھر اس میں پالک اور میتھی شامل کر کے دم پر رکھیں۔ تیار ہونے پر گرم گرم سرو کریں۔

روشن اعجاز...... بہاولپور

گاجر، میتھی، آلو

اجزاء:۔

آلو	آدھا کلو
میتھی	۲۰۰ گرام
پیاز	۲۰۰ گرام
ٹماٹر	پچاس گرام
آئل	حسب ضرورت
گاجریں	آدھا کلو
لہسن	دس گرام
ادرک	بیس گرام
سرخ مرچیں (پسی ہوئی)	حسب ضرورت
نمک، کالی مرچیں	حسب ذائقہ

ترکیب:۔

لہسن، پیاز اور ادرک چھیل کر باریک کاٹ لیں۔ آلو اور گاجریں چھیل کر کاٹیں۔ میتھی کو اچھی طرح صاف کر کے کتر لیں۔ اس کے بعد ایک برتن میں آئل ڈال کر گرم کریں۔ اس میں پیاز ڈال کر سرخ کریں اور پسی ہوئی سرخ مرچیں نمک لہسن، ادرک اور ٹماٹر ڈال کر مصالحہ بھون لیں۔ پھر اس میں پانی کا ایک ہلکا سا چھینٹا دیں اور کٹی ہوئی گاجریں، میتھی، آلو ڈال کر بھون لیں۔ تین منٹ کے بعد اس میں حسب ضرورت پانی ڈالیں اور ڈھکن ڈھک کر درمیانی آنچ پر پکائیں۔ پھر اس میں کالی مرچیں بھی ڈال دیں۔ مزید دس منٹ تک ہلکی آنچ پر رکھ دیں۔ مزیدار آلو، گاجر، میتھی، کا سالن تیار ہے۔

ہالہ سلیم...... کراچی

گلاب جامن

اجزاء:۔

میدہ	آدھا پاؤ
کھویا	آدھا کلو
انڈے	دو عدد
بیکنگ پاؤڈر	ایک کھانے کا چمچ
کوکنگ آئل	فرائی کرنے کے لیے

ترکیب:۔

ایک کلو شکر میں دو کپ پانی ڈال کر پکائیں، تار بننے لگیں تو اُتار لیں اور دس عدد چھوٹی الائچیاں بھی پیس کر ڈال دیں میدہ، کھویا، بیکنگ پاؤڈر اور انڈے توڑ کر اچھی طرح سے مکس کر لیں اور ان کی چھوٹی چھوٹی گولیاں بنا کر کچھ دیر کے لیے رکھ دیں۔ کڑاہی میں آئل گرم کر کے ہلکی آنچ پر ان گولیوں کو تل لیں، پھولنے اور سنہری ہونے پر شیرے میں ڈال دیں اور مزیدار گلاب جامن تیار ہو جائیں گے۔

بشریٰ کنول...... نواب شاہ

گاجر کا حلوہ

اجزاء:۔

گاجر	ایک کلو
چینی	ایک کپ
سوکھا دودھ	ایک کپ
کھویا	ایک پاؤ
بادام، پستہ	سجاوٹ کے لیے
الائچی	دس

گھی	آدھا کپ

ترکیب:۔

گاجر کو کدوکش کرلیں۔اب گھی میں الائچی ڈال کر اس میں گاجر ڈال کر بھونیں پھر چینی ڈال کر پندرہ منٹ بھونیں اور سوکھا دودھ ڈال کر پھر بھونیں جب گھی علیحدہ ہو جائے تو کھویا ڈال کر مکس کریں اور اتار کر چھلے ہوئے بادام اور ابلے ہوئے انڈوں کے ساتھ پیش کریں۔

عائشہ سلیم۔۔۔۔کراچی

زردہ

اجزاء:

چاول	دو کپ
چینی	ایک کپ
چھوٹی الائچی	تین عدد
بادام	چھ عدد
پستہ	چھ عدد
ناریل	ایک ٹکڑا
گھی	تین چمچ

ترکیب:۔

چاول دو کنی ابال کر پانی اتار کر رکھ لیں گھی کو گرم کریں اور چینی ڈال کر آدھا کپ دودھ کا ڈال دیں جب چاشنی ایک تار کی طرح ہو جائے تو چاول ڈال کر مکس کریں بعد میں تمام میوہ ڈال کر پندرہ منٹ کے لیے دم پر رکھیں چاول ابالتے وقت آدھا چمچ زردہ رنگ ڈال دیں اور بادام وغیرہ کے ساتھ ڈالنا نہ بھولیں لیجیے گرما گرم زردہ تیار ہے

نسرین امجد۔۔۔۔وہاڑی

پنجابی گاجر کا زردہ

اجزاء:

باسمتی چاول	آدھا کلو
نمک	آدھا چائے کا چمچ
کدوکش گاجر	دو کپ
پسا کھوپرا	آدھا کپ
کشمش	آدھا کپ
بادام	۲۰ عدد
پستے	۲۰ عدد
چھوٹی الائچی	چھ عدد
گھی	آدھا کپ
چینی	آدھا کلو

ترکیب:۔

سب سے پہلے چاول کو آدھا گھنٹے کے لیے بھگو دیں۔اب ایک پین میں پانی اور نمک ڈال کر چاولوں کو پکا لیں، یہاں تک کہ چاول تیار ہو جائیں۔پھر پانی نکال کر چاول کو ایک طرف رکھ دیں۔ایک پین میں گھی گرم کر کے اس میں چینی اور پانی ڈال کر پکائیں۔یہاں تک کہ چینی حل ہو جائے۔اب اس میں اُبلے ہوئے چاول ڈال کر اچھی طرح مکس کریں اور ۱۰ منٹ کے لیے تیز آنچ پر پکائیں، یہاں تک کہ وہ پانی سوکھ جائے۔اب اس میں کدوکش گاجر ڈال دیں اور پندرہ منٹ کے لیے دم پر رکھ دیں۔اب اسے سرونگ ڈش میں نکال کر بادام، پستے، پسا کھوپرا اور کشمش کے ساتھ گارنش کر کے سرو کریں۔

ثمینہ عثمان۔۔۔۔کراچی

گاجر کا زردہ

اجزاء:

چاول	آدھا کلو (ابلے ہوئے)
گاجر	تین عدد (کش کی ہوئی)
چینی	آدھا کلو
دودھ	آدھی پیالی
کھویا	ایک پیالی
پستے	آدھی پیالی
ناریل	حسب پسند (کش کیا ہوا)
گھی	آدھی پیالی

ترکیب:۔

گاجر کو فرائنگ پین میں پھیلا کر رکھیں اور درمیانی آنچ پر پکاتے ہوئے اس کا پانی خشک کر لیں۔چاول، گاجر اور چینی کو دو حصوں میں تقسیم کریں۔پھر ایک پین میں

دو سے تین کھانے کے چمچ گھی کے ڈالیں اب اس میں ایک تہہ چاول ایک گاجر اور چینی کے اوپر دو کھانے کے چمچ دودھ ڈالیں اور پھر اسی عمل کو دوبارہ دہرائیں۔ پین کو توے پر رکھ کر شروع میں تین سے چار منٹ آنچ درمیانی رکھیں اور پھر ہلکی آنچ پر دس سے بارہ منٹ دم پر رکھ دیں۔ چولہے سے اتار کر اس میں حسب ضرورت گھی ڈال کر پانچ منٹ ڈھک کر رکھیں۔ اچھی طرح ملا کر ڈش کو نکالیں اور ناریل پستے اور کھویا چھڑک دیں۔ گرما گرم گاجر کا زردہ تیار ہے۔

عریشہ نبیل..... کراچی

اسپائسی فش کیوبز

اجزاء:

بون لیس فش	آدھا کلو
مالٹ یا سادہ سرکہ	آدھا کپ
بیسن	ایک کپ
دہی	آدھا کپ
انڈا	ایک عدد
اجوائن	ایک چائے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
لیموں کا رس	ایک کھانے کا چمچ
پسی لال مرچ	ایک کھانے کا چمچ
ادرک کا پیسٹ	دو کھانے کے چمچ
تیل	ڈیپ فرائنگ کے لیے
چاٹ مصالحہ	ایک چائے کا چمچ
کٹا لیموں	چھ سے آٹھ ٹکڑے

ترکیب:

بون لیس مچھلی پر سرکہ یا مالٹ لگا کر بیس منٹ میری نیٹ ہونے دیں۔ پھر مچھلی نکال کر خشک کر لیں۔ ایک پیالے میں بیسن، دہی، انڈا، اجوائن، نمک، لیموں کا رس، پسی لال مرچ، ادرک کا پیسٹ اور لہسن ڈال کر بیٹر بنا لیں۔ فش کیوبز کو بیس منٹ کے لیے تیار بیٹر میں میری نیٹ کریں۔ ایک کڑاہی میں تیل گرم کر کے مچھلی گولڈن براؤن ڈیپ فرائی کریں اور کچن پیپر پر نکال لیں۔ مچھلی پر چاٹ مصالحہ اور لیموں چھڑک کر گرما گرم سرو کریں۔

ارم صابرہ..... تلہ گنگ

میکرونی ود پران

اجزاء:

جھینگے	آدھا کلو
ابلی ہوئی میکرونی	آدھا پیکٹ
دودھ	آدھا کلو
لہسن کا پیسٹ	ایک کھانے کا چمچ
پارسلے	چوتھائی گٹھی
اوریگانو	آدھا چائے کا چمچ
روزمیری	آدھا چائے کا چمچ
کٹی لال مرچ	ایک چائے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
تیل	دو کھانے کے چمچ
چیڈر چیز	دو سلائس

ترکیب:

پہلے پین میں تھوڑا سا تیل گرم کر کے ایک کھانے کا چمچہ لہسن کا پیسٹ اور جھینگوں کو شیلو فرائی کر کے ایک طرف رکھ دیں۔ اب ایک کڑاہی میں دودھ ابالیں۔ جب دودھ ابلنے لگے تو تین چار کھانے کے چمچے بھنے میدے سے اسے گاڑھا کر لیں۔ جب دودھ گاڑھا ہو جائے تو اس میں آدھا چائے کا چمچہ اوریگانو، آدھا چائے کا چمچہ روزمیری، حسب ذائقہ نمک، ایک چائے کا چمچہ کٹی کالی مرچ، دو عدد چیڈر چیز سلائس اور آدھا پیکٹ ابلی ہوئی میکرونی شامل کر کے اچھی طرح مکس کر لیں۔ آخر میں شیلو فرائی جھینگے شامل کر کے مکس کریں اور نکال کر سرو کریں۔

طلعت نظامی..... کراچی



biazdill@naeyufaq.com

نیرنگ خیال

ایمان وقار

غزل

میرے دل کے نہاں خانوں میں
جہاں خواب بستے ہیں ویرانوں میں
وہاں نہ پھول کھلتے ہیں کسی زمانے میں
روح سسکیاں لیتی ہے اضطراب میں
تجھے بھول جاؤں کہاں ہے میرے بس میں
میرے جسم میں میری روح میرے درد میں
بس عکس تیرا میں رکھوں ہر حال میں
تیرے انداز وجود میں بس تو ہی تو ہے مجھ میں
میرے سانس انداز وجود میں بس تو ہی تو ہے مجھ میں
(شائستہ جٹ...... چیچہ وطنی)

یہ دل بیمار کیا کرتا

جو دل کا ہو نہ مخلص اس سے آنکھیں چار کیا کرتا
کسی بے فیض کی خاطر یہ دل بیمار کیا کرتا
ضرورت معافیوں کی ہے چلو سجدے میں گر جائیں
خدا روٹھا ہوا خلق خدا سے پیار کیا کرتا
قفل ہونٹوں پہ، ہاتھوں میں لیے پھرتے ہیں دل زخمی
نگاہیں بند ہیں سب کی، غم اظہار کیا کرتا
سر بازار تیرا مول چاہوں تو لگا ڈالوں
تو ہے ہی آخری خواہش، تجھے بیکار کیا کرتا
تجھے آزاد کر کے اب گلا خود گھونٹ لیں گے ہم
بھلا فرقت میں اب تیری یہ دل سرشار کیا کرتا
محبت کے سوالوں پہ میں اتنا کہہ کے آئی ہوں
نظر اقرار کر ڈالے تو پھر انکار کیا کرتا
کبھی وعدے کیے ہم نے، نہیں تھے ساتھ چلنے کے
سو، اب راہیں بدلنے پر بھلا تکرار کیا کرتا
چلو مسکان چھوڑ دو بے وفا لوگوں کے قصوں کو
ذرا سی بدشگونی پر یہ دل آزار کیا کرتا
(نورین مسکان سرور...... سیالکوٹ، ڈسکہ)

تو پاک آرمی

نئے دیئے کرنا رشن
مت اندھیروں سے تم
ڈر جانا،
گر راہ میں کانٹے آ جائیں
نہ زخموں سے
گھبرا جانا،
مانا یہ سفر آسان نہیں
نہ رستے میں تم
رک جانا
ہو، امت شیر خدا کی
ہر مشکل میں تم
ڈٹ جانا،
لگا کے نعرہ حیدری نعرہ
بس دشمن سے تم
لڑ جانا
مقصد اپنا
پا جانا
نسل کو
بچا جانا......
(ودیعہ یوسف، زماں قریشی، لانڈھی کراچی)

سنو تم لوٹ آؤ نا......

ہماری ٹوٹی سانسیں
ہماری سوچتی آنکھیں
ہماری جاگتی راتیں
ہوا کے دوش پہ رکھی مناجاتیں
تمہیں واپس بلاتی ہیں

سنو تم لوٹ آؤ نا جہاں بھی ہو
تمہارے سوگ میں ڈوبا ہوا ہے
وقت کی سوئی اسی لمحے پہ ٹھہری ہے
جہاں تم نے بچھڑنے کا ارادہ کرلیا تھا
اور میں یادوں کے جھکڑ میں اکیلی
رہ گئی تھی
تمہیں معلوم ہے جب دل دھڑکتا ہے
تمہارا نام لیتا ہے
یہ آنسو جب بھی بہتے ہیں تمہارے دکھ میں بہتے ہیں
ہوائیں جب بھی گلیوں میں بھٹکتی ہیں
تمہیں ہی گنگناتی ہیں
تمہارا بین کرتی ہیں
تمہارا بین کرتی ہیں
یہ بارش جب بھی ہوتی ہے تمہاری یاد کی شمعیں جلاتی ہیں
شفق مجھ کو تمہارے وصل میں بھیگے ہوئے
ان موسموں کے ان گنت قصے سناتی ہے
سنو جب تم نہیں ہو تو
یہاں ہر سمت اب اک خوف ہے اک درد ہے
اک آہ وزاری ہے
سنو تم لوٹ آؤ نا!
جہاں تم ہو وہ دنیا کب تمہاری ہے
سنو تم لوٹ آؤ نا......!
تمہارے بعد جو بھی ہے
تمہارے سوگ میں ڈوبا ہوا ہے!

(ثناء عرب سنی)

صحراؤں کی بات

صحراؤں کی بات بھی کیا ہے
صحراؤں نے ہم کو بخشے
عظمت کے انمول خزانے
صحراؤں کی دھوپ نے بخشی
ہم پامردی کی دولت
ان کی تپش نے ہم کو بنایا
ان تھک محنت کرنے والا
طوفانوں سے لڑنے والا
ہم نے پھر پوری دنیا کی
ظلم وستم سے جان چھڑائی
گرے پڑے انسان کا ہم نے
فخر سے سر اونچا کر ڈالا
قیصر و کسریٰ کے ایواں پر
کردیا ہم نے لرزہ طاری
دنیا بھر کے بدمستوں کے
سر کو جھکایا
سارے سرکش لوگوں کو
کیا کیا ہم نے سبق سکھایا
دنیا کے کونے کونے میں
دین کے پرچم کو لہرایا
لیکن صحرانوں کو جب سے
ایئر کنڈیشنڈ ہم نے کیا ہے
اس دن سے ہم کھو بیٹھے ہیں
اپنا وقار اور اپنی عزت
جب سے ہم نے چھوڑ دیا
صحراؤں کی سختی سہنا
ہم سے سب کچھ چھن سا گیا ہے

(ریاض حسین قمر...... منگلا ڈیم)

غزل

کوئی اہل وفا نہیں دیکھا
ورنہ دنیا میں کیا نہیں دیکھا
میں نے کھولیں وجود کی گرہیں
تجھے خود سے جدا نہیں دیکھا
ہو بھلا کیسے ہمسری تیری؟
تجھ سا تیرا سوا نہیں دیکھا
تیری آنکھوں میں دیکھ لیتا ہوں

کیا ہے، جو آئینہ نہیں دیکھا!
کیا سنے گا وہ گفتگو میری
جب میرا دیکھنا نہیں دیکھا
رات بیتی ہے کیا گلستاں پر
تو نے باد صبا نہیں دیکھا؟
عشق ایسا جنوں ہے فائق
جس نے کچا گھڑا نہیں دیکھا
(عمران فائق......کامل پور موسیٰ اٹک)

غزل

اور کچھ بھی نہیں بس اتنا کیا کرتے تھے
تمہیں یاد صرف تمہیں یاد کیا کرتے تھے
پہلے دور سے کرلیتے تھے تیرا دیدار
پھر قریب آنے کی کوشش کیا کرتے تھے
تیری اک نظر کرم کے لیے ہم چاند
تیری گلیوں میں پھرا کرتے تھے
دوستو! اب تم مجھے پاگل مجنوں کہتے ہو
تم ہی تو میرے آنسو پیا کرتے تھے
یہ حقیقت ہے کہ احباب کو ہم
پھر بھی یاد کیا کرتے تھے
(سمیہ کنول......بھیر کنڈ' مانسہرہ)

بچپن

لوگ چلے جاتے ہیں رہ جاتی ہیں نشانیاں
وہی قصے، وہی یادیں اور گزری ہوئی کہانیاں
اک حقیقت سی لگتی تھیں بچپن کی سوچیں
وہ معصوم سے سپنے اور چھوٹی چھوٹی نادانیاں
ان بچپن کے کھیلوں کا انداز ہی نرالا تھا
آنکھ مچولی اور لیڈو میں چھپ کر کیں بے ایمانیاں
امی کی جھاڑ پر خوب ٹھٹھے لگانا
پھر بھی اپنے بابا کی کہلاتی تھیں ہم رانیاں
کم عمری میں ہم یہ کیا سادگی جھیلتی تھی
سب میک اپ و فیشن سے عاری تھیں تیاریاں

گزر گئے وہ دن علمہ اور آ گئی جوانی اب
کر شکر اس پر بھی، یہ تیرے رب کی ہیں
مہربانیاں......!
(علمہ اشمشاد حسین......کورنگی کراچی)

غزل

کچھ درد ہونٹوں پر لائے نہیں جاتے
قصے اپنی رسوائی کے سنائے نہیں جاتے
تکتے رہتے ہیں گلی میں راہ اک شخص کی
اور اک وہ ہیں کہ بھولے سے ادھر نہیں آتے
مجھے عشق کی زنجیر نے ایسا ہے باندھا
کہ اب تو ہاتھ اپنے چھڑائے نہیں جاتے
گھر گئے ہیں درد کے شعلوں میں اتنے
ضبط دیکھو کہ زخم اپنے دکھائے نہیں جاتے
راج کرو کچھ کہ وہ ہمارے ہوجائیں
حال دل اب کسی اور کو سنائے نہیں جاتے
(سید عبادت راج......ڈیرہ اسماعیل خان)

خواہشوں کی دبی چنگاریاں
راہ زندگی میں جب کبھی
خواہشوں کی دبی چنگاریاں ہوا لے ڈالیں
اور بے بس کردیں دل بے کل کو
تو حصول طمانیت کی خاطر
فٹ پاتھ پر بیٹھ کے
پیٹ بھرنے والوں کے پرسکون چہروں کو
تم دیکھنے چلے جانا
اکتاہٹ کے خاتمہ کے سامان کی خاطر
برسات میں ٹپکتی جھونپڑی کے شکر گزار مکینوں کو
تم دیکھنے چلے جانا
"آگاہی کے مفہوم سے گر آشنائی چاہتے ہو
تو خستہ لباس میں ڈھکے مفلس گھروں کے
عزم کی چمک سے مزین چہروں والے
نونہالوں کو درس گاہوں کی سمت

چست روی سے قدم بڑھاتے ہوئے
"تم دیکھ کر لوٹ آنا"
کشش کے دل کو ہے یہ یقین
تیرے لوٹنے سے چند ہی پل پہلے
تمنائیں خود کو خود اپنے ہاتھوں سے جلائیں گی اس طرح
کہ دھواں بھی خود میں سمو لے گا
دل میں سونمو پاتی خواہشوں کے رنگوں کو
اور سفر کر کے چندھیائی آنکھوں سے
ہجرت کر جائے گا
ہمیشہ کے لیے
(مدیحہ اکرم کشش...... کیلگ ہری پور)

غزل

میری آنکھوں کے سپنوں کو اجالا کس طرح دو گے؟
میں اک ٹوٹی ہوئی ہستی ہوں سنبھالا کس طرح دو گے
دھنک سے رنگ بنتی تھیں، میری آنکھیں ان سپنوں کے
تعبیروں کا ان سپنوں کو حوالہ کس طرح دو گے
وہ تھا اک شخص گلابوں سا، جو کر گیا زخم زخم مجھ کو
مرے زخموں کو خوشیوں کا سہارا کس طرح دو گے؟
مجھے تو اجل بھی نہ کر سکی اس ہجر سے آزاد
جو اس نے دے دیا مجھ کو خسارہ کس طرح دو گے
میری تو زندگی ہے بیت گئی کانٹوں کے عالم میں
میری حیات کو پھولوں کی مالا کس طرح دو گے؟
میں آنسو پی رہی تھی اور تھیں ویران میری آنکھیں
میری ویران آنکھوں کو رنگ نرالہ کس طرح دو گے
میرے صحرا میں مجھ کو تم ملے ساگر کی مانند ہو زریں
اب تم ہو مرا ساگر خود کو کنارہ کس طرح دو گے؟
(اقصیٰ زریں...... سمبڑیال)

آنکھیں

بڑی بڑی غزالی آنکھیں
مجھ کو لگتی ہیں نرالی آنکھیں
حیا جو آئی تو جھکالی آنکھیں
دیکھیں تمہیں جو سر اٹھا کے
ہولے ہولے مسکرا دی آنکھیں
نگاہیں تم سے جو مل گئیں ہیں
شرم سے پھر جھکا دی آنکھیں
آنکھیں آنکھیں یہ تیری آنکھیں
دیکھا جو مجھ کو ہنسا دی آنکھیں
مار ہی ڈالو گے نظروں سے مجھ کو
کہا جو میں نے ہٹا لی آنکھیں
دیکھتے ہو جو روشن چہرہ
بڑی مدت سے ہیں سنبھالی آنکھیں
ماشاء اللہ چشم بدور
اللہ اللہ یہ نرالی آنکھیں
کس نے اب یہ تعریف کردی
اس نے کاجل سے سجالی آنکھیں
دیکھ کر جو وہ چلا گیا ہے
کیوں پھر اس نے ترسا دی آنکھیں
آنکھوں آنکھوں میں ہیں راز کتنے
عشق و محبت بھی سکھا گئیں آنکھیں
آیا جو وہ میری زندگی میں
اس کے لیے بچھا دی آنکھیں
دیکھا جو اس کو نظر بھر کے
شرما کے پھر چرالی آنکھیں
کون تھا وہ کہاں گیا ہے
جس نے پاگل بنا دی آنکھیں
غم جو میں نے سہہ لیا ہے
پھر یہ کس نے ہنسا دی آنکھیں
رومی آنکھوں میں کتنے ہیں دیپ روشن
کبھی خوشیوں سے ہوں نہ یہ خالی آنکھیں
(عبدالجبار رومی انصار...... لاہور)

غزل

گلہ میری جفا کشی کا مجھ ہی سے کرتے تو اچھا تھا

وہ میرے جگر کے سارے دھڑکنوں میں پلتے تو اچھا تھا
نہیں آنا تھا تیری یادوں کو سہارہ مجھے دینے
فراق میں تیرے جانے جاں ہم تنہا بلکتے تو اچھا تھا
کیوں بخشے میری آنکھوں کو دریا تو نے؟
عالم اذیت میں اشکوں کو ترستے تو اچھا تھا
کیا خبر تھی ملے گا نا تو پھر دوبارہ زیست میں
کاش تیرے کوچے سے ہم نہیں نکلتے تو اچھا تھا
یکجا کر دیا تیری یادوں نے پھر میرے وجود کو
خزاں رسید پتے کی مانند بکھرتے تو اچھا تھا
دھند لاگیا تھا تیرا پھول سا چہرہ
اشک آنکھوں میں ہم نہیں بھرتے تو اچھا تھا
یہ دل تیرے ساتھ کا تمنائی ہے آج بھی
کاش تیرے سنگ ہم دو قدم بھی نہیں چلتے تو اچھا تھا
(حمیرا قریشی......لاہور)

غزل

ابھی جسم میں سانس باقی ہے
ابھی تو جینے کی آس باقی ہے
لوٹ آئے ہم بھرے دریا سے
مگر ابھی بھی پیاس باقی ہے
ٹوٹ کر کرچی ہوا ہے دل مگر
ابھی بھی اس کے آجانے کا احساس باقی ہے
مگر اس کی خوشبو کا احساس باقی ہے
(سنبل بلوچ سنبلی......آزاد کشمیر)

میں جس کرب سے گزرتی رہی

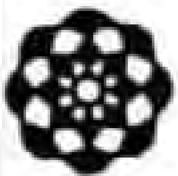
میں اس درد سے گزری ہوں
کہ میرا دل چاہتا ہے
کوئی اس درد سے نہ مرے
کوئی اس نگر سے نہ گزرے
کسی کا دل نہ ٹوٹے
کسی کو یہاں کا غم نہ لگے
کوئی اس راہ کی دھول نہ چاٹے

جہاں اذیتوں کے ڈھیر ہیں
سازشوں کے بیر ہیں
محبتوں کے جو باب تھے
آنکھوں میں رعنائیوں بھرے جو رنگ تھے
ان رنگوں کے اڑنے پر دکھ کی جو سیل ہے
سینے پر رکھے پتھر سے کیا کم ہے
زرمین سرھیو......حیدرآباد سندھ

غزل

میری ہے اک پیاری بہنا
کلائیاں نازک پھولوں کا گہنا
گال چنبیلی ہونٹ گلابی
جھیل سے گہرے اس کے نیناں
نازک موم کی گڑیا جیسی
اس کے روپ کا کیا ہی کہنا
باتیں میٹھی اور سریلیں سی
بال ہیں اس کے جیسے سونا
اے خدا ہر غم اس سے ہو دور
جہاں بھر کی خوشیاں اس کو دینا
سپنوں کی سندر پریوں جیسی
نیلی کی لئی دوست ہے عینا
نیلی ظہیر......کوٹلہ جام

ناقابل اشاعت کلام:
حافظہ دعا بٹ، رابعہ شاہین، عائشہ خان، انیلا سخاوت، سحر گل، مصباح عالم، کنول فرام عبدالحکیم،



dkp@naeyufaq.com

دوست کا پیغام آئے

ہما احمد

نوٹ

ہم کئی بار آپ سب بہنوں سے درخواست کر چکے ہیں کہ آپ مختصر پیغام لکھ کر بھیجا کریں تاکہ زیادہ سے زیادہ بہنیں شرکت کر سکیں پھر بھی اکثر بہنیں طویل سے طویل پیغام لکھ کر بھیج رہی ہیں اوراس میں بھی لمبی لمبی شاعری لکھیں ہوتی ہے، جس کی وجہ سے اکثر بہنیں شرکت کرنے سے رہ جاتی ہیں اور پھر شکایت ہوتی ہے کہ ہم ان کے ساتھ سوتیلوں جیسا سلوک کرتے ہیں اب آپ سب ہی بتائیں ہم ایسے میں سب کی شرکت کیسے یقینی بنائیں۔ اس ہی بناء پر ادارے نے یہ سخت فیصلہ کیا ہے کہ آیندہ ماہ سے طویل اور شاعری والے پیغامات کو کم جگہ دی جائے گی اور جو پیغام مختصر اور جامع ہوں گے وہ ہی شرکت کر پائیں گے۔



دشمن جاں کے نام

خزاں سے تجھ کو بچا کر رکھوں بہار تجھ پہ نثار کردوں یہ آپ کے لیے یقیناً ایک سرپرائز ہوگا اس دفعہ میں آپ کو کچھ "وکھرے ٹائپ" سے وش کرنا چاہتی تھی۔ یقیناً آپ کو اچھا لگے گا۔ دسمبر میں آپ کی سالگرہ ہوتی ہے۔ اس موقع پر میری ساری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ میری دعا ہے کہ آپ زندگی میں بلند مقام حاصل کریں اور کامیابی آپ کے قدم چومے (آمین) خدا آپ کو لمبی عمر عطا کرے اور آپ کا ساتھ اور پیار تا حیات میرا نصیب کرے آمین۔ آپ کی سالگرہ کے پرمسرت موقع پر

میری جان آپ کو کیا تحفہ دوں؟
مسکرائیں، پھول، خوشیاں
دعائیں، نیک خواہشات، خوشبو
میرے بس میں اگر ہو تو
اپنی قسمت میں آنے والی
ہر خوشی کا تحفہ آپ کو سونپ دوں

(عائشہ پرویز..... کراچی)

حرا گل غفور اور انیلا کے نام

السلام علیکم! تمام آنچل احباب اور ہما آپی کو چاہتوں بھرا سلام قبول ہو۔ کیسی گزر رہی ہے زندگانی۔ یقیناً مزے میں ہوں گی ایمن غفور ہمیں آپ کی دوستی قبول ہے۔ حرا گل ہم بڑے "وہ" ہیں بھئی، کنجوس مکھی چوس۔ بھئی اتنے ماہ ہم آنچل نگری سے غائب رہے اس لیے آپ کے نام کوئی پیغام نا لکھ پائے۔ آپ ہمیشہ یاد کرتی ہو تو بہت اچھا لگتا ہے۔ خوش رہو۔ اب دعا کرنا یہ خط شائع ہو جائے۔ پیاری انیلا میں نے آپ کو دیکھا اور نا آپ نے مجھے دیکھا آپ کے بارے میں بہت کچھ سنا اور یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ آپ میری نگارشات بہت شوق سے پڑھتی ہو۔ اور کسی ماہ میں شرکت نہ کروں تو کمی محسوس کرتی ہو۔ آپ کی اس درجہ اپنائیت پر ایک عقیدت سی ہوتی ہے سدا خوش رہو۔ ثنا کنول آپ کے مطابق آپ کی اور میری کچھ عادات ملتی جلتی ہیں تو آپ بھی "ہمارا آنچل" میں شرکت کریں ہم بھی آپ کو پڑھنا چاہتے ہیں۔ ویسے دوستی قبول ہے۔ کبریٰ خان چوہان، ہم آپ کو نہیں بھولے۔ بس کچھ مصروفیات کی بنا پر آنچل سے غیر حاضر رہے۔ اس لیے آپ کو مخاطب نا کر سکے۔ اب تو خوش ہو نا آپ۔ پیاری حسینہ علی تمہاری خالہ سے خوش خبری سن کر تو میں حیران رہ گئی تھی امی جان بننے پر ڈھیروں مبارک باد اور ننھی گڑیا کو ڈھیروں پیار (ویسے نام کیا رکھا ہے بتانا ضرور) خدا منیب حسن کو آپ کا فرمانبردار بنائے آمین۔ شانزہ شانو خالہ بننے پر اور فائزہ بھٹی پھوپو بننے پر ڈھیروں مبارک باد۔ میری بجو کا بھی نو سال بعد بیٹا پیدا ہوا ہے پہلے ان کی دو بیٹیاں تھیں۔ اب دعا کرنا میں جلدی سے پھوپو جانی بھی بن جاؤں آمین۔ مدیحہ نورین مہک آپ کی شادی کا پڑھا بہت بہت مبارک باد کے ساتھ نیک تمنائیں۔ ڈاکٹر زارا آپ نے دوستی کی درخواست کی اور ہم نے قبول کی۔ سمیرا سواتی کہاں غائب ہو گئی ہو جلدی سے واپس آ جاؤ۔ ورنہ میں کان پکڑوا کر اٹھک بیٹھک کراؤں گی تم سے (ہی ہی) مشی خان علشبہ نور، اقراء جٹ، نجم انجم اعوان، لٹل سسٹر نورین انجم، گلشن چودھری گل، حفصہ، زیلش ارشان، زور گل، تبسم بشیر حسین، تمنا بلوچ، تابی کھرل، ماہ رخ سیال، صائمہ مشتاق، فوزیہ سلطانہ، رقیہ ناز، ثنا فرحان، کوثر خالد، ارم کمال، فریدہ فری، انیلا طالب عائشہ شکیل، شازیہ ہاشم، افشاں سراج، نور چودھری، عنزہ یونس، اقراء ممتاز اور جن کے نام رہ گئے ان سے معذرت کے ساتھ سلام اور ڈھیروں دعائیں خط کافی طویل ہو گیا ہے اب اجازت چاہوں گی اللہ حافظ۔

(کرن شہزادی..... مانسہرہ)

سعدیہ رمضان سعدی اور آنچل

فرینڈز کے نام

السلام علیکم سب پڑھنے والوں کو سعدیہ رمضان سعدی کیسی ہو آپ کیا آپ وہی سعدیہ رمضان سعدی ہو جو جواب عرض ڈائجسٹ میں لکھتی تھی جس نے ایک اسٹوری بھی لکھی تھی وہ میری مقدر کا ستارہ تھا۔ بہت اچھی اسٹوری تھی آپ کی، میں نے آپ کے شعر آنچل میں بھی پڑھے اور حجاب میں بھی اگر آپ ہی سعدی ہیں تو پلیز کسی اور سلسلے میں آئیے آپ چپ کر رہی ہیں آپ نے ایک شعر اپنی اپنی اسٹوری میں لکھا تھا جو آج تک بھولا نہیں ہے مجھے ہمیشہ میں نے یاد رکھا ہے۔ آپ سے ریکوئسٹ ہے کہ اگر آپ وہی سعدی ہیں تو کسی اور سلسلے میں بھی آؤ۔ فاطمہ ظفر یار میں نے تمہارے بارے میں نہیں لکھا تو کیا میں نے آپ کے ابو کے بارے میں لکھا ہے ہاہاہا مذاق کر رہی ہوں، عالی ڈیئر فرینڈ ویسے فاطمہ ماڈرن ہونے کا راز تو بتاؤ عشرت فاطمہ کیسی ہو تم یار تم تو چاند کی مانند ہو گئی ہو کبھی دکھائی ہی نہیں دیتی ہو۔ کیا وجہ ہے یار کہاں مصروف ہو۔ تبسم تاج ڈائجسٹ پڑھنا اچھا لگتا ہے نا پر ڈائجسٹ واقعی ایک کمال کی چیز ہے۔ مدیحہ نورین مہک آپی جنوری میں آپ کی برتھ ڈے ہے تمی تمی ہیپی برتھ ڈے ٹو یو آپ ہمیشہ مہکتی رہیں۔ گلشن ڈیئر کزن مدیحہ ظفر کیم جنوری کو تمہاری برتھ ڈے ہے مبارک ہو جناب ہمیشہ خوش رہو۔ بھائی وقاص عمر پچیس دسمبر کو آپ کی برتھ ڈے تھی آپ کو مبارک اللہ آپ کو ہر موڑ پر کامیاب کرے پچھلے دسمبر میں انعم خضر سسٹر نے لکھا تھا۔ پرانا ڈائجسٹ دیکھا تو سوچا آپ کو بھی وش کر دیں۔ جویریہ وکی آپی آپ کیسی ہیں آپ زیادہ زیادہ لکھا کریں نا آپی نجمہ نذیر آپ کہاں چلی گئی ہو، حجاب اور آنچل کو چھوڑ کر۔ عائشہ رحمان آمنہ رحمان، انعم خضر ہما لیاقت، اریشہ راج سحر تبسم سحری نا آپی حنا ارشد آپ سب کہاں چلی گئی ہیں، کیوں نہیں لکھتیں سب عائشہ شکیل کیسی ہو آپ نور چودھری، تبسم بشیر، ماہا بشیر، جویریہ وکی آپی نجمہ نذیر آپی، شازیہ آپی حنا ارشد آپی گلشن چودھری، اقراء جٹ ماہ روح سیال آنٹی، پروین آنٹی، کوثر فائزہ شاہ، فائزہ بھٹی انجم انجم آنٹی جن کے نام رہ گئے ہیں سب کو سلام سب خوش رہیے دوستی کا کسی کو نہیں کہوں گی، کیونکہ دوستی ہمیں راس نہیں آتی، بھروسا ٹوٹتا ہے۔ میرا ہمیشہ دوستی میں اللہ حافظ۔

ثمر گلزار...... کوٹلی گجرات

پیاری دوستوں کے نام

سب کو میرا محبتوں بھرا اسلام پیش ہے جلدی سے قبول کریں۔ اللہ کرے سب خیریت سے ہوں آمین۔ نور چودھری اب آپ کی ساری پریکٹیس ہونی چاہئیں ورنہ آپ کو نکال دیا جائے گا آئی سمجھ کر۔ تبسم بشیر کیسی ہو آپ سیلانے بھی ریکوئسٹ کینسل کر دی۔ جانو گلشن اس بار آپ دوستی کر ہی لیں ورنہ پھر...... ڈاکٹر زارا تعبیر کلاس میں انجکشن تو نہیں لگاتی ہاں میری طرح (ہاہاہاہی ہی) مدیحہ نورین مہک اللہ تعالیٰ آپ کو نئی زندگی میں ہزاروں خوشیاں نصیب فرمائے (آمین) سحر سحری آپ کہاں گم ہو گئی ہیں۔ لندو نہ کھاؤ واپس تو آ جاؤ پلیز۔ ارم کمال آنی کیسی ہیں آپ۔ زرتاب خان، ماریہ نذیر، اقراء ممتاز، کبریٰ خان، رمشا آصف (پروین آپی آپ کو بہت بہت مبارک ہو ننھے شہزادے کی) فائزہ بھٹی میں آپ کو یاد کرتی ہوں بلکہ سب میری دعاؤں میں شامل ہیں، حرا ملک، رقیہ ناز، نورین انجم، ہالہ سلیم، عائشہ کشمالے، تابی کھرل واقعی؟ (تابی کیسی ہیں آپ) خوشی سرانوالی، بشریٰ رضوان، شیریں، ارم آصف، ام ہانی، تحریم اینڈ رابعہ، کرن شہزادی، اقراء جٹ، لبنیٰ شکیلہ، ثناء کنول، سمیعہ سجاول سب کیسی ہو فرینڈز، اللہ آپ سب کو خوش رکھے۔ نور چودھری واٹ از لو؟ آئی ڈونٹ نو بٹ آئی لو یو سوری۔ لو کے اس پیار بندی کو دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔ ورنہ کسی دن کوچ کر جاؤں گی (ہاہاہا)

عائشہ شکیل

گلاب کی کلیوں کے نام

رفعتیں اور بلندی بھی تجھ پہ ناز کرے
تیری یہ عمر خدا اور بھی دراز کرے
حسین چہرے کی تابندگی مبارک ہو
تجھے یہ سالگرہ کی خوشی مبارک ہو

ہیپی برتھ ڈے ہانیہ، علینہ، نرجس، سمانہ اور صاحب۔ کیسی ہو ہانیہ۔ اس بار میں تمہیں آنچل کے ذریعے وش کر رہی ہوں۔ بتانا ضرور کیسا لگا۔

جو اس کے چہرے پہ رنگ حیا ٹھہر جائے
تو سانس، وقت، سمندر، ہوا ٹھہر جائے
وہ گنگنائے تو ہنس ہنس پڑیں کئی موسم
وہ مسکرائے تو باد صبا ٹھہر جائے

علینہ میری پیاری سی چڑیل کیسی ہو؟ علینہ تمہاری یہ عادت بہت اچھی ہے کہ تم برا نہیں مانتی۔ صدا خوش رہو۔

مسکان تیرے ہونٹوں سے کبھی جائے نا
آنسو تیری پلکوں پہ کبھی آئے نا
پورا ہو تیرا ہر خواب اور

جو پورا نہ ہو وہ خواب کبھی آئے نہ (آمین)

نرجس کیسی ہو۔ تم ڈراموں کی اسٹوریز بہت اچھی سناتی ہو۔ (صدا سناتی رہو) ہاہا افسانہ تمہارے بارے میں لکھتے ہوئے الفاظ نہیں آ رہے۔ تمہارے ساتھ جو دو سال اسکول میں گزارے وہ میں کبھی نہیں بھول سکتی۔ ہم سب کی شرارتیں (اُفف) اور تمہاری..... ایک شعر عرض ہے۔

"دعا میں لب پر سوال رکھنا
نگاہ میں اتنا کمال رکھنا
دینا چاہتے ہو اگر خوشیاں ہمیں
تو خوش رہنا اور اپنا خیال رکھنا

صباحت میری چھوٹی اور پیاری سی دوست تمہاری اسمائل بہت پیاری ہے۔ خدا کرے تم یوں ہی مسکراتی رہو (آمین)

تمہاری سالگرہ پر دعا ہے یہ میری
کہ ایسا روز مبارک بار بار آئے
تمہاری ہنستی ہوئی زندگی کی راہوں میں
ہزاروں پھول بناتی ہوئی بہار آئے (آمین)

اللہ تعالیٰ تم سب کے نصیب اچھے کرے، ہر قدم پر کامیابی دے اور تمہاری زندگی ہمیشہ پھولوں کی طرح مہکتی رہے۔ (آمین ثم آمین)

دعاؤں کی بھیڑ میں ایک دعا ہماری ہوگی
جس میں مانگی ہر خوشی تمہاری ہوگی

(لائبہ علی..... کراچی)

آنچل فرینڈز کے نام

میری طرف سے سب کو محبت بھرا سلام۔ رقیہ ناز آپ نے مجھے یاد کیا آپ کا شکریہ۔ نازیہ کنول آپ کیسی ہیں۔ ارم کمال آپ کو میرا سلام۔ اقرا جٹ آپ بھی خوش رہو۔ ماریہ نذیر اللہ آپ کو ہمیشہ خوش اور سلامت رکھے آمین۔ کوثر خالد سودا آپ کیسی ہیں۔ نور چودھری آپ بہت اچھی ہیں۔ آخر میں یہ بتاتی چلوں میں نے اپنا نام بینا خالد سے بینا دعا رکھا ہے۔ نومبر میں میری سالگرہ ہے۔ خدا حافظ۔

(بینا دعا..... ملتان)

آنچل فرینڈز کے نام

السلام علیکم کیا حال ہے آنچل فرینڈز؟ امید ہے کہ سب خیریت سے ہوں گی۔ میں بھی ٹھیک ہوں۔ سب سے پہلے تو رقیہ ناز اور فائزہ بھٹی آپ نے مجھے یاد کیا اچھا لگا۔ ہمیشہ خوش رہیں

(آمین) اس کے علاوہ مدیحہ نورین مہک آپ کو شادی کی مبارک باد اللہ تعالیٰ آپ کو زندگی کے ہر میدان میں کامیاب کرے (آمین) اور رضوانہ وقاص اللہ تعالیٰ آپ کی ہر بیماری دور کرے اور صحت و تندرستی عطا کرے (آمین) آخر میں تمام آنچل پڑھنے والوں کو بہت سلام اور دعائیں۔ اللہ حافظ۔

(عظمیٰ بتول..... تلہ گنگ)

نینو کزن صبہ کے نام

السلام علیکم! پیاری لڑکی کیا حال چال ہیں اور کیا کر رہی ہو ان دنوں اور گھر میں سب کیسے ہیں۔ ملتان کب آنا ہے۔ تم نے میں انتظار کر رہی ہوں۔ اور تم نے کہا تھا ناں کہ اپنی دوستی پر کچھ لکھوں۔ تو میں نے کچھ لکھا ہے۔ میں تمہیں میسج بھی کر سکتی تھی پر آنچل کے ذریعے اپنی بات کہنے کا مزا ہی کچھ اور ہے۔

میری حیات کے ان گزرے ماہ و سال میں
ایک پکی ہے دوستی کے ہر حوالے میں
وہ اپنی ذات میں انوکھا بھرم رکھتی ہے
نام صباء ہے اور ہوا پہ قدم رکھتی ہے
شب تاریک میں امید کا دیا بن کر
ساتھ دیتی ہے ہر مشکل میں ہمنوا بن کر
سنگ اس کے دیکھی ہیں جیون کی بہاریں کتنی
اپنے بڑوں سے اس نے کھائی ہیں ماریں کتنی
اکثر دہراتی ہوں خود سے وہ پرانے قصے
جب ہم کھیتوں میں پنچھیوں کے سنگ چہچہائے تھے
تپتی دوپہر میں کچے آم توڑا کرتے تھے
چلو یادوں سے کچھ لمحے چرا لیں پھر سے
بوڑھی اماں کے دو بیر چرا لیں پھر سے
معصوم سا وہ بچپن اپنا
بس کل کی بات سا لگتا ہے
تم سنگ کزن ہر لمحہ آج بھی روشن روشن لگتا ہے
میرے دل کی بنجر بستی میں
ایک خاص مقام وہ رکھتی ہے
دیکھ کر اسے دل خوش ہوتا ہے
جب جب کھل کر وہ ہنستی ہے
کچھ خاص ہے اس سے ربط اپنا
ہے یاروں میں یارا رنگ اپنا
ہر پل دستِ دعا میں رہتی ہوں

سچ ہو اس کا ہر اک سپنا
انعم خود کو خوش بخت سمجھتی ہے
وہ مجھے مانتی ہے دل سے اپنا

پڑھ کر بتانا کیسا لگا۔ اور ظفر بھائی، کنول باجی، یاسر بھائی نجف باجی، ناصر بھائی نازیہ باجی، لیان، شلیان، روحن، روشنی، علی بھائی، راحیلہ باجی، حسن، مہک، غزل اور سب کو سلام خدا حافظ۔

(انعم زہرہ.....ملتان)

میری سوئیٹ دوست (کنول شہزادی) کے نام

ڈیئر کنول شہزادی کیسی ہو؟ تمہاری برتھ ڈے سات جنوری کو ہے میری طرف سے سالگرہ بہت بہت مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں زندگی کی ساری خوشیاں عطا کرے اور جو تم چاہتی ہو تمہیں مل جائے۔ کنول شادی کب کروگی۔ انوائٹ کرنا کی مجھے نہ کیا نہ تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔ ہائے صبا کیسی ہو؟ میں نے سنا ہے تمہیں دنیا میں ایک ہی شخص اچھا لگتا ہے اب نام بتادو پلیز۔ شانزہ آپی ہم نے آپ کو فرینڈ ریکویسٹ بھیجی تھی دوستی کریں گی؟ نور چودھری مجم انجم اعوان ڈاکٹر زارا تعبیر و ماریہ نذیر وام ہانی عائشہ شکیل، صائمہ مشتاق، یاسمین کنول گلشن چودھری کیسی ہو سب۔ میری سویٹ دوست کنول کو برتھ ڈے گفٹ پیش کرو۔ (چلو شاباش) اچھا خدا حافظ دعاؤں میں یاد رکھنا۔

(مدیحہ طارق......حویلیاں)

"سیکھوں سہیلیوں کے نام"

امید ہے کہ سب سہیلیاں خیریت سے ہوں گی۔ میں الحمداللہ آپ سب کی دعاؤں سے بالکل ٹھیک ہوں میں نے آپ سب کے نام بے شمار پیغامات لکھے پر آنچل والوں نے لگائے ہی نہیں۔ چلیے کوئی بات نہیں۔ سب سے پہلے ام ہانی شاہدہ سویٹ اتنی محبت کا شکریہ، سکے والی بات ہی نہیں دعاؤں اور پیار کے لیے بہت شکریہ۔ پیاری ارم میری امی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ دعا کریں کیا پتا نہیں آپ کی دعا لگ جائے۔ یاد کرنے کا شکریہ۔ میری پاری ٹوٹی فروٹی نوری شکر الحمداللہ تم نظر آئیں۔ جان تم اس سے کہیں زیادہ محبت ڈیزرو کرتی ہو گھر آجاؤ رج کے لڑو میری جان میں کہیں نہیں غائب ہوتی آنچل والے کردیتے ہیں، ورنہ آنچل سے دوری توبہ توبہ! دعاؤں کا شکریہ ہمیشہ یوں ہی ہنستی مسکراتی رہو آمین۔ فائزہ بھٹی یاد تو بہت کرتی ہوں، بلکہ اکثر تو سوچتی ہوں کہ اڑ کر تم میں سے کسی کے گھر چلی آؤں، اللہ تمہیں خوش رکھے (آمین) باقی رقیہ ناز، زرتاب خان، رمشا آصف کبریٰ خان، لبنیٰ شکیلہ یاد رکھنے کا شکریہ کیسی ہیں آپ سب؟ اللہ خیر و عافیت سے رکھے۔ باقی اقرا جٹ پہلی شاعری شائع ہونے پر مبارکباد اللہ مزید کامیابیاں دے۔ ارم کمال، حمیرا قریشی، فریدہ فری، ثنا فرحان، عثمان عبداللہ، دلشاد نسیم، حافظہ سمیرا، ارم صابر، پروین افضل، سباس گل، الفت، فائزہ عباسی، کوثر ناز، کہکشاں خالد، عائشہ پرویز روبینہ اکرم، امبر گل، نعیم الضر، مرزا ریاض، لیہا رضوان، عمیرہ انیس، ایمل ماروی یاسمین، عروہ انیس، وقاص عمر (کہاں غائب ہیں؟) پارس مغل، ماریہ طفیل، فیاض، ریحانہ وڑائچ، بنت کنول، مہرین مہک، مدیحہ مہک (شادی کی بہت بہت مبارکباد اللہ خوش رکھے) سباس گل، شازیہ ہاشم، مسز نگہت غفار، فریدہ فری، مدیحہ کنول، سائرہ خان، شگفتہ خان، اقرا جٹ، مدیحہ اکرم، ام ہانی، اقصیٰ شوکت، بشریٰ رضوان، شیریں، ارم، آصف، خوشی سرانوالی، گلشن چوہدری، نور چودھری، رقیہ ناز، زرتاب خان، فائزہ بھٹی، حرا گل، تابی کھرل، رمشا آصف، اقراء ممتاز، ماریہ نذیر (سالگرہ مبارک) صائمہ مشتاق، کبریٰ خان، تبسم شہزادی تابی کھرل، رحمہ ثانی، دانیا آفرین، علمہ شمشاد، عاقب جاوید، ثمرین رانا، ثنا جعفری، یاسمین کنول، ہیشا شوکت، شیریں اسلم، تحریم اینڈ رابی، عائشہ شکیل، کرن شہزادی، ثنا کنول، رضوانہ وقاص، سمیعہ سجاول، شانزہ شانو، عطیہ ندیم خان، لالہ رخ، عرشیہ زاہد، انیلا طالب اور افراح آصف (مغل پورہ) میری طرف سے آپ سب کو نیا آنے والا سال 2020ء بہت بہت مبارک۔ اللہ اس سال آپ سب کو ڈھیروں خوشیاں و کامیابیاں عطا فرمائے اللہ آپ کو ہر دکھ سے دور رکھے (آمین ثم آمین) اور پلیز آپ سب بھی میرے لیے میرے گھر والوں کے لیے میری کامیابیوں کے لیے دعا کریں، کیونکہ میری دعا سب کے حق میں قبول ہوتی ہے۔ سوائے میرے اپنے سو پلیز اللہ حافظ فی امان اللہ۔

(تبسم بشیر حسین......ڈنگہ)

فرینڈ اینڈ فیملی کے نام

السلام علیکم! سب سے پہلے اپنی ماں کے لیے جو سرد و گرم رویوں سے ہمیں بچا کر رکھتی ہیں لو یو مام خوش رہا کرو، دادی اماں آپ ہمارے لیے دعا کیا کریں بزرگوں کی دعائیں اللہ قبول کرتے ہیں ویسے تو آپ اسمارٹ ہیں، مگر اللہ سے دعا ہے کہ آپ کو صحت و تندرستی عطا کرے آمین۔ ثناء تم جیسی بے وقوف میں نے آج تک نہیں دیکھی اپنا مذاق مت بنوایا کرو، اللہ میری بہن اقراء سعدی اور ثناء کے نصیب اچھے کرے آمین ارم فاطمہ اور محمد علی تمہیں سال گرہ کی بہت بہت مبارک۔ مس کوثر آرا آپ کو کیسے بھول سکتی ہوں۔

اللہ آپ کے بچوں پر آپ کا سایہ قائم رکھے آمین۔ تبسم باجی آپ کی ایک ہی بیٹی ہے اس کی قدر کیا کریں، اولاد جیسی نعمت ہر کسی کو نہیں ملتی اللہ سوئیٹ ایشال کے نصیب اچھے کرے۔ نازش تم چھوٹی موٹی بات دل پہ نہ لیا کرو، بس کبھی غصہ آتا ہے مجھے تو تمہیں ناراض کر دیتی ہوں۔ مس حمیرا بہت تھینکس ہیں اللہ سے دعا ہے کہ آپ کو اچھا گھر اور بر عطا کرے خوشیوں سے زندگی بھر دے آمین۔ سمیرا آپ بھی بہت اچھی ہیں۔ ہر ایک کا خیال اور احساس کرنے والی اللہ آپ کو صحت اور سلامتی والی زندگی دے اور بچوں پر آپ کا سایہ قائم رکھے آمین۔ مس شمشاد اللہ آپ کی بھی پریشانیاں جلد از جلد دور کردے اور گھر میں سکون عطا کرے۔ شیریں ہر بات پر چیخ مارنا چھوڑ دو۔ اللہ کرن نشاء اور کلثوم کو اولاد جیسی نعمت سے نوازے آمین۔ باقی سب فرینڈز کو میرا اسلام۔ اللہ حافظ۔

(بشریٰ رضوان...... شاہدرہ بہاولپور)

ٹیچر اینڈ فرینڈز کے نام

السلام علیکم جی کیسے ہیں آپ سب لوگ امید ہے جہاں ہوں گے خیریت سے ہوں گے۔ سب سے پہلے ٹیچر فرحت ٹیچر مقدسہ میڈم، سمیرا مس شمشاد سب کو سلام اور دعائیں، ٹیچر فرحت اللہ پاک آپ کو ہمیشہ خوش رکھے۔ ٹیچر مقدسہ آپ کے ساتھ کم ٹائم گزرا مگر بہت اچھا گزرا۔ آپ کا پیار سے بلانا ہمیشہ یاد آتا ہے، میڈم سمیرا سب سے پہلے تھینک یو سوچ مجھے سمجھنے کے لیے۔ صرف آپ ہیں جن کی وجہ سے میں لائف میں اتنا آگے بڑھی۔ مس شمشاد پریشان مت ہوا کریں۔ آپ ہمت ہار جائیں گی تو آپ کی سسٹر کو کون سنبھالے گا۔ اللہ پاک سے دعا ہے وہ آپ کی سسٹر کو جلد صحت یاب کرے آپ کی پریشانیوں کو دور کرے، مس حمیرا اللہ پاک آپ کے نصیب اچھے کرے اور ہاں میڈم سمیرا شادی کی سالگرہ بہت مبارک ہو اللہ پاک آپ کو اپنی فیملی کے ساتھ خوش رکھے، آپ کے بچوں کو لمبی صحت والی زندگی دے آمین۔ عاصمہ شادی بہت مبارک ہو زوہیب بھائی کے ساتھ ہمیشہ خوش رہو۔ انعم اینڈ ارسلان بھائی آپ دونوں، بہن بھائی کو بھی شادی مبارک ہو۔ اللہ آپ کی آنے والی زندگی خوشیوں سے بھر دے۔ اللہ پاک آپ کے بھائی کو جلد از جلد صحت یاب کرے اللہ پاک میرے والدین کو لمبی صحت والی زندگی دے۔ ان کا سایہ ہمارے سر پر برقرار رکھے۔ میری فرینڈز شہنیلہ، فوزیہ، سعدیہ، نازش ثمرین، ثناء، بشریٰ، عالیہ، حنا، افشاں شہناز، سوال، عابدہ ثمرین، عمرین، سب کو بہت سلام اور دعائیں تھینک یو آل آف یو میری لائف میں آ کر میری زندگی اتنی خوب صورت بنانے کے لیے۔

(شیریں...... شاہدرہ)

میری تمام دوستوں اور آنچل ریڈرز اور رائٹرز کے نام

السلام علیکم تمام پڑھنے والوں کو، مجھے امید ہے آپ سب خیریت سے ہوں گی۔ اپنے اپنے گھروں میں اپنے اپنے خرچے پر۔ سب سے پہلے میں اپنی بیسٹ فرینڈ عتیقہ تمہیں تمہاری برتھ ڈے وش کرتی ہوں جو کہ بائیس نومبر کو تھی۔ ہیپی برتھ ڈے ٹو یو ڈیئر فرینڈ۔ برتھ ڈے کا کیک میرے لیے رکھ دینا اور مجھے تم سے بہت محبت ہے آئی لو یو عتیقہ اور یار زری تم کیسی ہو بات سنو۔ کسی دن تم میرے ہاتھوں قتل ہو جاؤ گی۔ کیونکہ میری ہر بات کا جواب تم بہت ٹھنڈا دیتی ہو۔ (برف ڈال کے) اور تمہارے سرد انداز پر مجھے بہت غصہ آتا ہے۔ اور جو تم ہر چھوٹی چھوٹی بات پر مجھ سے ٹریٹ مانگتی ہو ناں تو یقین مانو کسی دن تم سے سارے حساب برابر کروں گی۔ میری باقی فیلوز تم کن کاموں میں مصروف ہو یار۔ خدیجہ، اریج، فائزہ (فیض احمد فیض) اپنے ان کو میرا اسلام کہنا۔ عظمیٰ تابی تم سب کو دور سے میرا اسلام۔ دور سے اس لیے کہ تم لوگ مجھ سے دور بیٹھتی ہو۔ اور فائزہ اپنی ان کے ساتھ ساتھ ہمارے ان کا بھی خیال رکھنا۔ اریج یار تمہارے ساتھ بہت مزہ آتا ہے۔ خصوصاً تمہاری شرارتیں کالج ٹائم کے بعد بہت یاد آئیں گی۔ اب کچھ پرانی دوستوں کو بھی یاد کرلوں ہاں۔ جناب رابعہ آپی، روزینہ ناز (چڑیل) ثمین (تم بھی زندہ ہو کہیں) مجھے یقین ہے تم ڈائجسٹ اب بھی پڑھتی ہوگی۔ اس لیے یار تمہیں میری طرف سے بہت بہت سلام اور باقیوں کو بھی۔ اور یار کہاں ہوتی ہو تم ثمین کبھی کچھ ڈائجسٹ میں لکھو تاں اور بتاؤ کہاں ہوتی ہو اور میری کزن سعیدہ بائیس نومبر کو آپ کی شادی تھی۔ بہت بہت مبارک ہو۔ میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔ نوشین تم نے مجھے پاس ہونے کی مبارک تک نہیں دی (ناراض ہوں میں تم سے) بیسٹ فرینڈ عاصی کی برتھ ڈے تھی انتیس نومبر کو آپ کو بھی بہت ساری بیسٹ وشنز۔ آنچل رائٹرز اور ریڈرز میں آپ سے دوستی کرنا چاہتی ہوں۔ کیا آپ سب مجھ سے دوستی کرنا چاہیں گی۔ بھائی وقاص عمر آپ کی شاعری مجھے بہت پسند ہے اور آپ نے اپنی کتاب بھی لکھی ہے۔ مجھے اس سلسلے میں آپ کی مدد چاہیے میں بھی اپنی شاعری شائع کروانا چاہتی ہوں۔ پر مجھے معلوم نہیں ہے کہ کیسے کرواؤں۔

(فاخرہ صغیر...... آزاد کشمیر سہنسہ)

دوست کا پیغام آئے

سب سے پہلے سب کو نیا سال مبارک ہو اور آنچل وحجاب کو بھی۔ "موم ہانی" اللہ تمہیں خوشیاں دکھائے اس نئے سال میں "مجھے دعا دینے اور یاد رکھنے کا بے حد شکریہ پیاری لڑکی آئی لو یو (ہاہاہا) پیاری رقیہ ناز خوش رہو ان شاءاللہ ڈھیروں بہاریں دکھائے تمہیں۔ سوئیٹ زرتاب خان تم بھی اگر مجھ جیسی یعنی اگر پٹھان ہو تو خوش آمدید اب ہم پکے دوست ہیں، پیاری۔ ارے ارے میری امی پٹھان اور ابو پنجابی ہیں۔ پریشان مت ہو میں مکسچر ہوں (ہاہاہا) اور میری ہم نام اور میری دل کی دھڑکن فائزہ بھٹی میں آپ کو بہت مس کرتی ہوں، پلیز اگر برا نہ مانیں تو کیا آپ مجھ سے اپنا نمبر شیئر کرسکتی ہیں۔ مجھ پر اعتبار کرکے تو دیکھیں (پلیز) تانی کھرل ویلکم بیک کیسی ہو؟ رمشا آصف ڈیئر مجھے یاد کرنے کا شکریہ آپ بہت پیاری لڑکی ہیں۔ اقراء ممتاز آپ تو مجھے اس محفل کا تارا لگتی ہیں، پلیز تسلسل ہر ماہ آیا کریں ہا محفل میں۔ پروین افضل آپی آپ کو منیب مبارک ہو، ہمیشہ خوش و مطمئن رہیں اور مجھے بھی پیغام میں شامل کرلیں (ہاہا) ماریہ نذیر سالگرہ مبارک ہو میری جان سدا کامیاب رہو۔ (آمین) کبریٰ خان خوب صورت لڑکی سدا سلامت رہو مجھے دعا میں شامل کرنے کا شکریہ کیا تم بھی پٹھان ہو؟ دوستی کرلو یار مجھ سے۔ مدیحہ مہک جب آپ اپنے قلم سے کسی کے لیے پیاری لڑکی کا لفظ استعمال کرتی ہیں تو بے اختیار آپ کے ہاتھ چومنے کو جی چاہتا ہے (کچھ زیادہ نہیں ہوگیا ہاہاہا) آپ کو شادی مبارک اور ہمارے دلہا بھائی کے ساتھ زندگی کی کئی بہاریں نصیب ہوں آمین شادی کے بعد اپنا انٹرویو لازمی بھیجنا کہ کیسا محسوس ہو رہا ہے۔ غائب مت ہونا اور جنہوں نے بھی مجھے اپنے خطوط میں یاد رکھا، آپ سب کو رب تعالیٰ تاحیات خوشیوں سے سیراب کرے آمین۔

(فائزہ شاہ...... لانڈھی کراچی)

پیاری دوست نور العین کے نام

السلام علیکم! امیری کیوٹ اینڈ ہارٹ فیری نور الدین (نور) کیسی ہو یار؟ ستائیس دسمبر کو تمہارا برتھ ڈے ہے۔ مائی سوئیٹ ہارٹ "منی منی ہیپی برتھ ڈے ٹو یو" تم سلامت رہو۔ اور ہمیشہ ہنستی مسکراتی رہو۔ خدا تمہیں زندگی کے ہر موڑ پر خوشیاں نصیب کرے۔ نومبر میں تمہاری شادی ہوگی۔ میں بہت اداس ہوں۔ تمہارے بغیر کیسے رہوں گی؟ مجھے تمہارے ساتھ گزارا اسکول ٹائم بہت یاد آتا ہے۔ وہ شرارتیں، پرانی یادیں، وہ باتیں، میں کبھی نہیں بھول پاؤں گی۔ بس میری دعا ہے کہ تم سدا مسکراتی رہو اور ہم دونوں کا ساتھ سدا یوں ہی برقرار رہے۔ بہت خاص، بہت خاص، بہت خاص ہو تم۔ میری دعا ہے کہ غم کا سایہ بھی تم پر نہ پڑے اور تمہیں زندگی میں محبتیں اور سکون ملے آمین

(شانزہ پرویز شانو...... ایبٹ آباد)

آنچل فرینڈز کے نام

السلام علیکم! ہمیشہ کی طرح اس بار بھی سب آنچل پریوں کو پری وش کا محبتوں بھرا اسلام اور دعائیں امید ہے سب خیریت سے ہوں گے سب سے پہلے۔ کنول ناز ہمیں آپ کی دوستی دل و جان سے قبول ہے اللہ تعالیٰ ماں جی کو صحت وتندرستی عطا فرمائیں اور وہ جلدی سے ٹھیک ہوجائیں اور ہماری پیاری سی کنول ناز کے اداس چہرے پر مسکراہٹ پھر سے لوٹ آئے (آمین) ماہ رخ سیال ہمیں محبت نامہ بھیج کر آپ کہاں گم ہوگئیں۔ پلیز کم بیک، روبینہ کوثر آپ نے بھی یاد رکھا، تھینکس ڈیئر ہشاہ زندگی (ملتان) آئی مس یو کہاں گم ہیں آج کل نہ کال پہ بات کرتی ہیں نہ میسج کا جواب دیتی ہیں سب ٹھیک تو ہے نا اتنا پیار اور خلوص دینے کے بعد یوں اچانک دوری بہت بے چین کررہی ہے۔ ہمیں پلیز جواب ضرور دینا آخر میں آنچل کی سب پریوں سے کہنا چاہوں گی کہ نماز اور قرآن کی پابندی کریں اللہ حافظ۔

(پری وش...... بستی ملوک ملتان)

پرنسز کے نام

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ، سب سے پہلے تو ہم یہ پوچھیں گی کہ آپ سب کے مزاج کیسے ہیں، کیسی لائف چل رہی ہے جنابوں! ہم تو بہت ہی مصروف تھے۔ پچھلے تین ماہ سے پہلے پیپرز کی تیاری پھر پیپر دیے۔ پھر بھانجی (نور فاطمہ) پیدا ہوگئی (بہاراں ہی بہاراں) پھر رزلٹ آگیا۔ الحمدللہ بہت اچھے نمبرز حاصل کیے اب پھر نیا گھر بن رہا ہے اتنی مصروفیت ہے کے پوچھو بھی نا، پھر بھی کچھ ایسی خاص ہستیاں جنہوں نے لکھنے پر مجبور کردیا۔ "کنول ناز ڈیئر ہمیں آپ کی دوستی دل و جان سے قبول ہے (خوش رہو) مدیحہ نورین، بہت شکریہ یاد رکھنے کا (اللہ آپ کو خوشیاں عطا کرے) ماریہ سرگودھا کیسی ہیں؟ حرا گل غفور ہمیں آپ کی بھی دوستی قبول ہے۔ افشاں سراج ڈیئر ہم ٹھیک ٹھاک ہیں آپ سنائیں۔ ایمن غفور (ڈیئر سوئیٹی، لولی، ہم ٹھیک ٹھاک بالکل خوش رہو، نجم انجم، نورین انجم (چھوٹی فیملی) آپی شازیہ ہاشم (اب بات بھی نہیں کرتیں) رقیہ ناز، تحریم (بھول گئی ہو بالکل) سب کیسے ہیں۔ آپی پروین افضل، بہت بہت مبارک ہو منیب الحسن کی۔ تبسم بشیر حسین کیسی ہیں امی

کیسی ہیں اب؟ زارا تعبیر ڈیئر کیسی ہو؟ صائمہ مشتاق، ماہ رخ سیال، فائزہ شاہ، عائشہ شکیل، ارم آصف، ثنا فرحان، اُمِ زہرہ جاذبہ عباسی (یار کیا گلہ ہے ہمارے جھنگ سے) آپ سب کیسی ہیں؟ ہماری طرف سے ڈھیر سارا سلام۔ بھائی وقاص عمر کیسے ہیں؟ ہمیں آپ کی پوئٹری بہت پسند آتی ہے۔ اب تو کوئی میسج بھی نہیں کرتے بابا جی آپ کو یاد کر رہے تھے۔ نور چودھری، ہم پیر محل خالہ کے گھر جاتے ہیں ایڈریس دے دو، ہم آپ کے گھر آئیں گے۔ اقراء ممتاز، ایم سحر، جویریہ دکی، آپ سب کیسی ہیں۔ محبتوں بھرا سلام۔ جویریہ آپی آپ کی نصیحتیں دل پر اثر کر گئیں۔ رابعہ آصف کیسی ہو یار آنچل، حجاب میں انٹری کیوں نہیں دیتیں۔ ہماری اسکول فرینڈز اگر کوئی آنچل و حجاب پڑھتی ہیں تو ڈھیر سارے سلام کے ساتھ آپ بھی آنچل میں شامل ہو جائیں۔

(رابعہ احمد بھٹی اینڈ تحریم.....کوٹ شاکر جھنگ)

وقاص عمر کے نام

پاکیزہ خیالات کی دھوم تجھے مبارک
روشن سے کمالات کا قلزم تجھے مبارک
پچیس دسمبر کو تو آیا تھا وقاص عمر
قائد کے سے حالات کی شبنم تجھے مبارک
تاج رقم کر نا زمانے میں انوکھی تو
جوانی کی شروعات تبسم تجھے مبارک
سودائے محمد ہوں دعائیں میں لٹاؤں
سودا کے انعامات مقدم تجھے مبارک

(سودائے محمد سردار.....جڑانوالہ)

سب آنچل پڑھنے والوں اینڈ پسندیدہ لوگوں کے نام

ہما آپی اینڈ سب آنچل قارئین کو میرا سلام۔ فاریہ اینڈ ام ہانی مجھے آپ کی دوستی قبول ہے۔ کنول ناز آپ کی امی کو اللہ جلد صحت یاب کرے اینڈ دوستی کی درخواست سب آنچل پڑھنے والی لڑکیوں تمنا بلوچ عرف نسیم کامران، عظمیٰ فرید باقی سب اینڈ آنچل قارئین کو سلام اینڈ دوستی کرنا چاہیں تو موسٹ ویلکم، لوگ دوستی کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہیں۔ میں پھول لیے کھڑی ہوں۔ ویسے تو میرے بہت سارے شوق ہیں، لیکن آل ٹائم شوق ڈائجسٹ، بکس پڑھنا اینڈ ایف ایم سننا، کس کس کو ایف ایم سننا اچھا لگتا ہے۔ ضرور بتانا۔ میں زیادہ تر ایف ایم نائنٹی ون سنتی ہوں۔ ایف ایم نائنٹی ون ڈی آئی کے آل آرجیز اینڈ سننے والوں کو میرا سلام۔ اگر کسی نے یاد رکھا اور ہما آپی جگہ دیتی رہیں محفل میں تو ضرور حاضر ہوتی رہوں گی۔ اللہ حافظ جی۔

(ثناء کنول.....ڈیرہ اسماعیل خان)

اپنوں کے نام

السلام علیکم بہت ہی پیاری مخلص اور محبتیں بانٹنے والی سویٹ سی کزن، ہم آپ کی تکلیف کو محسوس کر سکتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ الفاظ آپ کے دکھ کے سامنے کچھ بھی نہیں، لیکن دنیا تو عارضی ہے، ایک نہ ایک دن سب نے چلے جانا ہے پر کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ہم ان کو کبھی نہیں بھول سکتے۔ بس کچھ مجبوریوں کی وجہ سے ہم نہیں آ سکے مگر کوشش کریں گی کہ جلد ہی آ جائیں۔ ابھی ڈھیر ساری دعائیں اور پیار۔ روبینہ کوثر بہت شکریہ کہ آپ نے دوبارہ سے آنچل کے ساتھ تعلق جوڑ لیا ہے۔ اب آئندہ آنچل سے غائب نہ ہو جانا ورنہ ابن سینا سائنس کی سب اسٹوڈنٹس اور کولیگز کی تہہ دل سے شکر زار ہوں، جنہوں نے بہت پیار اور عزت دی مسز نعمان صاحب آپ نے بھی جو عزت اور خلوص دیا ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے بہت شکریہ اور دعا ہے کہ آپ کا ادارہ دن دگنی ترقی کرے۔ ورفاریہ نورٹی فور مہم بھی آپ کی طرح معصوموں کو زیور تعلیم سے آراستہ کرتی ہیں اور اسکول ٹیچر ہیں اور آپ ڈریے نہیں یہ مخلص لوگوں کا ادارہ ہے۔ یہاں بہت محبت اور اپنائیت ہے سب میں ارے ایمن جی سمیعہ رانی تو ہماری چھوٹی سسٹر ہے آپ کیسے جانتی ہیں اسے جو سمیعہ رانی آپ سمجھ رہی ہیں وہ کوئی اور تو نہیں ہے آخر میں سدرہ سے کہنا چاہوں گی کہ ڈیئر کزن وقت گزر جاتا ہے، مگر اپنوں کے رویے یاد رہتے ہیں۔ آخر میں آنچل فرینڈز کو بہت سا سلام اور دعائیں۔

(ثوبیہ سحر حسین.....بستی ملوک)

دوستوں کے نام

السلام علیکم! کیسی ہیں سب دعا ہے کہ بالکل ٹھیک ہوں، ہنستی مسکراتی رہیں ہر ماہ کی طرح اس ماہ بھی چاہنے والیوں کے محبت بھرے پیغامات نے دل باغ باغ کر دیا۔ سلامت رہیں سب۔ عرشیہ زلید عرشی ہم آپ کے دل میں رہتے ہیں، ہیں رہنے کا کرایہ تو نہیں مانگو گی بتا دینا میں الرٹ رہوں گی۔ پرنسز اریج بھلا اس میں پوچھنے کی کیا بات ہے لو آج سے ہم فرینڈز ہاتھ ملاؤ لڑکی۔ کرن شہزادی اللہ کا کرم ہے میں بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ کیسی ہیں ڈیئر۔ ماریہ والسلام ماروی یاسمین والسلام آپ کو بھی بہت سا سلام اور دعائیں ڈیئر۔ شانزہ پرویز شانو خیر مبارک پیاری خوش رہو ہمیشہ

صائمہ مشتاق میں بالکل ٹھیک ہوں آپ کیسی ہیں؟ فہمیدہ آج کل تمہارا واٹس اپ پہ دل نہیں لگ رہا۔ لائبہ تہذیب کیسی ہو یقیناً ٹھیک ہی ہوں گی۔ نورین، تم کدھر غائب ہو ڈیئر اور اقرا و وسیم سالگرہ مبارک ہو ہنستی مسکراتی رہو آمین۔ انا احب شادی کے بعد تو آنچل سے ایسے غائب ہو جیسے تھی ہی نہیں کیا شادی کے بعد میں بھی ایسے ہی غائب ہو جاؤں گی لو ہو مدیحہ شب شب بولو ہاہاہا فائزہ بھٹی، پروین افضل ثوبیہ ناز، تبسم بشیر، فریدہ فری، ارم کمال، نجم انجم، رقیہ ناز اور جس جس کا نام رہ گیا اب سب کو میری طرف سے ڈھیر سارا سلام اور دعائیں۔ خوش رہیں، خوشیاں بانٹیں، زندگی کو نفرتوں اور سازشوں کی نذر مت کریں ،اللہ ہم سب کی تمام تر مشکلات کو آسانی میں بدلے اور ہم سب کی زندگیوں کو خوشیوں اور سکون سے بھر دے آمین۔

(مدیحہ نورین مہک...... گجرات)

پیاری اپیا انیلا منصف اور پیاری دستوں کے نام

السلام علیکم! کیا حال ہے آپ سب کا، امید ہے کہ آپ سب خیریت سے ہوں گے اور اللہ پاک سے دعا ہے کہ وہ آپ سب کو ہمیشہ خیریت سے اور اپنی امان میں رکھے آمین ثم آمین۔ سب سے پہلے تو میری شہزادی آدل جو کہ میری انسپائر بھی ہیں۔ ان کو جنم دن (اٹھائیس دسمبر) کو ہے۔ بہت، بہت مبارک ہو۔ تب تک ان شاء اللہ آپ کو میرا پیارا سا گفٹ بھی پہنچ جائے گا۔ وہ کارڈ کے لیکن سوچا اس بار انوکھے انداز میں وش کروں۔ سو آنچل کے ذریعے وش کرنے کا سوچا۔ آدل اللہ پاک سے دعا ہے کہ وہ ہمیشہ آپ کو خوش رکھے اور ہمیشہ اپنی امان میں رکھے آمین اور آپ کی تمام دلی دعائیں قبول و منظور فرمائے آمین۔ آپ کو پتا ہے کہ آپ میری انسپائریشن ہیں۔ میں بھی آپ کی طرح بننا چاہتی ہوں، جس طرح آپ نے اپنی فیملی کے لیے قدم اٹھایا جو کہ خاندان والوں کی باتوں کے ڈر سے کوئی لڑکی نہیں اٹھا سکتی تھی۔ میں بھی اسی طرح اپنی فیملی کو سپورٹ کرنے کے لیے آپ کی طرح اپنی فیملی کا لڑکا بننا چاہتی ہوں۔ میں جانتی ہوں کہ اپنی فیملی سے اتنے دور دیار غیر میں رہنا بہت تکلیف دہ ہے اور مشکل بھی ہے، لیکن آپ کے اس قدم اٹھانے سے آپ کی بہنوں کا فیوچر بن رہا ہے۔ ماشاء اللہ سے اور آپ کے ابو جان جن کو آپ نے بیٹے کی کمی محسوس نہیں ہونے دی۔ اور ان کو جو مان آپ پر ہے اور ہمیشہ رہے گا ان شاء اللہ۔ اور میری دعا ہے کہ اللہ پاک آپ کو آپ کی تمام محنت کا پھل بہت میٹھا اور بے انتہا دے آمین۔ بس آپ مجھا یسے ہی گائیڈ کرتی رہیے گا اور دعا کرتی رہیے گا۔ لو یو سوچ عزیز من آدل (انیلا منصف) اب آتی ہوں دوستوں کی طرف تو امید ہے کہ آپ سب ٹھیک ہوں گی۔ وہ تمام دوستیں جن کی سالگرہ نومبر اور دسمبر میں ہے ان کو جنم دن کی بہت، بہت مبارک ہو اور اللہ پاک ان کے دل میں جو جو دعائیں ہیں ان کو پوری فرمائیں آمین ثم آمین۔ ام ہانی، حرا قریشی، نور حرام، بنت امبر، شہرینہ نور مونا شاہ قریشی، ثمرہ خان اور رومانہ شاہ کیسی ہیں آپ سب امید ہے سب ٹھیک ٹھاک ہنستی کھیلتی ہوں گی اور اللہ پاک سے دعا ہے کہ وہ آپ سب کو ہمیشہ خوش رکھے آمین ثم آمین۔ عظمیٰ سلیم، مہک گوندل، فاطمہ عباسی، (وہاڑی) انا گوندل، مدیحہ نورین مہک، عمائزہ علی، ایمان فاطمہ، حبا خان، طوبہ نور، ماہم عطیق، شمع حیدر، سدرہ شاہد، حنا میمونہ، سندس شیخ، بنت نذیر مہک فاطمہ انصاری، اسوہ رحمٰن، پریشے، زل نور، آمنہ نور فاطمہ چوہدری، آیت انصاری، پری شاہ، زویا علی، عمائزہ احمد، وردہ شیخ، شہرین کنول اور فاطمہ سیال آپ سب کو میرا سلام اور دعا ہے کہ ہمیشہ خوش، شادو آباد رہیں آمین ثم آمین۔ فاطمہ عباس وہاڑی، اب خوش ہیں آپ۔ تمام دوستوں سے گزارش ہے کہ دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔ اس ناچیز کو بھی۔ اینڈ فاریا آپ تو سب سے اچھا کام کر رہی ہیں کوئی آپ کا دوست کیوں نہیں بنے گا۔ آپ نے درخواست نہیں کی، لیکن ہم نے ریکوسٹ کی۔ آج سے آپ ہماری دوست ہیں، امید ہے دعاؤں میں یاد رکھا جائے گا۔ اللہ حافظ۔

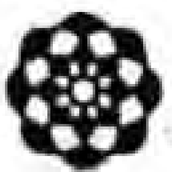
(سمیعہ سجاول...... ہری پور)

موسٹ بیوٹی فل سسٹر لنیله ثاقب کے نام

السلام علیکم! دس اکتوبر کو آپ کا برتھ ڈے ہے۔ سو منی منی ہیپی برتھ ڈے ٹو یو اللہ تمہارے نصیب اچھے کرے۔ اللہ تمہیں اور بھائی ثاقب کو ڈھیروں خوشیاں دے آمین۔

تمہاری سالگرہ پر دعا ہے یہ میری
کہ ایسا روز مبارک بار بار آئے
تمہاری بیتی ہوئی زندگی کی راہوں میں
ہزاروں پھول لٹاتی ہوئی بہار آئے

(ثمرہ اکرم...... ضلع لودھراں)



yaadgar@naeyufaq.com

یادگار لمحے

جویریہ سالک

روح

ترجمہ:"تاکہ وہ خبردار کردے اس کو جو زندہ ہو۔"

یہاں زندہ ہونے سے مراد روح کا زندہ ہونا ہے۔ چنانچہ قرآن کا انداز صرف اسی انسان کے لیے فائدہ مند ثابت ہوسکتا ہے، جس کے اندر اس کی روح زندہ ہو اور اس کی فطرت مسخ نہ ہوچکی ہو۔

یہاں پر یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ ہمارے ہاں عام طور پر لفظ"فطرت" کے مترادف کے طور پر"خلقت" کا لفظ استعمال کرلیا جاتا ہے اور اسی کو فارسی زبان میں "سرشت" بھی کہتے ہیں، لیکن زیر بحث مضمون کی وضاحت کے لیے جس سیاق وسباق میں لفظ"فطرت" کا حوالہ آیا ہے اس کا مفہوم لفظ"خلقت" سے یکسر مختلف ہے اس کو یوں سمجھیے کہ"خلقت" کا تعلق عالم خلق یعنی مٹی اور زمین سے ہے اس لیے یہ ضعف اور خامیوں سے عبارت ہے مثلاً قرآن کے مطابق انسان کمزور (النساء ۲۸) بھی ہے اور جلد باز (بنی اسرائیل ۱۱) بھی۔ گویا انسانی خلقت میں بہت سی کمزوریاں اور کوتاہیاں پائی جاتی ہیں۔ اس کے برعکس انسانی"فطرت" کا تعلق"روح" سے ہے جو اللہ کی طرف سے انسان میں پھونکی گئی ہے اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ ترجمہ:"یہ اللہ کی بنائی ہوئی فطرت ہے جس پر اس نے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔" (الروم ۳۰)

چنانچہ فطرت کمزوریوں اور خامیوں سے پاک ہے کیونکہ اس کا تعلق عالم امر یا عالم بالا سے ہے۔

عنبر فاطمہ..... کراچی

صدیق اکبرؓ کا آسمانی نام

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے ایک مرتبہ جبریل امین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ ابوبکر صدیق کا قریب سے گزر ہوا۔ جبریل نے عرض کی یارسول اللہ وہ ابوقحافہ کے صاحبزادے ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔"تم آسمانوں میں رہنے والے انہیں پہچانتے ہو؟" جبریل امینؑ نے عرض کی۔"قسم ہے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمانے والے کی ابوبکر کا زمین کی نسبت آسمانوں پر زیادہ شہرہ ہے وہاں ان کا نام حلیم ہے۔"

عثمان عبداللہ..... کراچی

اللہ تعالیٰ انسان سے فرماتا ہے

☆ میری طرف آ کر تو دیکھو..... متوجہ نہ ہوں تو کہنا

☆ میری راہ میں چل کر تو دیکھو..... راہیں نہ کھول دوں تو کہنا

☆ مجھ سے سوال کر کے تو دیکھو..... بخشش کی حد نہ کردوں تو کہنا

☆ میرے لیے بے قدر ہو کر تو دیکھو..... قدر کی حد نہ کردوں تو کہنا

☆ میرے لیے لٹ کر تو دیکھو..... رحمت کے خزانے نہ لٹادوں تو کہنا

☆ میرے لیے بک کے تو دیکھ..... انمول نہ کردوں تو کہنا

☆ مجھے رب مان کے تو دیکھو..... سب سے بے نیاز نہ کردوں تو کہنا

☆ میرے خوف سے آنسو بہا کر تو دیکھوں...... مغفرت کے دریا نہ بہادوں تو کہنا

☆ وفا کی لاج نبھا کر تو دیکھو..... عطا کی حد نہ کردوں تو کہنا

☆ میرے نام کی تعظیم کر کے تو دیکھو..... حاکم تکریم کی انتہا نہ کردوں تو کہنا

☆ اپنی ہستی کو فنا کر کے تو دیکھو..... جام بقا سے سر فراز نہ کردوں تو کہنا

☆میرا ہو کر تو دیکھو...... ہر کسی کو تیرا نہ بنا دوں تو کہنا
پینادعا...... ملتان

کشش ثقل

یہ نیوٹن نے دریافت کی تھی۔ غالباً اس سے پہلے نہیں ہوئی تھی۔ نیوٹن اسی سے درختوں سے سیب گرایا کرتا تھا آج کل سیڑھی پر چڑھ کر توڑ لیتے ہیں آپ نے دیکھا ہوگا کوئی شخص حکومت کی کرسی پر بیٹھ جائے تو اس پر سے اٹھنا مشکل ہو جاتا ہے اسے لوگ زبردستی اٹھاتے ہیں یہ بھی کشش ثقل کے باعث ہوتا ہے۔

(ابن انشاء)
تبسم بشیر حسین...... ڈنگہ

دوستی

نمک کی طرح کڑوی بات کہنے والا ہی سچا دوست ہوتا ہے میٹھی باتیں کرنے والا ہمیشہ چاپلوس ہوتا ہے کیونکہ تاریخ گواہ ہے کہ نمک میں کبھی کیڑا نہیں لگتا اور میٹھی چیزوں میں کیڑا لگ جاتا ہے۔

شانزہ پرویز شانو...... ایبٹ آباد

سنہری الفاظ

لوہا کبھی خراب نہیں ہوتا وہ ہمیشہ اپنے ہی زنگ سے برباد ہوتا ہے اسی طرح انسان کو کوئی برباد نہیں کرسکتا اس کی سوچ اور دوسروں سے امیدیں ہی اسے برباد کرتی ہیں۔

ماریہ نذیر...... بھاگتانوالہ

ہیپی برتھ ڈے

ایک پٹھان بکرا ذبح کرنے لگا تو کنفیوز ہوگیا کہ پڑھنا کیا ہے۔

کچھ دیر سوچنے کے بعد چھری چلاتے ہوئے خوشی سے بولا۔ "ہیپی برتھ ڈے ٹو یو"

رمشا آصف...... خانگڑھ

ترقی کا راز

نادر بادشاہ نے جب دلی پر قبضہ کیا تو اسے ہاتھی کی سواری پیش کی گئی ہاتھی پر بیٹھ کر اس نے مہاوت سے کہا۔

"اس کی لگام میرے ہاتھ میں دے دو۔"

مہاوت نے کہا "حضور اس کی لگام نہیں ہوتی بلکہ یہ میرے اشارے پر چلتا ہے۔"

نادر شاہ یہ سن کر ہاتھی سے اتر آیا اور کہنے لگا۔

"میں ایسی سواری پر نہیں بیٹھ سکتا جس کی لگام کسی اور کے ہاتھ میں ہو۔"

ارم صابرہ...... تلہ گنگ

وضاحت ضروری ہے

بات وضاحت سے کی جائے تو بہتر ہوتا ہے کم از کم اس واقعہ سے ہمیں یہی سبق حاصل ہوتا ہے۔

گاؤں میں فضلو لوہار نے اپنے نئے شاگرد کو گھوڑے کی نعل بنانا سکھاتے ہوئے کہا۔

"دیکھو یہ لوہا بھٹی میں تپ کر لال ہو چکا ہے اب میں اسے انی پر رکھوں گا میں جب سر ہلاؤں تو تم اس پر ہتھوڑا دے مارنا۔

فضلو نے سر ہلایا اور شاگرد نے ہتھوڑا رسید کردیا مگر لوہے پر نہیں فضلو کے سر پر۔

ارم کمال...... فیصل آباد

زندگی

ہم ہار جیت میں اتنے الجھ گئے ہیں کہ زندگی کہیں کھوگئی ہے۔ ہم ہار یا جیت میں زندگی تلاش کرتے ہیں مگر ہمیں زندگی میں زندگی کو تلاش کرنا ہے۔ زندگی پھولوں کا بستر نہیں ہے زندگی وہ مخملی چادر نہیں ہے جس پر سو کر حسین خواب دیکھے جاسکیں بلکہ زندگی ایک مشکل پہیلی ہے جسے حل کرنے کے لیے ہم محنت کرتے ہیں۔ زندگی ایک امتحان کا نام ہے، جس میں موجود تمام سوالات کے جواب ڈھونڈنے کے لیے ہم ایک طویل سفر طے کرتے ہیں دراصل ہم زندگی کے امتحان میں سوالوں کے جواب تلاش نہیں کرتے بلکہ ہم زندگی کے امتحان میں زندگی تلاش کرتے ہیں۔

یاسمین کنول...... پسرور

یاد رکھیں

زندگی سب کچھ دیتی ہے مگر آرام و سکون ہمیں خود

حاصل کرنا ہے کہتے ہیں بچپن تو سب ہی کا خوب صورت ہوتا ہے جب بچہ چھوٹا ہوتا ہے تو اسے ماں باپ کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ ہی اہم وجہ ہے بچپن ماں باپ کی بدولت خوب صورت ہوتا ہے اور اس کے بعد کی تمام زندگی ہمیں خود خوب صورت بنانی ہوتی ہے زندگی کو خوب صورت بنانے کا صرف ایک ہی نسخہ ہے کہ ہم اپنے اردگرد کے رشتوں سے خوش رہیں اور انہیں خوش رہنے دیں۔

دانیہ حامد خان...... کراچی

مرد کی خوب صورتی

مرد کی خوب صورتی کیا ہوتی ہے بھلا؟

☆ خوب صورت مرد وہ ہوتا ہے جو عورت کی بڑی سے بڑی خطا معاف کردیتا ہے۔

☆ خوب صورت مرد وہ ہوتا ہے جو روٹی، کپڑا اور پناہ دے کر احسان نہیں کرتا بلکہ مشکور نظر آتا ہے۔

☆ خوب صورت مرد وہ ہوتا ہے جو وحشت کے گھوڑے پر سوار ہو کر عورت کی انا کی دھجیاں نہیں اڑاتا۔

☆ خوب صورت مرد وہ ہوتا ہے جو مانگے بنا عورت کو محبت دیتا ہے۔

☆ خوب صورت مرد وہ ہوتا ہے جو عورت کو محض نفسانی خواہشات کا آلہ نہیں سمجھتا۔

☆ خوب صورت مرد وہ ہوتا ہے جو عورت کو موتیا کا پھول سمجھتا ہے۔ موتیا کا پھول گرم سانس کی گرمی نہیں سہہ سکتا۔

(بشریٰ رحمان کے ناول ''خوبصورت'' سے اقتباس)

نورالحسن ندیم...... کراچی سندھ

ازدواجی ڈکشنری

شادی: ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے شوہر کو رفتہ رفتہ یہ علم ہوتا ہے کہ اس کی بیوی کیسے شوہر کی طلبگار ہے۔

جمائی: منہ کھولنے کے لیے شادی شدہ مردوں کے لیے قدرت کا عطیہ ہے۔

کنوارا: جو صبح کام پر جانے سے قبل صرف ایک آدمی کا ناشتہ تیار کرتا ہے۔

خبر: شوہر کی لائی ہوئی اطلاع۔

افواہ: بیوی کی لائی ہوئی اطلاع۔

عقل مندی کا تقاضہ: بیوی سے بحث میں جیت جانے کے باوجود معافی مانگ لینی چاہیے۔

ماہر نفسیات کا تجزیہ: لڑکیاں عموماً ان مردوں سے شادی کرنا پسند کرتی ہیں جن میں ان کے باپ کی صفات موجود ہوں شاید یہی وجہ ہے کہ شادی کے موقع پر ان کی مائیں روتی ہیں۔

شازیہ وسیم...... کراچی

انبیاء علیہ السلام کے القابات

❁ ابوالبشر حضرت آدمؑ کو کہا جاتا ہے۔

❁ شیخ الانبیاء حضرت نوح علیہ السلام کو کہا جاتا ہے۔

❁ ابو الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کہا جاتا ہے۔

❁ خطیب الانبیا حضرت شعیب علیہ السلام کو کہا جاتا ہے۔

❁ خلیفہ الارض حضرت داؤدؑ کا لقب ہے۔

❁ ابوالعرب حضرت اسماعیل علیہ السلام کو کہا جاتا ہے۔

❁ ذوالنون حضرت یونس علیہ السلام کو کہا جاتا ہے۔

❁ کلیم اللہ حضرت موسیٰؑ کا لقب ہے۔

❁ ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا لقب ہے۔

❁ خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا لقب ہے۔

انتخاب: مہرین آصف بٹ...... کشمیر

پھول

کسی نے پھول سے پوچھا اے پھول! مجھے بتا تو کیوں کھلتا رہا، تو نے تو دی سب کو خوشبو تجھے کیا ملتا رہا؟ پھول نے مسکرا کر کہا ابھی تو نادان ہے جیون کے سچے پیار سے، ابھی تو انجان ہے دینے کے بدلے کچھ لینا یہ تو ایک

کاروبار ہے اور جو دے کر بھی کچھ نہ مانگے تو وہ ہی تو سچا پیار ہے۔

حلیمہ زمان.....ٹوپی

خیال میرا خوشبو جیسا

✿ گلی کا کتا اور وہ شخص برابر ہیں جس سے ڈر کر عورت اپنا راستہ بدل لے۔

✿ تسکین کا سمندر اترتا ہے میرے اندر جب دل سے کہہ دیتی ہوں اللہ مالک ہے۔

✿ مکافات عمل ہونا اٹل ہے دیر سویر ہو سکتی ہے مگر ٹل نہیں سکتا۔

✿ انسان غیروں سے ملی عزت اور اپنوں سے ملی ذلت کبھی نہیں بھولتا۔

✿ بعض دفعہ اس کرب کو لکھنا بڑا مشکل ہوتا ہے جسے ہم محسوس کر رہے ہوتے ہیں۔

✿ استقامت آدھی کامیابی ہے جیسا کہ غم آدھا بڑھاپا ہے۔

✿ جب وضو کرنا مشکل لگ رہا ہو تو یہ سوچا کریں کہ گناہ دھونے جا رہے ہیں۔

✿ معاف کر دینے سے انسان کی اپنی روح پاک ہو جاتی ہے۔

✿ کچھ لوگ آپ سے سیکھ کر آپ کو ہی سکھا دیتے ہیں۔

✿ جن کا بھروسا اللہ ہو ان کی منزل کامیابی ہے۔

✿ پیسہ انسان کو اوپر لے جا سکتا ہے لیکن انسان پیسہ اوپر نہیں لے جا سکتا۔

✿ اللہ سے مانگنے والا کبھی خالی نہیں رہتا۔

تبسم بشیر حسین.....ڈنگہ

سنہرے حروف

✿ زندگی کی کتاب میں اتنی غلطیاں نہ کرو کہ پنسل سے پہلے ربڑ ختم ہو جائے اور توبہ سے پہلے موت آ جائے۔

✿ کمزور ہے وہ شخص جو دوست نہ بنا سکے اور اس سے بھی کمزور ہے وہ شخص جو بنا ہوا دوست کھو دے۔

✿ بہترین انسان عمل سے پہچانا جاتا ہے ورنہ اچھی باتیں تو دیواروں پر بھی لکھی ہوتی ہیں۔

✿ زندگی کی سب سے سچی بات ایک قبرستان کے باہر لکھی ہوئی تھی۔

منزل تو میری یہی تھی بس زندگی گزر گئی یہاں آتے آتے۔

✿ دل میں نفرتوں کے اظہار نا رکھو، جس دل میں نفرت ہو اس دل میں رب نہیں بستا۔

رابی اینڈ تحریم بھٹی.....کوٹ شاکر

یادگار لمحے

شوہر کا بیوی سے جھگڑا ہوا، بیوی میکے چلی گئی۔ یہ کہہ کر کہ اب کبھی واپس نہیں آؤں گی۔ دو دن کے بعد شوہر نے فون کر کے کہا۔ ”جان مجھ سے غلطی ہو گئی، مجھے معاف کر دو اور گھر لوٹ آؤ۔“

بیوی: ”نہیں تم نے میرا دل توڑا ہے میں نہیں آؤں گی۔“

شوہر: ”ارے دل واپس جوڑ لو اور آ جاؤ۔“

بیوی: ”تمہارے قریب کوئی گلاس ہے؟“

شوہر: ”ہاں ہے۔“

بیوی: ”اسے زور سے زمین پر مارو۔“ شوہر نے ایسا ہی کیا۔

بیوی بولی: ”اب اس ٹوٹے ہوئے گلاس کے ٹکڑوں کو تم دوبارہ جوڑ سکتے ہو۔“

شوہر نے جواب دیا: ”گلاس ٹوٹا ہی نہیں اسٹیل کا ہے۔“

بیوی: ”بڑے ہوشیار ہو۔ شام کو آ جاؤ لینے۔“

(کومل، موکل اینڈ کنول خان.....مانسہرہ)

dish@aanchal.com.pk

آئینہ

aayna@naeyufaq.com

شہلا عامر

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔ تمام بہنوں کو نیا سال مبارک ہو۔ امید ہے یہ سال ہمارے لیے خوشیوں کا باعث ثابت ہوگا اور نئے سال میں یہ عہد کریں کہ اپنی قومی زبان کی ترقی کے لیے محنت اور کوشش کریں گے۔ اب بڑھتے ہیں آپ کے تبصروں کی جانب۔

ثمرہ گلزار...... کوٹلی گجرات۔ شہلا ڈیئر کیسی ہیں آپ ہم سے کیا دشمنی ہے جو ہمیں اپنی محفل میں آنے دیتیں۔ اس ماہ کا ٹائٹل اچھا لگا' حمد و نعت ہمیشہ کی طرح دلکش تھیں۔ انٹرویو میں پیاری بہن سے مل کر اچھا لگا۔ شہلا ڈیئر سب کے انٹرویو پورے پورے لگائے مگر میرا آدھا انٹرویو کیوں کھایا آپ لوگوں نے۔ پھر بڑھے اپنے فیورٹ ناول ''تیری زلف کے سر ہونے تک'' آپی اقرا اسودہ اور زید کو تو آپ نے ٹھیک کر دیا۔ اب نوفل اور انشراح کو بھی کردیں نوفل کا اپنی ماں سے بھی رشتہ ٹھیک کر دیں۔ وہ بے شک بری عورت تھی' پر تھی تو نوفل کی ماں ہی ناں' اکائی عشنا آپی آپ کا ناول میں نہیں پڑھتی ویسے اچھا ہوگا۔ آپی صائمہ آپ کا ناول عشق دی ماری میں جھلی بہت نائس ہے' اب جلدی سے بتا دیں۔ سکندر اور مسز سکندر ہاجرہ اور رضا ہیں وجاہت اور سکینہ کی کمال کی جوڑی ہے۔ بس میں نے یہ دو ناول پڑھے ہیں اور تبصرہ لکھ دیا۔ حرا گل شازیہ ہاشم آپی' نجمہ نذیر آپی' جویریہ آپی' گلشن چودھری' ماہ رخ سیال' شازہ پرویز شانو لیلی رہنواز' آپی حنا ارشد' نور چودھری اقرا جٹ آپی' عائشہ شکیل' پروین آنٹی' کوثر آنٹی اینڈ آل فرینڈز خوش رہو اور خوشیاں بانٹو۔ فاطمہ ظرف' عشرت فاطمہ آپ دونوں کیسی ہو خوش رہو دونوں اپنے خرچے پر ماہ رخ سیال آپی اینڈ اقرا جٹ آپی میری بڑی وش ہے آپ دونوں سے بات کرنے کی۔ مدیحہ نورین مہک آپی برتھ ڈے مبارک ہو جنوری میں آپ کی برتھ ڈے ہے۔ جس جس کی بھی برتھ ڈے ہے سب کو مبارک سب پڑھنے والوں کو ثمرہ کا محبتوں بھرا اسلام۔

☆ پیاری ثمرہ! آپ کا خط پہلی بار موصول ہوا ہے اس لیے شامل بھی کرلیا۔ پچھلے خط کہاں گئے ہم نہیں جانتے اس لیے ناراضی چھوڑیے اور خوش رہیے۔

فائزہ شاہ...... لانڈھی کراچی۔ آپی شہلا امید واثق ہے کہ آپ خیر و عافیت سے ہوں گی۔ پچھلے ماہ میں نے اور میری دوستوں (ثناء شوکت اور حناء) نے بھی تبصرہ بھیجا' مگر ہم شامل محفل نہ تھے۔ لہٰذا اس ماہ میرا حق ہے کہ میں شامل ہوں۔ آپی دسمبر کا شمارا بہت عمدہ تھا۔ سارے سلسلے بہترین تھے۔ ''سرگوشیاں'' میں آپی نے ہمیں مقدس رشتوں کے حوالے سے بیدار کیا۔ یاسمین کنول کی حمد اور نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوب صورت تھی۔ ٹائٹل گرل بھی پیاری لگ رہی تھی۔ ''در جواب آں'' شگفتہ شفیق جی اللہ آپ کو صحت کاملہ عطا کرے۔ افشاں علی کتاب کی مبارک باد قبول کریں۔ حرا قریشی آپی شادی خانہ آبادی مبارک ہو۔ اللہ آپ کو نئے سفر حیات میں ثابت قدم رکھے (آمین) ''ربنا اتنا'' سبحان اللہ الحمدللہ دیگر سلسلوں میں ارم کمال' حافظہ سمیرا' وقاص عمر' پروین افضل' الفت عباسی اور فائزہ عباسی ''الغرض'' سب ہی نے عمدہ لکھا۔ ''نیرنگ خیال'' سپر ڈوپر رہا۔ ''یادگار لمحے'' سب نے موتی سی خوب صورت باتیں کیں۔ عثمان بھائی سے میرا سوال ہے کہ کیا آپ شادی شدہ ہیں اگر ہیں تو کیا آپ کی بیگم آنچل پڑھتی ہیں۔ اگر ہاں تو اب تک آپ خیر و عافیت سے ہیں یا...... نیور مائنڈ بھائی جی۔ ''دوست کا پیغام اور آئینہ'' میں جنہوں نے یاد رکھا' بہت خوشی ہوئی سب سے گزارش ہے کہ آپ سب مجھ سے دوستی کرلیں اور جو کرچکی ہیں وہ سب مجھ ناچیز کو اپنے خطوط میں یاد رکھیں۔ افسانوں میں ''ایک عورت'' ٹاپ پر رہا باقی بھی بہترین رہنمائی کررہے تھے۔ سلسلے وار ناولوں میں ''تیری زلف اور اکائی'' میں دیکھتے ہیں کہ کیا انشراح نوفل کا دل جیت پائے گی۔

اور فاطمہ بی بی اپنی جان بچالیں گی؟ "ہم سے پوچھیے" بہترین تھا۔ "تحیر عشق" بہت عمدہ سب ہی کو ایک حادثہ ضروری ہے۔ شاہ مراد "تجھے عشق ہوا" میں درشہوار اور دانیال کے صبر و برداشت کی داد دینا پڑے گی۔ اسد کا کردار دل کو بھا گیا۔ آپی کالج میں تقریری مقابلہ میں میں "فائزہ شاہ" جیت گئی ہوں اور ایوارڈ لے کر آئی ہوں جب کہ کلاس کی پرفیکٹ بھی بنادی گئی ہوں۔ تین دسمبر کو پہلا پیپر ہے۔ دعا کریں کہ پیپرز اچھے ہوں اور رزلٹ اچھا نہیں بلکہ بہترین ہوں "عشق دی ماری" آپی میرے آنسو نہیں تھم رہے ایسے کیسے فجیعہ حسن کو چھوڑ سکتی ہے۔ ابھی تو اس نے حسن سے مل کر روٹھنا تھا' شکوے کرنے تھے۔ اس قسط نے مجھے توڑ کر رکھ دیا ہے تین تاریخ کو پہلا پیپر ہے' مگر دل بے حد اداس ہے' کچھ بھی کرنے کو دل نہیں چاہ رہا' میرے لیے یہ تیسرا ایسا ناول ہے' جس کے درمیان ہی میں میرے آنسو چھلک پڑے' ورنہ میں اتنی کمزور دل نہیں ہوں آپی سنیے صائمہ آپی نے اچھا نہیں کیا۔ اب شاید میں آئندہ یہ ناول نہ پڑھ پاؤں' کیونکہ دل ٹوٹ سا گیا ہے۔ "عشق سفر کی دھول" اور "سانسوں کی مالا پہ" دو ہزار سولہ اور اب میں روئی ہوں۔ آپی یہ نیا سال آپ کو اور آنچل کی ٹیم کو مبارک ہو اور ہاں اللہ آپ سب کو مجھ سمیت کئی بہاریں اور کئی خوش کن دسمبر دکھائے آمین۔ ہپی برتھ ڈے ان سب کو جن کی سالگرہ دسمبر اور جنوری میں ہے۔ خط ضرور شامل کیجئے گا اور دعاؤں میں یاد رکھنا۔ اللہ نگہبان آپی شہلا سدا بلندیوں کو چھوئیں آپ (آمین) صائمہ قریشی آپی مائنڈ مت کرنا یہ ناول بے شک آپ کا ہے مگر میں اسے بہت سنجیدگی سے پڑھ رہی ہوں۔

☆ پیاری فائزہ! کہانی کو کہانی سمجھ کر پڑھیں تا کہ حقیقت' ویسے بھی فجیعہ نے محبت تو کی پر نبھا نہیں سکی ورنہ سکینزہ کو ضرور پروان چڑھاتی اور اسے وجاہت سے بچاتی حقیقت میں یہ سب ہوتا ہے۔ اللہ رب العزت آپ کو دنیا آخرت کے ہر امتحان میں کامیابی عطا فرمائے آمین اور ہاں پاس ہو جاؤ تو مٹھائی ضرور بھیجنا۔

رمشہ آصف...... خانگڑھ آنچل تیئس تاریخ کو مل گیا۔ ٹائٹل پر براجمان ماڈل عروج شمیم بہت پیاری لگ رہی تھی۔ سب سے پہلے آپی' جی کی سرگوشیاں' پڑھیں۔ یاسمین کنول کی حمد اچھی لگی۔ "درجواب آں" میں ہر بار بہت سی کہانیاں ناقابل اشاعت ہوتی ہیں۔ ایم سحر کا انٹرویو پڑھ کر مزہ آیا۔ ربنا آتنا بہت دلکش سلسلہ ہے۔ سب سے پہلے "عشقے دی ماری میں چلی" صائمہ جی فجیعہ کے مرنے پر رونا آیا۔ حکیم اللہ اور جمشید بہت ہی ٹیڑھے ہیں۔ "تیری زلف کے سر ہونے تک" یہ کہانی اب بورنگ ہوتی جارہی ہے۔ پلیز جلدی اس کہانی کو ختم کردیں۔ "اکائی" دلچسپ ہوتی جارہی ہے۔ جنت بی بی اپنی ہر سازش میں ناکام ہوجاتی ہیں۔ "تحیر عشق" صباء ایشل ہمیشہ کی طرح چھا گئیں۔ "تجھے عشق ہو" درشہوار کا فیصلہ اچھا لگا۔ "کھینچا تانی" بعض گھروں میں ساس بہو کے ساتھ ایسا ہی کرتی ہے۔ "ایک عورت" گھر سے بھاگنے والی لڑکیوں کا یہی انجام ہوتا ہے۔ "درآ گہی اچھی کہانی تھی۔ "پاک کرو" ام ہانی کے چھوٹے سے افسانے میں بہت بڑا سبق تھا۔ "بیاض دل" میں ارم کمال' عائشہ پرویز اور ثناء فرحان کے اشعار دلچسپ تھے۔ "ڈش مقابلہ" میں تو پڑھتی ہی نہیں ہوں کیونکہ ابھی میں بہت چھوٹی ہوں۔ "نیرنگ خیال" میں سباس گل' نزہت جبیں ضیاء راشد ترین اور مدیحہ نورین مہک کی نظمیں اچھی لگیں۔ "دوست کا پیغام آئے" ہماجی میرا پیغام لگانے کا شکریہ۔ گلشن چوہدری آپ کو بہت بہت مبارک ہو۔ سیکنڈ پوزیشن آنے پر۔ "یادگار لمحے" میں ماہا بشیر کا انتخاب اچھا تھا۔ "آئینہ" میں نور چودھری' ام ہانی' ماریہ نذیر کرن شہزادی کا تبصرہ اچھا تھا۔ "ہم سے پوچھیے" میں پروین افضل شاہین' مدیحہ نورین مہک' نجم انجم اعوان اور یاسمین کنول کے سوال اچھے تھے۔ "آپ کی صحت" میں بہت سے لوگوں کو اپنے مسئلوں کا حل مل جاتا ہے۔

عنبر مجید عنبرو...... کوٹ قیصرانی

"جب چاہوں تمہیں مل نہیں سکتی
لیکن جب چاہوں تمہیں یاد تو کرسکتی ہوں"

پیاری شہلا آپی اینڈ آنچل سے محبت کرنے والی کڑیوں اور اور کوٹ قیصرانی کی پریوسب کو میرا خوشبو سے بھرا سلام۔ فرسٹ آف آل شہلا آپی میں آپ کو یہ کہنا چاہتی ہوں' اور پوچھنا چاہتی ہوں کہ میں پورا ایک سال آپ کی محفل سے غیر حاضر رہی کیا آپ نے نوٹ کیا تھا؟ (سچ بتانا) ایک بات بتاؤ جب ہی آنچل ڈائجسٹ ہاتھ میں آتا ہے تو پورے آنچل کے ہر سلسلے کو

بہت غور سے دیکھتی ہوں کہ کہیں میرا نام آیا ہو۔ ایسے دیکھتے دیکھتے ایک غزل پہ نظر پڑ گئی تو میں نے دل میں سوچا یہ غزل شاید میں نے کہیں پڑھی ہے یا میری ڈائری میں لکھی ہوئی ہے جب پوری غزل پڑھ لی تو اینڈ میں جیسے ہی اپنے نام جیسا نام لکھا پایا تو ایک دم جھٹکا لگا (ہاہاہا) ارے میری غزل شائع ہوگئی واہ اٹس امیزنگ پورے ایک سال بعد اپنا نام دیکھ کر جھٹکا لگنا تھا ناں۔ چلیں ذرا کہانیوں پر تبصرہ کیا جائے نہیں تو اتنا لمبا خط ردی کی ٹوکری کی نظر ہوجائے گا (ہاہاہا) دل تو کرتا ہے آپ سے باتیں کرنے کا کیونکہ کافی عرصے بعد جو آئی ہوں تو آپ خود سوچیں ایسا تو ہونا ہی تھا ناں؟ پہلے اپنی فیورٹ رائٹر کے ناول کی طرف دوڑ لگائی "اکائی عشنا کوثر سردار آپ کے لیے ایک شعر عرض ہے۔

تیری خوشبو کہیں نہیں ملی
پھول سارے خرید کر دیکھے

آپی آپ بہت ہی محنت سے لکھ رہی ہیں ایک ایک لفظ سے خوشبو مہک رہی ہے جب محبت کے بارے میں لکھتی ہیں تو بس آپ اپنے لفظوں کے سحر میں جکڑ لیتی ہیں اور فاطمہ کا جو حسن لکھا آپ نے اف کبھی کبھی میرا دل کرتا ہے میرا بھی ویسا حسن ہو (ہاہاہا) اتنی خوب صورت اور معصوم دوشیزہ کا کردار آپ نے بہت اداس رکھا ہے۔ فاطمہ کے ساتھ ہر روز کہیں نا کہیں کچھ نا کچھ برا ہو ہی جاتا ہے پتا نہیں وہ دن کب آئے گا۔ جب فاطمہ کی لائف خوشیوں بھری ہوگی۔ وقار الحق جب واپس آ ہی گئے ہیں تو سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا۔ پر افسوس وقار الحق تو فاطمہ سے دوری اختیار کرنے جارہے ہیں۔ اور جنت اتنی بے رحم بھی ہوسکتی ہے۔ وہ کسی کا قتل کرنے کی حد تک بھی جاسکتی ہے اف ایسی عورتیں بھی دنیا میں رہتی ہیں کمال ہے۔ جنت بی بی نے جتنے بھی وقار الحق کے کان بھرے فاطمہ کے لیے اور جتنی بھی فاطمہ پر تہمتیں لگائیں ناکام ہوئی ہاہاہا وقار الحق فاطمہ سے محبت کرتے ہیں تو پھر کیسے بے اعتباری اختیار کرتے کیونکہ جب کسی سے محبت کی جائے تو وہاں اعتبار بھی ہونا چاہیے۔ لوگ جو بھی کہیں بس ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دینا چاہیے۔ رائٹ ناں شہلا آپی؟ پر آج کل لوگ منافق ہیں۔ صائمہ آپی اتنا دکھی ناول لکھا آپ نے میں نے تو ہر اس جگہ کو چھوڑ دیا آگے میں پڑھا ہی نہیں جہاں درد بھرے الفاظ لکھے ہوئے تھے جب فجیعہ کی ڈیتھ ہوئی۔ اس وقت میری آنکھوں سے ایک آنسو گر کر ڈائجسٹ کے صفحات میں جذب ہوگیا۔ پھر میں جلدی جلدی آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو اپنے اندر جذب کرنے لگی۔ فجیعہ کو زندہ رہنا چاہیے تھا۔ اپنے حسن کے لیے اسے ایک بار دیکھ تو لیتی پر آپ نے اسے اتنی مہلت کہاں دی۔ ایک بات کہوں صائمہ آپی آپ فجیعہ کو نا مارتیں بس وہ ایک خوفناک خواب ہی ہو جو احسن نے دیکھا ہو آپ ایسا ہی کردیں پلیز پلیز۔ ان دونوں کی وجہ سے ہی تو میں ناول پڑھتی تھی آپ نے یہ کیا کر دیا۔ اگلی قسط کا شدت سے انتظار رہے گا۔ وجاہت اور سکینزہ کی نوک جھونک انسٹرسٹنگ لگی۔ "تیری زلف کے سر ہونے تک" اقرا صغیر اپنے قلم کی گرہیں بہت تیزی سے کھول رہی ہیں ناں۔ اور ناول افسانے نہیں پڑھے شہلا آپی میری آپی کی شادی کی تیاریاں ہو رہی ہیں تو اس لیے سوری۔ بہت مشکل سے ٹائم نکالا خط لکھنے کا۔ اب بات ہوجائے ان لوگوں کی جن لوگوں نے یادگار لمحے کو یادگار بنادیا۔ ویسے تو سب نے پرفیکٹ لکھا پر جو زیادہ اچھے الفاظ لگے ان لوگوں کے نام لکھ دوں۔ "ندا رضوان" آپ نے بالکل ٹھیک لکھا۔ اللہ پاک ہے ہی رحمن وہ اپنے بندے کو ستر ماؤں سے بڑھ کر جاننے والا ہے۔ تبسم شہزادی ماہا بشیر حسین عثمان عبداللہ عاقب جاوید آپ سب نے بھی اچھا لکھا۔ "نیرنگ خیال" میں میری اپنی غزل ناٹس لگی (ہاہاہا اپنے منہ میاں مٹھو) سباس گل نعیم الفرہاشمی راشد ترین عمران ناتق مدیحہ نورین مہک ان سب کی غزلیں اچھی لگیں۔ آخر میں آنچل کے لیے ایک شعر عرض ہے

جن کا نعم البدل کوئی نہیں
تم انہی میں شمار ہوتے ہو

اللہ حافظ۔

☆ پیاری عنبرا یادان کو کیا جاتا ہے جن کو بھولا جائے۔ میرا خیال ہے پچھلے سال دسمبر میں ہی آپ کا خط شائع ہوا تھا اور اب آپ حاضر ہوئی ہیں۔ اتنا عرصہ کہاں مصروف رہیں اور بہن کی شادی کی بہت مبارک باد۔

شیریں اسلم...... چوک شاہدہ بہاولپور۔ سب سے پہلے بہت بہت بہت شکریہ میرا لیٹر شائع کرنے کے لیے لفظوں میں بیان نہیں کرسکتی کیا فیلنگز تھیں۔ اپنا لیٹر دیکھ کر خوشی سے بے ساختہ زوردار چیخ نکلی خوشی سے چھلانگیں لگائیں ایسا لگ رہا تھا ہارٹ فیل ہوجائے گا۔ ایک بار پھر سے شکریہ شہلا جی ٹائٹل زبردست اینڈ پرفیکٹ تھا۔ ربنا اتنا میں ہمیشہ کی طرح معلومات ملیں ام مریم جی کے جوابات بس ٹھیک لگے۔ اس کے بعد اپنے فیورٹ ناول کی طرف بڑھے زید پر بہت ترس آیا مگر عمرانہ کو اب شاید عقل آرہی ہے۔ نوفل پر غصہ بھی آیا اور دکھ بھی ہوا اس کی حالت پر پلیز رائٹر جی جلدی جلدی سب ٹھیک کردیں آکائی میں وقار الحق صاحب اپنے آپ کو پتا نہیں کیا سمجھتے ہیں ہماری سمجھ سے باہر ہے رجت سنگھ اچھے لگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا۔ مٹھے دی ماری میں جھلی صائمہ جی بہت رلایا آپ نے قسم سے حسن کے ساتھ ہم خود بھی بہت روئے تجیعہ کی حالت پر بہت افسوس ہوا ایسا بھی ہوتا ہے۔ محبت میں مگر پلیز سکینزہ اور وجاہت کے ساتھ ایسا کچھ مت کیجیے گا۔ تحیر عشق صبا ایشل صاحبہ واقعی اعتبار ایک بار ٹوٹ جائے تو پھر نہیں بنتا تجھے عشق ہو قرۃ العین جی ویلڈن اچھے موضوع پر لکھا آپ نے آج کل معاشرے میں سچ کو دبانے کے لیے لوگ اوچھے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں مگر شعیب صاحب کو اپنی غلطیوں کا احساس ہوگیا کاش ایسا حقیقی زندگی میں بھی ہو تو معاشرہ سدھر جائے۔ افسانے تقریباً سب ہی بیسٹ تھے۔ مگر پاک کرو اور کھینچا تانی بہت پسند آئے۔ دوست کے نام پیغام میں کاش ہماری بھی کوئی دوست پیغام لکھے بہت خواہش ہے میری۔ بیاض دل ڈش مقابلہ یادگار لمحے سب پڑھے ہر ماہ کی طرح اس ماہ بھی بیسٹ تھا۔

سعدیہ خان...... بہاولپور۔ سوئیٹ اینڈ لولی اسٹاف کو دل سے سلام قبول ہو۔ اب بات ہوجائے ہماری تو ہم ہیں آپ کے بہت خاموش قاری ہم نے زمانہ طالب علمی میں ڈائجسٹ پڑھنا شروع کیا اور اب تک پڑھ رہے ہیں۔ بہت بار کوشش کی خط لکھنے کی لیکن ہمت نہ کرسکے۔ اس ماہ کا ٹائٹل بہت پسند آیا ماڈل کے ہاتھ میں گلدستہ بہت اچھا لگا۔ اس کے بعد حمد اور نعت سے دل کو منور کیا اس کے بعد ربنا اتنا پڑھ کر پتا لگا کہ رب ہمیں خود ہی ترغیب دے رہا ہے کہ ہم کس طرح اس سے اس کی نعمت طلب کریں واقعی ہمارا رب ہمارے بہت قریب ہے۔ اب بات ہوجائے ناول کی تو ''تیری زلف کے سر ہونے تک'' پڑھا پڑھ کر لگا کہ اب یہ ناول اختتام کی طرف گامزن ہے اور پلیز نوفل کو انشراح کے ساتھ بالکل ٹھیک کردیں نوفل تو بہت سمجھ دار ہے اسے تو انشراح کو سمجھنا چاہیے۔ ارے عمرانہ میڈم پھر ویسی ہوگئی پلیز جلدی سے انہیں بھی سدھرنے کا موقع دیں اب بات ہوجائے ''مٹھے دی ماری میں جھلی کی'' تو تجیعہ کے مرنے کا بہت دکھ ہوا۔ کاش ایک بار عبدالمعید حسن سے مل لیتی سب سے خوشی کی بات یہ ہے کہ اس نے حسن کی مجبوریوں کو سمجھا اس سے ناراض ہوکر دنیا سے نہیں گئی۔ تحیر عشق اچھی اسٹوری تھی۔ اعتبار ایک بار ہی کیا جاتا ہے۔ پاک کرو بہت اچھا لگا ام ہانی جی آپ نے اچھا سبق دیا ایک عورت میں بھی اچھا سبق تھا۔ اس بار پورا ڈائجسٹ ہی اچھا لگا۔ اب اجازت آپ کی دعاؤں کے ساتھ اللہ حافظ۔

☆ پیاری سعدیہ! پہلی بار آمد پر خوش آمدید۔

ارم کمال...... فیصل آباد۔ پیاری دلاری شہلا جی ہمیشہ حسین و جمیل رہیں (آمین) سب سے پہلے آپ کو اور تمام بہنوں اور آنٹیوں کو نیا سال بہت بہت مبارک ہو۔ یہ سال کیسے گزر گیا پتہ ہی نہیں چلا۔ کرن اور بچے بیرون ملک چلے گئے۔ بچوں کی شرارتیں تنگ کرنا بہت یاد آتا ہے۔ لیکن دل میں یہ اطمینان اور سکون ہے کہ کرن اور بچے خوش و خرم ہیں۔ اس سال کا آخری شمارہ بروقت موصول ہوا ٹائٹل پر سرورق کی ماڈل آنکھوں کے راستے دل میں اتر گئی۔ کیا غضب کی جیولری تھی میری تو اس پر نیت خراب ہوگئی ہے۔ بتارہی ہوں میں میک اپ بھی شاندار تھا اور اس پر ماڈل کے تاثرات غضب کے تھے در جواب آں سے بہنوں کے دکھ سکھ سے آگاہی ملی۔ مشتاق احمد قریشی کا ربنا آتنا پورا سال ہماری روحانی تربیت میں اول رہا ہمارا آنچل میں ام سحر نے تھوڑا تھوڑا مزاح کا تڑکا لگا دیا۔ ''تیری زلف کے سر ہونے تک'' نے پورے سال دل کی دھڑکنیں اتھل پتھل کیے رکھیں۔ بس اب اپنے نوفل راجہ بیٹھے پر ہاتھ نہیں دھرنے دے رہے۔ یہ شعوانہ اب نوفل کی زندگی میں کیا کرنے آئی ہے بھلا؟ سودہ اور زید کی محبت کی کلیاں کھلنے کا موسم آیا چاہتا ہے جب کہ عروہ اور شاہ زیب کے درمیان دیکھیں کیسی کیمسٹری جمتی ہے بہر حال کہانی تقریباً اینڈ پر ہے۔ صدف آصف کا ''کھینچا تانی'' ہمارے اردگرد کے مناظر ہیں لیکن احسن

کی طرح حکمت عملی پر عمل کوئی خال خال ہی کرتا ہے۔ ''تجھے عشق ہوا'' میں شہوار اور فیروز کی محبت انتہا کی نفرت' توبیہ اور دانیال کی لڑائیاں' ماموں ریاض کی شفقت شعیب صاحب کا غرور سب نے بہت متاثر کیا۔ ''اکائی'' میں جنت بی بی اور ریحان تو شیطان کے گرو ہیں' رجت سنگھ یا محمد جہانگیر ہی ہماری فاطمہ کا اسیر نمبرون ہے۔ وقار کا تو سمجھ نہیں آرہا کہ وہ اکیلے رہ کر کون سے ڈنڈے بجائیں گے۔ ''ایک عورت'' سر پر سے گزر گیا۔ ''عشق دی ماری میں جھلی'' میں ہاجرہ کو آخر رضا سے شادی کرکے ملا کیا' احسن اور فجیعہ کی محبت کی شدت اس کا انتظار' دکھ' تڑپ' بے بسی' دل کو چیر کر رکھ دیا۔ کتنی دیر دل آنکھوں کے راستے برستا رہا۔ سکیزہ اور وجاہت کی محبت کو خوب صورت انداز میں تکمیل کے راستے پورا کریں۔ ''تحیر عشق'' میں نوراں شاہ کے عشق میں دنیا بھلا دی غلط کیا تو ازن زندگی کا حسن ہے سامنے والے کو مارجن دے دینا چاہیے۔ ''در آگہی'' ام اقصیٰ کی اچھی تحریر رہی۔ بیاض دل میں حافظہ سمیرا' ارم صابرہ' عائشہ پرویز' ماروی یاسمین اور نورین مہک کے اشعار زبردست رہے۔ ڈش مقابلہ میں کھڑے مصالحے کا قورمہ میں نے کھڑے ہوکر ہی پکایا اور کھڑے کھڑے ہی داد وصول کی۔ ''نیرنگ خیال'' میں سباس گل' مسز نگہت غفار' مدیحہ اکرم نے خوب رنگ جمایا۔ دوست کا پیغام آئے میں ارم آصف آپ نے یاد کیا' شکریہ۔ فائزہ جی آپ بھی ہماری جان ہو' صائمہ مشتاق آپ کو بھی بہت دعائیں۔

☆ پیاری ارم! بیٹی کو دوبارہ رخصت کیا پہلے اس کے اپنے گھر پھر میاں کے پاس بیرون ملک ان دونوں کاموں کے احساسات الگ ہیں یہ اطمینان بھی حاصل ہے کہ بیٹی اپنے گھر خوش ہے۔ کھڑے مسالہ کا گوشت کھڑے ہوکر کھایا یا بیٹھ کر یہ تو بتایا ہی نہیں۔

عظمیٰ بتول...... تلہ کنگ۔ امید ہے سب خیریت سے ہوں گے۔ اس بار آنچل چوبیس تاریخ کو ملا آنچل کا ٹائٹل اس بار اچھا لگا۔ سب سے پہلے تو ''سرگوشیاں'' کی طرف بڑھے۔ آنٹی قیصرآرا کی باتیں بہت اچھی لگیں۔ آج کل محبت اور تقدس بالکل ختم ہوگیا ہے۔ ہر جگہ نفرت اور خود غرضی ہی نظر آتی ہے۔ اس کے بعد ''ربنا آتنا'' ایک خوب صورت سلسلہ ہے۔ انکل مشتاق احمد قریشی کو اللہ تعالیٰ اس کا اجر دے (آمین) ''حمد و نعت'' بہت زبردست۔ اس کے بعد بہت خوب صورت ناول ''تیری زلف کے سر ہونے تک'' کی طرف بڑھے۔ عمرانہ کی باتیں سخت زہر لگیں۔ نوفل کی حالت پر بڑا ترس آیا۔ اقرا صغیر احمد آپی اب بس جلدی جلدی اس کا ہپی اینڈ کردیں۔ ''اکائی'' زبردست تحریر تھی۔ ناولٹ میں ''تحیر عشق'' صباء ایشل کی تحریر اچھی لگی۔ مکمل ناول ''تجھے عشق ہو'' قرۃ العین سکندر خوب صورت ناول لکھنے پر مبارک باد۔ دانیال نے اپنے باپ کی آنکھیں کھول دیں۔ اور فیروز کو اس کی محبت مل گئی۔ اینڈ اچھا لگا۔ پلیز مکمل ناول زیادہ دیا کریں۔ افسانے ''کھینچا تانی'' صدف ''ایک عورت'' عتیقہ محمد بیگ ''در آگہی'' ام اقصیٰ اور ''پاک کرو'' ام ہانی سب ہی افسانے زبردست لگے۔ اس کے بعد ''آئینہ'' کی طرف بڑھے۔ سب کے تبصرے بڑے جاندار تھے۔ سب نے ہی بہت اچھا لکھا۔ ''بیاض دل'' میں ارم کمال' حمیرا قریشی' سباس گل' مہرین مہک' عائشہ پرویز کے اشعار اچھے لگے۔ ''نیرنگ خیال'' میں سباس گل کی غزل' شہادت فاروق و حسین اور مسز نگہت غفار کی شاعری پسند آئی۔ ''ڈش مقابلہ'' میں لگن کی مچھلی اور مٹن قورمہ کی ڈش بہت پسند آئی۔ منہ میں پانی آ گیا۔ (ہاہا) اور سب سے آخر میں ''دوست کا پیغام آئے'' میں رقیہ ناز' فائزہ بھٹی آپ نے یاد کیا شکریہ۔ باقی سب کے پیغام اچھے لگے۔ آخر میں اس دعا کے ساتھ اجازت کہ اللہ تعالیٰ پاکستان کو ہمیشہ بلند اور سلامت رکھے (آمین) پاکستان زندہ باد۔ خدا حافظ۔

عائشہ شکیل...... گوجرہ سب قارئین کو میرا محبتوں بھرا اسلام۔ اس دفعہ آنچل چوبیس کو مل گیا۔ زیادہ چکر نہیں لگوائے۔ سرگوشیوں میں سردی کا بھی بتایا گیا ہے۔ لیکن ایک بریکنگ نیوز اسموگ بھی ہوگی۔ ماڈل نے سردی کے حوالے سے ڈریس نہیں پہنا تھا۔ بھئی عروج صاحبہ آپ کو ٹھنڈ نہیں لگی کیا؟ مجھے تو بہت لگتی ہے۔ کالج میں میم کہتی ہیں کہ عائشہ تجھے تو دو دو جرسیاں لینی پڑیں گی۔ کہیں سردی سے مر ہی نا جانا (ہاہاہا ہی ہی) وجہ یہ کہ بھئی ہم کمزور قوم ہیں' مر بھی سکتے ہیں۔ واقعی ہماری زبان قومی نہیں رہی۔ حمد و نعت ہمیشہ کی طرح بیسٹ رہی۔ ربنا آتنا کے کیا کہنے ہم اس کے مقابل کچھ نہیں کہہ سکتے۔ اللہ جزائے خیر دے (آمین) در جواب آں میں پیاری بہنوں حوصلہ رکھیں ''تیری زلف کے سر ہونے تک'' عمرانہ بی بی اپنا لہجہ بھی

سیدھا کرلو ورنہ سودہ نے اپنی کمزوری کو ہی ہتھیار بنالیا ہے اور نوفل بے چارا اب ماں کی وجہ سے مصیبت ہے۔ شعوانہ تجھے تو میں آ نٹی بھی نہ کہوں اور نوفل کیا تجھے ماں کہے ہو ہی نہیں سکتا۔ ''تجھے عشق ہو'' اوہمی نہ نہ مجھے تو کبھی نہ ہو یہ بڑا خراب کرتا ہے۔ ''اکائی'' اومائی گاڈ جنت نے وقار الحق پر پستول تان لیا اور رجت سنگھ واہ بھئی واہ فاطمہ کو خواب میں ہی پرپوز کردیا۔ واہ تمہاری ہمت کو سلام۔ ''معصٔے دی ماری میں جھلی'' بہ مشکل روتے روتے بچے ہم تو اس بار قسط سو پرڈو پر رہی۔ نور چودھری اب جلدی سے خوش ہو جاؤ۔ تمہاری ایک ڈشن گوئی سچ ثابت ہوئی۔ وجاہت اور سکمنز ہ اب کافی فرینڈلی ہو کر بات کرلیتے ہیں۔ اور یہ کیا ہاجرہ تیرا تو میں نے حلیہ خراب کردینا ہے۔ اڈیٹ رضا بے چارے کے سامنے کیسے زبان چلا رہی ہے؟ ''کھینچا تانی'' صدف آصف آپی وری نائس واقعی اگر ساس بہو کی نہ بنے تو بے چارا بیٹا بیچ میں پھنس جاتا ہے۔ ایک ٹانگ ماں کے ہاتھ میں اور دوسری بیوی کے ہاتھ میں۔ ''عورت'' سپر ڈوپر رہا۔ ''درآ گہی'' واقعی ہم دنیا کا سامان کرلیتے ہیں' لیکن نماز کو کل تک ٹال دیتے ہیں۔ حالانکہ دنیا تو عارضی ہے جانے کب سانسیں رکیں اور آخرت کا حساب لیا جائے تو پھر تہی داماں ہی ہو گئے ہم جیسے۔ بیسٹ اسٹوری ''پاک کرو'' واقعی دل کا میل۔ جب تک صاف نہ ہو تب تک بندہ پاک نہیں ہو سکتا۔ کہانی زبردست رہی۔ ''نیرنگ خیال'' میں نگہت غفار' زہت جبیں ضیاء' عنبر مجید' سباس گل' شازیہ ہاشم' راشد ترین' مدیحہ نورین اور عمران فائق کی غزلیں نظمیں زبردست رہیں۔ ''بیاض دل'' میں ارم کمال' فریدہ فری' ثنا فرحان' عثمان عبداللہ' سباس گل' وقاص عمر' مہرین مہک کے اشعار بیسٹ تھے۔ دوست کا پیغام آئے میں جنہوں نے یاد کیا اللہ انہیں جزائے خیر دے۔ نور چودھری صاحبہ جلدی سے مجھے اپنا نمبر دے دو فون پر ٹھیک کروں گی (ورنہ پرسنل باتوں کا سب کو پتا چل جائے گا) آئینہ آپی شہلا کیا آپ سچ میں اتنی اچھی ہیں (ہی ہی ہی) غصہ مت کرنا مذاق کررہی ہوں۔ تبصرے سب کے زبردست تھے۔ آپی شمائلہ سے تو میں اب پکی ناراض ہوگئی ہوں۔ ''پکی پکی'' بس۔ اور ہاں ایم سحری جی۔ آپ اتنی شرارتی ہیں' مجھے پتا ہی نہیں تھا' ایسے کرارے جواب خوش رہو آمین۔

☆ پیاری عائشہ! اس بار ہی ہی سردی کی وجہ تھی یا جبر انس رہی تھیں۔ سمجھ نہیں آئی انگریزی الفاظ کا متبادل بھی دیکھ لیا کریں۔

بشریٰ رضوان...... چوک شاھدرہ بھلولپور۔ کیسے ہیں آپ لوگ۔ اب بات ہو جائے ڈائجسٹ کی تو ٹائٹل گرل بہت زبردست گی۔ رہنا آ تنا بھی اچھا تھا حمد ونعت بھی بہت اچھی تھی۔ سلسلے وار ناول ''تیری زلف کے سر ہونے تک'' اقرا صغیر احمد جی اس بار زبردست لکھا سودہ کی اچھائیاں اور صبر دیکھ کر عمرانہ کے دل میں نرمی آجائے گی۔ اسے بہو تسلیم کرلیں گی۔ پلیز انشراح کے ساتھ نوفل کا رویہ اچھا کردیں اور نوفل اپنی ماں کو معاف کردے۔ اچھی ہو یا بری ماں کا رتبہ بہت عظیم ہے غلطی ہر انسان سے ہوتی ہے۔ ''اکائی'' بس ٹھیک تھا' اب بات ہو جائے ناولٹ کی ''تحیر عشق'' صباء ایشل جی بہت اچھا لکھا مکمل ناول 'معصٔے دی ماری میں جھلی' صائمہ قریشی جی اس بار بہت زبردست لکھا۔ پڑھ کر رونا بھی آیا' حسن اور فجیعہ کی کہانی پر دکھ ہوا۔ ''تجھے عشق ہو'' قرۃ العین سکندر مکمل ناول بہت اچھا رہا' کھینچا تانی صدف آصف جی بہت اچھا سبق دیا انسان اپنی ذمہ داری اور حق کی ادائیگی میں غفلت نہ برتے تو گھر میں سکون رہتا ہے۔ درآ گہی ام اقصیٰ واقعی پڑھ کر اچھا لگا۔ کبھی کبھی زندگی کا ایک لمحہ ہماری باقی کی زندگی سنوار دیتا ہے۔ باقی ہدایت دینے والی ذات تو اللہ رب العزت کی ہے۔ باقی پورا آنچل ہر ماہ کی طرح بیسٹ تھا۔ اب اجازت اللہ حافظ۔

اسماء صدیقہ...... ثمینہ مصری...... عبد الحکیم...... خلنیوال۔ آ ہم تمام حسین چڑیلیں جو آنچل نگری میں آئینہ پر کسی جابر حاکم کی طرح قابض ہیں ان کو حکم دیا جاتا ہے جلدی سے جگہ خالی کردیں کیونکہ تشریف لا رہی ہیں مابدولت' باادب' باملاحظہ ہوشیار! مان لیا کہ زمانے کے پے در پے حادثات نے ہمیں جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ کچھ ماہ منظر سے غائب رہے مگر آنچل کو بھولے ہرگز نہیں سوچا دسمبر کو الوداع اور جنوری کو خوش آمدید کہیں۔ سو آج ہم آپ کے سامنے حاضر ہیں۔ لیجیے پہلے دعا کا تحفہ قبول کریں تو آنچل اسٹاف' شہلا عامر' میمونہ رومان' شمائلہ کاشف' ہما احمد ایمان وقار' جویریہ سالک' رائٹرز' حضرات بالخصوص عشناء کوثر' اقرا صغیر احمد' نازیہ کنول' حرا قریشی' صباء ایشل' نادرا طلحہ' ام ایمان قاضی' مونا شاہ' ریڈرز

بالخصوص دلکش مریم وانعم زہرہ شازیہ ہاشم میواتی اقرا جٹ مدیحہ نورین مہک سمیر کرن شانزہ پرویز شانو نور چوہدری تبسم بشیر ثمینہ مصری امتیاز ظفر اور عبدالحکیم کی ساری لڑکیاں دعا ہے اللہ رب العزت آپ کی علم عمل رزق صحت عمر میں برکتیں عطا فرمائے۔ نیا سال آپ کے لیے خوشیاں اپنے دامن میں سمیٹ کر لے آئے خوشیاں اور رحمتیں آپ پر بارش کی طرح برسیں۔ آمین ثمہ آمین۔ تحفہ قبول کرلیا تو شکریہ۔ ''سرگوشیاں'' آپی قیصر آرا' آپ کا درد ہم نے سمجھ لیا۔ آپ کا اور میرا وعدہ میں تو آئندہ اردو ہی استعمال کروں گی۔ دوسروں کو بھی ترغیب دوں گی۔ حمد ونعت واہ سبحان اللہ تعریف کے لیے الفاظ کی پٹاری خالی لگتی ہے۔ ''ہمارا آنچل'' ایم سحر مسکراہٹ دینے کا شکریہ۔ آپ بھی خوشیاں سمیٹیں اچھے جوابات ہیں۔ ''تیری زلف کے سر ہونے تک'' نہ جانے کیوں لگتا ہے شعوانہ عمرانہ رضوانہ بہنیں ہیں۔ انشی تم اتنی سدھر جاؤ گی یہ تو میں نے سوچا بھی نہیں تھا اور نوفل اتنی بھی شونہ مارو ورنہ میں انشی سے کہوں گی پہلے کی طرح ہو جاؤ اور ہاں نوفل مان لیا شعوانہ معافی کے قابل نہیں مگر دل بڑا کرلو میرے بھائی اپنی ماں سے صلح کرلو۔ عمرانہ جب تک تم سدھرو گی تب تک تو سودہ کے ارمانوں پر اوس پڑ جائے گی۔ کیسی ہو نہ خوش رہتی ہو نہ رہنے دیتی ہو۔ ''بہرکیف'' زبردست ناول جارہا ہے۔ ''کھینچا تانی'' محترمہ صدف آصف کا یہ افسانہ بھی بہتر لگا موضوع اگرچہ پرانا مگر ضرورت ہے اس کی آج کل۔ ''تجھے عشق ہوا'' قرۃ العین سکندر طوالت سے محفوظ ایک اچھا ناول درشہوار اور ثوبیہ بہت اچھی لگی۔ دوسرے لفظوں میں قرۃ العین بہنا نے کرپٹ سیاستدانوں کو ایک روشنی کی کرن اور نصیحت کی کہ ابھی وقت ہے توبہ کرلیں۔ ان کے سیاہ کرتوتوں سے بڑی نفاست کے ساتھ پردہ اٹھایا۔ شکریہ آپ کا۔ ''اکائی'' اول روز سے ہی بہت اچھا لگا یہ ناول۔ رجت سنگھ کی عارفانہ باتیں بہت مزہ دیتی ہیں۔ ''ہائے فاطمہ تمہارے دن کیوں خراب ہیں میرے بس میں ہو تو تمہارے ساتھ کچھ بھی برا نہ ہو۔ ارے فاطمہ اس وقار الحق سے تو تم ایسے ہی اچھی تھیں تاج بیگم ٹھیک کہتی تھیں شروع میں جب وہ اس رشتے پر راضی نہیں تھیں۔ اور جنت خدا کا خوف کرو تم تو درحقیقت وقار کی دشمن ہو بکواس ہے تمہاری محبت خالی ہاتھ رہو گی دیکھ لینا۔ ''ایک عورت'' عتیقہ نے یہ تحریر لکھ کر ثابت کردیا کہ ہر دفعہ عورت بے وفا نہیں ہوتی۔ شکر ہے ارم کا گھر بچ گیا۔ ساس صاحبہ دیکھو میدان فتح کرنے آئی تھیں۔ ''تحیر عشق'' صباء ایشل واہ رے واہ۔ اس شمارہ کی سب سے خوب صورت زبردست تحریر انداز بیاں بھی منفرد پنجابی کی آمیزش نوراں کا اظہار محبت تحریر کو چار چاند لگا دیے ایک جملہ دل میں گھر کر گیا۔ ''عورت کا اعتبار ٹوٹ جائے وہ تب بھی عشق کرنا نہیں چھوڑتی لیکن عزت کرنا چھوڑ دیتی ہے۔'' ''در آگہی'' ام اقصیٰ کی خوب صورت کاوش بس یہ دنیاوی کام شیطان اس طرح مزین کرکے ہمارے سامنے پیش کرتا ہے کہ ہم رب کے آگے جھکنے کو موخر کردیتے ہیں آخر کو وہ ہمارا کھلا دشمن جو ہے۔ اللہ ہمیں پانچ وقت نماز عشق نصیب فرمائے آمین۔ ''پاک کرو'' چودہ طبق روشن ہوگئے واقعی اصل داغ تو ضمیر کے ہیں کاش ہم دھونا سیکھ جائیں۔ ''بیاض دل'' ارم کمال وقاص عمر عروہ انیس بنت کنول مہرین مہک ٹاپ پر رہیں۔ ''نیرنگ خیال'' شازیہ ہاشم واہ بھئی واہ نزہت جبیں ضیاء بہت اچھی شاعری مدیحہ نورین (لگتا ہے مجازی خدا کے لیے لکھا ہے) پسند آئی شاعری اور ہاں دلکش مریم کہاں غائب ہے؟ کمی محسوس ہورہی ہے۔ ''یادگار لمحے'' سب نے بہت اچھا انتخاب کیا۔ ''آئینہ'' تبصرے تمام بہنوں کے بہترین ہیں۔ عیشاء شوکت مدیحہ طارق خوش آمدید اور ہاں کان کھول کر سن لو آئندہ یہ کام کلاس میں کیے تو میں آپ کی ٹیچر کو میسج کردوں گی۔ پھر نہ کہنا خبر نہ تھی۔ نور چوہدری آپ کا تبصرہ میں نے فجر سے پہلے بیدار ہونے کے فوراً بعد پڑھا۔ صبح صبح موڈ فریش ہوگیا اور ہاں نور چوہدری اور ماریہ نذیر یار ہولا ہاتھ رکھوا تنے لمبے لمبے تبصرے اف یار ویسے میں نے تو ثمینہ کی خوشی کی خاطر لکھا ہے اور آپ نے اتنا لمبا تبصرہ کس کو خوش کرنے کی خاطر لکھا؟ باقی تبصرے بھی اچھے تھے ثمینہ مجھے آپکی کال کا انتظار رہے گا۔ جب آپ میرے تبصرے پر تبصرہ کریں گی اور آئی مس یو رابعہ اینڈ الوینہ امید واثق ہے یہ تبصرہ آپ کی نظروں سے ضرور گزرے گا۔

عائشہ پرویز...... کراچی۔ ڈیئر شہلا آپی! آنچل اسٹاف اور تمام قارئیں کو یکم جنوری کی ٹھنڈی صبح اور نئے سال کے طلوع ہوتے سورج کا پہلا سلام قبول ہو۔

تیری بزم میں آئی ہوں کچھ انتظام کرلینا
جس دم نگاہ ملے نینوں سے سلام کرلینا

جنوری کا دھند سے معمور سردیوں میں باورچی خانے میں گیس کے چولہے کے ساتھ فنجان میں بھرے قہوہ سمیت ہم آج کافی مہینوں بعد پھر محو گفتگو ہیں' ٹائٹل گرل اپنی تمام تر رعنائیوں ودلکشی سمیت دل کے آئینوں میں جگہ بنا گئی۔ حمد ونعت دل کو نور وروشنی سے منور کر گئے جزاک اللہ۔ جلدی سے درجواب آں میں آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئے۔ دانش کدہ پڑھ کر دل کو بہت سکون ملا۔ ہمارا آنچل میں ایم سحر سے ملاقات کی اور خوشی محسوس ہوئی سلسلہ وار ناول ''تیری زلف کے سر ہونے تک'' اس میں سب سے پیارا کردار سودہ کا لگتا ہے اور زید کی ماں زہر لگتی ہے۔ پلیز اب وقت آ گیا ہے ان کو سدھارنے کا جنھوں نے سودہ کی ساری باتیں سن لی ہیں۔ انشراح کو سیدھا کر دیا' لیکن نوفل صاحب کو اپنے گستاخانہ لب ولہجے میں ذرا لچک پیدا کرنا چاہیے۔ ''اکائی'' عشنا آپی جاری رکھیں اگلی قسط کا بے صبری سے انتظار ہے۔ ناولٹ ''تحیرِ عشق'' ایشل کی مما آپ تو سرتاپا عشق ہیں اس کہانی نے دل کو چھولیا۔ مکمل ناول ''تجھے عشق ہو'' محبت کا ایک خوب صورت اور سحر انگیز انداز بیاں' تحریر نے گرفت میں لیے رکھا' محبت کئی روپ میں ہے اور اس کا انجام بھی کئی رویوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ ''عشقے دی ماری میں جھلی'' واہ صائمہ آپی واہ بہت ہی زبردست طریقے سے تحریر لکھ رہی ہیں۔ اب آپ کے قلم کی گرہیں کھل رہی ہیں وجاہت اور سکینزہ کی انڈراسٹینڈنگ اچھی لگی۔ خدا ایسے ہی رکھے۔ اور ہاں عبدالمعید لوگ پاکستان جارہے ہیں اور ادھر سکندر لوگ ملیں گے امیزنگ دیکھتے ہیں کون ہارتا ہے محبت میں کون جیتتا ہے۔ یہ کہانی ہر بار کی طرح سوچ کے در وا کر گئی۔ لیکن آپ نے شجیعہ کو مار کر اچھا نہیں کیا۔ ہٹلر کی جانشین ہنہہ۔ افسانے ''کھینچا تانی'' آپ نے آنکھیں ہی کھول دیں۔ حالانکہ بند نہیں تھیں۔ ''ایک عورت'' واہ کیا کہنا ہمیشہ کی طرح معاف کردینے والی عورت زبردست۔ ''درآ گہی'' کے در وا ہوئے تو کچھ سکون سا آ گیا۔ ''پاک کرو'' ایک اچھا افسانہ آج کل رشتوں کی حقیقت سے بھرپور عکاسی' بیاض دل میں سب کے اندر میر درد کی روح نظر آئی۔ آگے ڈش مقابلہ جاری تھا کفرانِ نعمت نہ کرتے ہوئے ان سب ڈشز کو چکھا۔ پھر غزل' نظم پر پہنچے سب ہی بہترین تھیں۔ دوست کا پیغام آئے میں سرسری سی نظر ڈالی کیونکہ ہمارے لیے کوئی پیغام نہیں تھا اور دوسروں کے پیغام پڑھتے تو شاید وہ پسند نہ کرتے لہٰذا ڈسٹرب کیے بغیر آگے بڑھ گئے۔ آئینہ عرصہ ہوئے دیکھے ہوئے۔ یادگار لمحے ہوتے ہی یادگار ہیں' ہم سے پوچھیے میں شمائلہ آپی سوالات میں گھری نظر آئیں اور خوب صورتی سے جوابات کے ذریعے گھیرا توڑتی ہوئی۔ لیجئے اب وقت آ گیا آپ سے اجازت لینے کا۔ ہمارا آنچل ایک بہترین رسالہ ہے ہم سا ہو تو سامنے آئے کی مکمل تصویر بن گیا ہے اور کوئی اس کا مقابلہ کر ہی نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ آنچل کو ہمیشہ ترقی دے اور ہم سب کو حفظ وامان میں رکھے آمین۔ (رب دی امان)

☆ ڈیئر عائشہ! بڑی دیر کی آتے آتے......

ماریہ نذیر...... بھاگتا نوالہ تمام لکھنے والوں اور پڑھنے والیوں کو دل کی اتھاہ گہرائیوں سے سلام۔ شکر ہے آنچل جلدی مل گیا۔ ٹائٹل اچھا تھا۔ عروج یار پھول تو مجھے دے دو۔ ڈھیر سارے اشتہارات کے بعد ''سرگوشیاں'' پر پہنچے تو مدیرہ آنی کا کہا لفظ لفظ امرت گھول رہا تھا۔ خدا آنچل کو اور زیادہ ترقی دے (آمین) اور آج کل کی نسل کمپیوٹر نسل ہے۔ توفیق اور ہدایت سے ہی سنور سکتی ہے۔ اللہ ہم سب کے حال پر رحم کرے (آمین) ''حمد اور نعت'' ہمیشہ کی طرح لاجواب۔ یاسمین کنول نے بہت خوب صورت انداز میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی ہے۔ اور ریاض حسین صاحب نے دلکش انداز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نعت لکھی۔ دونوں کے لیے تعریف اور بہت زیادہ۔ ''درجواب آں'' جن جن کی کتب اور شاعری شائع ہوئی ان کو میری طرف سے مبارکباد۔ تبسم بشیر تسی کتھے ہو جناب۔ آجاؤ اب جلدی۔ قیصرہ آنی میرے خط کا جواب کیوں نہیں دیا؟ میں ناراض۔ ''ربنا آتنا'' لفظ لفظ موتی۔ قطرہ قطرہ شبنم۔ ایم سحر سے ملاقات بس ٹھیک ہی رہی۔ محنت جاری رکھو۔ اب تبصرے کی طرف دھیان دیں سب ہاہاہا۔ تیری زلف کے سر ہونے تک۔ اقرا آپی اب بس بھی کردیں۔ نوفل کی ماں کے ساتھ صلح ہو جائے۔ انشراح بی بی پر ترس آتا ہے بے چاری کو نوفل پوچھتا بھی نہیں۔ سودہ اور زید کی جوڑی لاجواب۔ شکر ہے عمرانہ بھی بہتری کی طرف آ رہی ہے۔ اپنی اصلاح کرلی تو بہتر ہے۔ قسط اچھی رہی اس ماہ کی۔ شاہ زیب کی بوا جی کے ساتھ نوک جھونک مزہ دے گئی۔ ''اکائی'' کی قسط بھی شاندار تھی۔ اگلی قسط کا شدت سے انتظار ہے۔ شاعری لاجواب تھی۔ عشنا جی۔ پلیز فاطمہ کی آزمائش کم کردیں اب۔ سازشوں کا شکار ہو رہی ہے ہر طرف سے۔ اب مزہ آتا ہے ناول کا۔ ڈھیر ساری

تعریف۔ ''کھینچا تانی'' صدف آصف کا افسانہ کچھ خاص متاثر نہیں کرسکا۔ ہر ماہ ہی ایک نہ ایک تحریر ساس بہو بھابی نند کے درمیان لڑائی والی ضرور ہوتی ہے۔ کوئی نیا موضوع بھی لے آیا کریں۔ ساس بہو کا پڑھ پڑھ کر دل اوب گیا ہے۔ بہر حال امبرین کی بے لوث خدمت اور وفاداری اچھی لگی۔ احسن کا اپنی ماں کو سمجھانا بھی اچھا تھا۔ ''تجھے عشق ہو'' قرۃ العین سکندر کا مکمل ناول بہت پسند آیا۔ درشہوار اور فیروز کی نئی نسل کے لیے محبت اچھی تھی۔ ان کو اپنے فرائض کا احساس تھا' تب ہی شعیب عالم جیسے کرپٹ انسان سے گھبرائے نہیں۔ اور شکر ہے شعیب عالم کو بھی آخر میں عقل آ گئی تھی۔ سب کی جوڑیاں شاندار رہیں۔ دانیال' ثوبیہ' درشہوار' فیروز' مائرہ' اسد ناول بہت اچھا تھا۔ عینی آپی ڈھیر ساری تعریف کا ٹوکرا آپ کے لیے۔ ''ایک عورت'' عتیقہ محمد بیگ کے افسانے میں اتنا بڑا سبق۔ امیزنگ۔ گھر سے بھاگی گئی لڑکی کی کوئی عزت نہیں کرتا۔ معاشرے نے کیا عزت کرنی جس کے ساتھ گئی ہوتی ہے وہ ہی بعد میں طعنے دیتا اور الزام لگاتا ہے۔ آفتاب کی تنگ ذہنیت پر بہت افسوس ہوا۔ اور ارم کی عقل پر ماتم۔ شکر ہے بیٹے نے آخر میں غلط فہمی دور کردی اور اینڈ اچھا ہوگیا۔ بہت تعریف آپ کے لیے بھی۔ ''عشقے دی ماری'' شکر ہے ختم ہونے کے چانس بن رہے ہیں۔ ہاجرہ اور رضا کا بیٹا وجاہت اور حسن اور صحیحہ کی بیٹی سکینہ' پردہ جو اٹھا تو سب واضح ہوگیا اور حقیقت بہت اچھی لگی۔ اب دو تین اقساط ہاجرہ کو منانے میں لگ جائیں گی کیونکہ اس نے عبدالمعید عرف حسن سے بدلہ جو لینا ہے۔ بانو آپا اور رضا کا ملنا رہ گیا۔ اگلی قسط کا بے تابی' بے صبری سے انتظار ہے۔ صائمہ آپی بہت شکریہ اتنا اچھا ناول لکھنے کا۔ اور ہاں سچ شمع مبارک ہو جڑواں بچوں کی۔ بھاہ جمشید تو بھی ہنس لے تھوڑا بھائی (ہاہاہا) ''تحیر عشق'' صبا ایشل کا ناول اچھا لگا۔ نوراں کی اتنی شدت والی محبت شاہ مراد تو لگی تھا۔ مگر شاہ مراد نے بھی اس کی خوشی کے لیے یہ سب کرنا چاہا تھا تو نوراں ناراض کیوں؟ بہر حال یہ بھی سچ ہے کہ ایک دفعہ اعتبار اٹھ جائے تو دوبارہ نہیں آتا فول بنادیا (ہاہاہا) ''آئینہ'' سب کے تبصرے شاندار و جاندار تھے۔ نور چودھری میں نے دیکھ لیا آپ نے انیس دفعہ (ہاہاہا) کی اور ایک دفعہ ہی میں تو خوش ہوں' یا آپ کرتی رہا کرو (ہاہاہی بے نائس) ام ہانی دوبارہ شکریہ آپ کا۔ عائشہ شکیل میں تو سب کے لیے دعا کرتی ہوں۔ اللہ آپ کی ہر جائز خواہش پوری کرے (آمین) شاہ کنول آپ دوست ہی ہو۔ رضوانہ وقاص گیارہ ہوے مہینے میں میری سالگرہ ہوتی ہے وش کرنے کا شکریہ۔ تبسم بشیر' اقرا' امتاز اور صالحہ کی کمی محسوس ہوئی ''ہم سے پوچھیے'' پوچھا تو تھا مگر بتایا نہیں شمائلہ جی آپ نے وجہ؟ مجھے لگتا ہے شہلا آپی آپ نے ہی منع کیا ہوگا ہے نا؟؟ ''آپ کی صحت'' اللہ کا شکر ہے ابھی تو سردی سے بچے ہوئے ہیں۔ سب کو سلام اور دعائیں۔ فی امان اللہ۔

☆ پیاری ماریہ! شمائلہ کو میں کیا منع کروں گی تمہارے سوال ہی اسے جواب دینے سے باز رکھتے ہیں ورنہ شمائلہ تو وہ ہے جو کسی سے نہیں ڈرتی تھی۔

امن ملک ...... نصر پور۔ دسمبر کا آنچل اس دفعہ جلدی مل گیا۔ ماڈل کی جیولری دیکھ کر ایسا لگا کہ شاید اس نے میری چرائی ہے کیونکہ بھائی کی شادی پر میں نے بالکل ایسی ہی جیولری لی تھی۔ اس کے بعد آنٹی کی پیاری سرگوشیاں سنیں واقعی آنٹی آپ ٹھیک کہتی ہیں۔ حمد و نعت پہلے کی طرح لاجواب در جواب آں میں آنٹی سب سے محو گفتگو تھیں ہمارا آنچل میں (ایم سحر) چھائی ہوئی تھیں۔ تیری زلف کے سر ہونے تک نوفل بھائی کافی پریشان نظر آئے۔ نوفل بھی ضرور اپنی ماں کو معاف کر دے گا۔ لیکن جو دکھ انسان اپنے ماں باپ کی وجہ سے اٹھا چکا ہوتا ہے وہ اتنی آسانی سے نہیں بھولتے۔ زید بھائی اور سودہ تم لوگ اکٹھے اچھے لگ رہے ہو۔ کھینچا تانی بس اچھی ہی تھی۔ کیونکہ اب تو ہر گھر میں ایسا ہوتا ہے کہیں ساس اچھی اور بہو بری اور کہیں بہو اچھی اور ساس بری تجھے عشق ہو۔ واقعی جو لوگ اچھائی کی طرف قدم بڑھاتے ہیں تو ان کے لیے ہر طرف سے مشکلیں کھڑی کردیں جاتی ہیں۔ ایسا ہی درشہوار کے باپ اور فیروز کے ساتھ ہوا لیکن جب اللہ کسی کو ہدایت دینا چاہے تو پھر انسان کیا کرسکتا ہے۔ بہت اچھے۔ اکائی جس کی سمجھ نہ آئی۔ ایک عورت کا دل واقعی بہت بڑا ہوتا ہے۔ وہ ہر غم سہہ جاتی ہے لیکن مرد کتنا بھی محبت کرنے والا ہو۔ ایک ذرا سی غلط فہمی پر اسے بدلتے دیر نہیں لگتی۔ ویری نائس عشقے دی ماری میں جھلی۔ اس ناول پر کیا تبصرہ کروں' کیونکہ یہ ناول ہے ہی بیسٹ جب اس کا اختتام ہوگا تب مکمل تبصرہ کریں گے۔ ''تحیر عشق'' واقعی نوراں نے شاہ سے عشق کیا تھا۔ لیکن اسے شاہ کو معاف کردینا چاہیے تھا۔ درآ گہی اس افسانے میں ہمارے لیے ایک سبق پوشیدہ

تھا۔ بیسٹ افسانہ۔ ''پاک کرو'' واقعی ہمیں سب سے پہلے اپنے دل کو پاک کرنا چاہیے۔ ''بیاض دل'' ایمل پارس مغل بنت حوا کے اشعار پسند آئے۔ نیرنگ خیال سب کے خیال اچھے تھے۔ دوست کا پیغام میں اپنا نام دیکھ کر بہت اچھا لگا۔ فائزہ بھٹی۔ یاد کرنے کا شکریہ۔ دعاؤں کے لیے شکریہ۔ کیا ہماری دوستی پکی۔ یادگار لمحے پروین افضل شاہین عاقب جاوید عثمان عبداللہ بھائی آپ نے تو بہت زیادہ ہی ریسرچ کررکھی ہے بیویوں پر۔ ام ہانی نور چوہدری اقرا جٹ کرن شہزادی کے تبصرے پسند آئے۔ ہم سے پوچھیے اپنے سوال اور آپ کے کرارے جواب دیکھ کر مزہ آیا۔ بھئی پورا آنچل ہی بیسٹ تھا۔ اللہ آپ سب کا حامی و ناصر ہو دعاؤں میں یاد رکھنا۔ شکریہ۔

☆ پیاری امن! ماڈل کی جیولری آپ جیسی تھی یا آپ کی تھی یہ تو آپ کو پتا لگانا ہوگا۔

علشبہ خان...... ہیڈ کھنڈ سب سے پہلے تو تمام اہلیان پاکستان کو دل کی گہرائیوں سے نیا سال مبارک ہو۔ اللہ اس امت مسلمہ کے لیے اس سال کو خوشی کا سال بنادے اور ہمارے پیارے ملک اور پیارے آنچل کو ہمیشہ قائم و دائم رکھے۔ تو جناب سرورق پر عروج فہیم اپنے لمبے ناخنوں سمیت دل میں گھس گئیں' سرگوشیاں میں قیصر آنی نے ہمارے کان میں سرگوشی کی کہ اس بار بہت ڈریس بنانا کیونکہ سردی بہت زیادہ ہوگی۔ اس لیے ان کی بات پر عمل کررہی ہوں اور بازاروں کے چکر کاٹ رہی ہوں۔ ''حمد ونعت'' یاسمین کنول اور ریاض حسین نے موتیوں کی مالا پروئی ہوئی تھی۔ درجواب آں کو پھلانگتے پہنچے جی ناول ''تحیر عشق'' پڑھا' زبردست تھا۔ تھوڑا رومینٹک تھا۔ ''تجھے عشق ہو'' واؤ بہت ہی زبردست۔ یہ آج کے سیاست دانوں پر لکھی گئی ایک دلچسپ اسٹوری تھی۔ اور کہانی پر لگی تصویر نے تو دل ہی خوش کردیا۔ اس میں دانیال اسٹرونگ کریکٹر تھا۔ افسانہ ''ایک عورت'' ویسے میرے خیال میں ایسی لڑکیوں کا یہی حال ہونا چاہیے جو اپنے ماں باپ کی عمر بھر کی ریاضت کو مٹی میں ملادیتی ہیں۔ صرف چند سال کی محبت کے لیے سب خاک میں ملادیتی ہیں۔ اللہ ہر بہن بیٹی کو ہدایت دے اور ایسی حرکت کرنے اور شیطان کے شر سے محفوظ رکھے (آمین) ''کھینچا تانی'' لیکن اگر مرد بھی ذمہ داری کا مظاہرہ کرے تو گھر کو واقعی جنت بنایا جاسکتا ہے۔ ''در آگہی'' یہ در آگہی بھی کسی کسی پر کھلتا ہے' ہر شخص ایسا نہیں ہوتا جو ہدایت پاتا ہے۔ یہ خدا کے پسندیدہ بندے ہوتے ہیں۔ جو ''لبیک'' کہہ کر اپنے دین و دنیا اور آخرت کو سنوارتے ہیں۔ اللہ ہم پر بھی ایسے ہی در آگہی کھولے۔ ''پاک کرو'' آج کل یہی سب تو ہورہا ہے۔ ہر انسان ایک سے بڑھ کر ایک ڈریسنگ کررہا ہے۔ فیشن کے نام پر بے حیائی عام ہوچکی ہے۔ ہر چیز پاک ہوچکی ہے' مگر انسان کا دل ہی نہیں پاک۔ ویسے برتنوں کو تو ویسے بھی پاک کرتے ہیں مطلب استعمال سے پہلے سب لوگ دھوتے ہیں تاکہ دھول وغیرہ ہٹ جائے۔ مستقل سلسلوں میں بیاض دل ارم کمال' عثمان عبداللہ' کوثر ناز' فیاض اسحاق' اور امبر گل کے اشعار پسند آئے۔ مجھے کھانا پکانے سے دلچسپی نہیں اس لیے ڈش مقابلہ نہیں پڑھا۔ ''نیرنگ خیال'' مدیحہ کنول' نعیم الفر' اور عمران فائق ''نیرنگ لکھا'' دوست کا پیغام آئے بھی ہمیشہ کی طرح کلیوں سے مہک رہا تھا۔ اقصیٰ شوکت اور قریبہ ناز کے پیغام پسند آئے۔ ''یادگار لمحے'' عثمان عبداللہ بھائی' پروین افضل شاہین ندا رضوان اور عاقب جاوید کے انتخاب پسند آئے۔ ''آئینہ'' میں عیشا شوکت' اقرا جٹ' ثنا کنول مجھے یاد کرنے اور انتخاب پسند کرنے کے لیے شکریہ۔ اس کے علاوہ لبنیٰ شکیل' شیریں اسلم کے تبصرے پسند آئے اور جناب آخر میں ''ہم سے پوچھیے'' ہمیشہ کی طرح مدیحہ نور مہک' پروین افضل اور عنزہ یونس کے کھٹے سوال پسند آئے شمائلہ جی آپ سے کوئی شکایت نہیں کروں گی کہ آپ میرے سوالوں کے جواب نہیں دیتیں' بس یہ شعر کافی ہے شاید۔

ناراض کیوں ہوتی ہو چلی جاتی ہوں تیری محفل سے
اپنے ٹوٹے ہوئے دل کے ٹکڑے تو اٹھانے دو

''آپ کی صحت'' کو پڑھا اور پڑھ کر ڈائجسٹ بند کردیا۔ ایم سحر (آپ کا تعارف اچھا لگا)۔ اوکے خدا حافظ۔

☆ پیاری علشبہ! بازار کے چکر لگا کر لگتا ہے بالکل ہی چکرا گئی ہو جب ہی شمائلہ سے کوئی شکوہ نہیں اب ایسا کرو کوئی طاقت کی سیرپ پی لو تاکہ تھوڑی توانائی آئے۔

عیشا شوکت' مدیحہ طارق' مریم روبی...... حویلیاں السلام علیکم! آنچل والوں! کیسے ہو سب

لوگ...... امید ہے خیریت سے ہوں گے۔ آنچل پچیس کو مل گیا جو کلاس میں ٹیچر سے چھپ چھپ کے پڑھا۔ ٹائٹل گرل عروج شمیم کا ڈریس بہت پسند آیا۔ اور جیولری بھی بہت پیاری تھی۔ پھر آپی کی سرگوشیاں سنیں۔ ربنا اتنا مشتاق قریشی کا کالم ہمارا پسندیدہ ہے اس کے بعد چھلانگ لگا کر پہنچے اپنے موسٹ موسٹ فیورٹ ناول 'عشقے دی ماری میں جھلی" تک مگر یہ کیا۔ حسن کو شجیعہ نہیں ملی اور آٹھ سال بعد جب ملی تو وہ بھی مری ہوئی۔ صائمہ آپی اس بار تو آپ نے قسط میں دھماکا کردیا۔ سکینزہ شجیعہ اور حسن کی بیٹی ہے امیزنگ ویسے آپی یہ سکینزہ بالکل ماں کے برعکس ہے۔ آپی ہمارا خیال ہے کہ یہ ہاجرہ سز سکندر رہی ہے۔ اس کے بعد واپس آئے ایم سحر کے پاس ان سے مل کر اچھا لگا۔ بھائی زید اور سودہ کی لو اسٹوری اچھی جارہی ہے۔ یہ نوفل بھائی اُنشی سے کیسی محبت کرتے ہیں محبت میں ڈانٹ بھی نوفل تم بہت اکڑو ہو یار اپنی ماں کو معاف کردو جیسی بھی ہیں تمہاری ماں تمہاری جنت ہے۔ شاہ زیب مذاق بہت اچھا کرتے ہو۔ کائی ایسا لگتا ہے جیسے یہ کہانی تھرل ہو وہی بار بار جنت (عرف جہنم بی بی) بار بار فاطمہ اور وقار الحق پر حملہ کرنا ویسے رجت سنگھ تمہیں یوں ایک دم فاطمہ بی بی سے براہ راست نکاح کی بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔ پھر قرۃ العین سکندر کا "تجھے عشق ہو" پڑھا کافی اچھا ناول تھا۔ درشہوار کا کردار بہت پسند آیا۔ لیکن ناول وہی روایتی موضوع کا تھا۔ بہرحال الفاظ کا چناؤ بہترین تھا۔ کھینچا تانی (صدف آصف) کا افسانہ بہت اچھا تھا۔ اگر ہر کوئی سمجھوتہ کرلے تو گھر جنت بن جاتے ہیں۔ اس ماہ سارے افسانہ بیسٹ تھے۔ کسی ایک کو اچھا کہیں تو ناانصافی ہوگی۔ "ایک عورت" عتیقہ محمد بیگ میں آپ کو پہلی دفعہ پڑھ رہی ہوں۔ آپ نے بھی معاشرے کے تلخ حقائق پر روشنی ڈالی۔ آخر ارم کو بھی پتا چل گیا کہ جب کسی سے اس کی محبت چھینی جائے تو اسے اس شخص سے کتنی نفرت ہوجاتی ہے۔ زبردست "دراَ گہی" ام اقصیٰ نے بھی بہت اچھا لکھا۔ واقعی انسان دنیاوی زندگی کے لیے کتنے کتنے منصوبے بناتا ہے۔ مگر ہمارے پاس اپنے ابدی اور آخری گھر کے لیے کوئی وقت نہیں ہوتا۔ اس کے بعد ام ہانی کا "پاک کرو" پڑھا۔ انسان اپنے جسم کو تو پاک کرلیتا ہے اور اسے روح کی کوئی فکر نہیں ہوتی۔ ناولٹ "صباء ایشل" ایک بار پھر آئیں اور چھا گئیں۔ ویسے آج "نازیہ کنول نازی" کچھ نہیں لکھ رہیں آپی کچھ لکھیں تاہم آپ کو بہت یاد کررہے ہیں۔ مدیرہ آنٹی آپ نے جو اردو زبان کو ترقی دینے کی کوشش کی ہے زبردست۔ شاعری کے لیے سوری صرف ایک نظم پسند آئی۔ ڈش مقابلہ میں مٹن قورمہ ٹرائی کیا۔ دوست کا پیغام آئے میں سب مسکراہٹیں بکھرتی ہوئیں نظر آئیں۔ آئینہ میں سب کے تبصرے بیسٹ تھے مجھ سمیت۔ اوکے جی اللہ حافظ پھر ملیں گے۔

پرنسز اریج خان...... بھیر کنڈ باادب ہوشیار ملکہ حسن تشریح لارہی ہیں سب متوجہ ہوجائیں اس سے پہلے کہ دیدار کا سے گزر جائے اور ملال کی کیفیت آپ پر طاری ہو۔ اس لیے تمام رعایا کو ہماری طرف سے سلام اور تحائف۔ اب بات سلطنت کے امور کے بارے میں کرتے ہیں تو سب سے پہلے شمائلہ کاشف کو برطرف کیا جائے جو ہمارے سوالوں کے جواب نہیں دیتیں۔ اب ہم جائزہ لیتے ہیں سلطنت کا تو ماڈل کو دیکھا تو لبوں سے بے اختیار واہ نکلا کمبخت جوتوں سمیت دل میں اتر گئی۔ مزید حمد وثنا سے مستفید ہوتے در جواب آں میں جھانکتے سیدھا پہنچے جی "تحریر عشق" ہاؤ امیزنگ شاہ اور نوراں کی جوڑی بہت اچھی لگی آخر کچھ کچھ سمجھ میں آیا۔ "تجھے عشق ہو" یہ واقعی اس معاشرے کا ایک تلخ پہلو ہے جس پر جتنی روشنی ڈالی جائے کم ہے۔ مگر آج اس دور میں بھی غریب پستے ہیں۔ حکمرانوں کے صرف آرڈر کرنے پر لوگوں کی جان لی جاتی ہیں۔ "ایک عورت" انٹرسٹنگ تھا۔ اللہ شیطان کے شر سے بچائے۔ ویسے عورتوں نے بھی گھروں سے بھاگنا جیسے فیشن بنالیا ہے (سوری) مگر میں کچھ عورتوں کے لیے کہہ رہی ہوں۔ اس لیے ڈونٹ مائنڈ ہاں۔ "دراَ گہی" سمجھنے والوں کے لیے بے شک ایک بہترین تحریر تھی۔ اللہ ہم سب کو بھی اس در سے نوازے جو ہدایت کا ہو اور ہمیں اللہ سے ملادے۔ "پاک کرو" صرف اپنے دلوں کو کیونکہ نیت صاف منزل آسان۔ "کھینچا تانی" جو کہ تقریباً ہر گھر میں ہوتی ہے۔ ویسے ہمارے گھر میں نہیں ہے۔ ابھی بھابی جو نہیں آئی۔ مگر ہم آج کل تلاش میں ہیں ایک چاند سی بھابی کے۔ "یادگار لمحے" عثمان عبداللہ بھائی آپ کو کیا عورتوں سے الرجی ہے۔ ویسے آپ کا انتخاب پڑھ کر آپ کے عورتوں کے لیے تاثرات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے (ہاہاہا) دوست کا پیغام آئے" کسی بے وفا بے مروت بے حس بے اعتنا اور بے پرواہ نے یاد نہ کیا بہت برا لگا۔ "آئینہ" اقرا جٹ عیشا اور ثنا مرجان کے تبصرے پسند آئے اور جی شمائلہ جی کی محفل میں مدیحہ نورین بازی لے گئیں۔ پر شمائلہ جی ہمیں آپ سے شکوہ ہے۔ ہمارے

سوالوں کے جواب کیوں نہیں دیتیں آپ اگر آپ کو پسند نہیں آتے تو کوئی نہیں میں اس کے بعد نہیں بھیجوں گی۔ اور آخر میں سب دوستوں سمیرا سواتی' ایم غفور' ایم سحر' مدیحہ نور' کرن شہزادی' علشبہ خان' اقراء جٹ' اقرا' ممتاز' تابی کھرل' تبسم شیر' عنزہ یونس' پروین افضل شاہین آنٹی' کوثر خالد (آنٹی) آپ سب کو نئے سال کی بہت بہت مبارک ہو۔ جس کا نام رہ گیا ہے تو سوری اور پلیز مجھے اپنی دعاؤں میں اس نئے سال کے آغاز میں ضرور یاد رکھنا۔ سب اپنا خیال رکھیے گا۔ خدا حافظ۔

☆ پیاری اریج! ملکہ کی آمد پر بھی کسی درباری نے آواز نہیں لگائی لیکن آپ تو خود ہی سب کو ہوشیار کرتی آرہی ہیں کہیں ارادے کچھ اور تو نہیں۔

رضوانہ وقاص...... مریدی یود۔ شہلا آپی آپ کا بہت شکریہ آپ نے میرا خط شائع کیا آنچل بائیس تاریخ کو مل گیا۔ ماڈل عروج قسیم ہنستی مسکراتی ہوئی پیاری لگ رہی تھی۔ جیولری' انگوٹھی' گلدستہ بہت ہی پسند آئے۔ شاہ زیب چودھویں جماعت میں پاس ہوا ہے اسے مبارکباد دیتی ہے۔ بہت بہت بہت مبارک ہو بھائی اللہ ہر میدان میں کامیاب کرے۔ (آمین) شہلا آپی آپ کا بہت بہت شکریہ سمیرا کی برتھ ڈے کا لکھا ہے۔ اب آتے ہیں اپنے پیارے آنچل کی طرف "سرگوشیاں" پڑھیں ایسے ڈرامے کیوں بنائے جارہے ہیں جو ہماری نوجوان نسل کو تباہ کررہے ہیں۔ قیصر آرا نے ذکر کیا سردی کا کہ شدید سردی ہوگی۔ اس سردی کی وجہ سے ہمارے گاؤں میں ہمارے رشتہ دار ہیں۔ بچی تو ان کی معذور تھی۔ دو سال کی جمعرات والے دن بچی کا جنازہ ہوا۔ جمعہ والے دن بیٹے کا دو ماہ کا تھا جس کو نمونیہ ہوا تھا آمین۔ اس ماں کی گود ایک دم خالی ہوگئی۔ مہوش کو اللہ صبر دے (آمین) حمد نعت دونوں اچھی ہیں۔ "درجواب آں" میں شگفتہ کے لیے دعا ہے کہ اللہ آپ کو جلد از جلد ٹھیک کردیں (آمین) ربنا اتنا سلسلہ بہت اچھا ہے۔ ہم سب پڑھتے ہیں' ہمارا آنچل۔ ایم سحر کی کیا بات ہے مجھے پڑھ کر اچھا لگا۔ چھا گئی ہیں آپ پھر پہنچے اپنے فیورٹ ناول "تیری زلف کے سر ہونے تک" سودہ اور زید آپس میں اچھے ہوئے تو نوفل اور انشراح کو کیا ہو گیا ہے۔ اب ان کی ناراضی ختم کریں۔ شاہ زیب کی منگنی ہوگئی اب عمرانہ سودہ کے ساتھ ٹھیک ہوجائے۔ "اکائی" میں جنت کو طلاق ہونی چاہیے۔ ریحان اپنی کزن کے ساتھ اچھا نہیں کررہا۔ "دھمکتے دی ماری میں جھلی" جمشید کے ہاں جڑواں بچے مبارک ہو مجھے جڑواں بچے پسند ہیں۔ یہ کیا دل بہار آپا پہلے حسن کو اطلاع کردیتی تو وہ مجیعہ سے مل لیتا۔ جب مرنے لگی تب آپا کو خیال آیا۔ وجاہت ہاجرہ کا بیٹا ہے۔ جب حسن پاکستان ان کے گھر جائے گا۔ ہاجرہ اور حسن ایک دوسرے کو پہچان لیں گے۔ اس وجہ سے سکیزہ اور وجاہت کا رشتہ نہیں ہوگا۔ اب دیکھیے میرا یہ خیال ہے صائمہ آپی کیا کرتی ہیں اینڈ میں اب ان کی مرضی' افسانہ ایک عورت میں نے پڑھا میاں بیوی میں پیار' محبت اعتبار ہونا چاہیے۔ دوسرا کیسے بھی حالات ہوں لڑکی کو کورٹ میرج نہیں کرنی چاہیے۔ ساری غلطی بے چاری عورت پر آجاتی ہے۔ مرد کا کیا ہے۔ مجھے ارم پر بہت ترس آیا۔ عورت رونے کے علاوہ کیا کرسکتی ہے۔ کھینچا تانی افسانہ بھی پسند آیا۔ یہ آج کل ہر گھر کا مسئلہ ہے۔ بہو کوشش کرتی ہے کہ کوئی غلطی نہ ہو لیکن ساس پھر بھی خوش نہیں ہوتی۔ تجھے عشق ہو میں درشہوار کا کردار پسند آیا۔ مجھے درشہوار نام پسند ہے۔ اس کا مطلب بتادیں میری بھتیجی ہوئی اس کا نام رکھوں گی۔ ان شاء اللہ اور غزل پسند آئی۔ اس کہانی میں۔ پاک کرو افسانہ میں نے اپنے ابو کو پڑھ کر سنایا کیونکہ ہم چیزیں تو پاک کردیتے ہیں جو رشتے ہم سے روٹھ جائیں۔ انہیں منانے کی کوشش نہیں کرتے کیا خیال ہے آپ کا۔ بیاض دل روبینہ اکرم چوہدری کا شعر پسند آیا ہے۔ امبر گل' ایمل واہ کینٹ' ریحانہ وڑائچ' کنول کیا بات ہے جی آپ لوگوں کی چھا گئیں آپ۔ ڈش مقابلہ سب ہی پسند آیا۔ "نیرنگ خیال" میں مدیحہ کنول' سائرہ خان' مدیحہ اکرم' عمران فائق کی غزلیں پسند آئیں' دوست کا پیغام اقصیٰ شوکت حیات' ان کے نام بہت بہت شکریہ۔ یادگار لمحہ میں ندا رضوان' ارم کمال' ماہ بشیر حسین' مدیحہ نورین مہک' رحمہ ثانی' علمہ شمشاد حسن' ثمرین رانا' ثناء جعفری چھا گئی ہیں کیا بات ہے۔ آئینہ میں اس بار میں لگتا ہے یاسمین کنول لکھ لکھ کر تھک گئی ہیں ادھورا تبصرہ' نور چودھری' ام ہانی' ماریہ نذیر' کرن شہزادی' پروین افضل' میں ہر بار آئینہ میں آپ لوگوں کے خط دیکھتی تو میں کہتی کہ میں کیسے لکھوں۔ آپ لوگوں کے خط اور جس جس سلسلے میں آپ لکھتی ہیں اچھا لکھتی ہیں۔ ہم غریبوں کو بھی یاد کریں' شکریہ۔ شیریں اسلم ویلکم۔ تحریم اینڈ رابعہ کا خط اچھا ہے۔ رقیہ ناز آپ کا خط بھی اچھا ہے۔ آپ کا شکریہ آپ نے میری دوستی پسند کی۔ سمیعہ سجاول آپ ناراض تو نہیں ہونا

آپ سے بات پوچھنی ہے۔آپ منگلور کالونی (تنی) والی اگلے ماہ خط میں ضرور بتایئے گا۔آخر میں آپ سب بہنوں سے التجا ہے کہ میرے لیے دعا کریں۔ میں ٹھیک ہو جاؤں' سب بہنوں کو سلام اور اگلے مہینے میں میرے بیٹوں محمد عباس' محمد عالیان کی سالگرہ ہے۔وش کر دینا ہے۔شکریہ۔ان کی سالگرہ کے حوالے سے ایک شعر۔

تم جیو ہزاروں سال
اور سال میں ہوں دن پچاس ہزار

سب کو محبتوں بھرا سلام قبول ہو۔ غلطی کوتاہی معاف کرنا شکریہ۔

کرن شہزادی...... مانسہرہ۔ شہلا اپیا! کیسی ہیں آپ؟ یقیناً بہت پیاری ہوں گی سب سے پہلے تو آپ کے لیے یہ شعر۔

چودھویں کا چاند ہو یا آفتاب ہو
جو بھی ہو خدا کی قسم لا جواب ہو

اس دفعہ آنچل اپنی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے حسب معمول اٹھائیس کو ہاتھ میں آیا اور خوشی سے دل کو گل سے گلستان بنا دیا اور دسمبر کی دھند میں لپٹی کہر زدہ صبحوں میں بہار کے دلفریب مناظر کی طرح آمد لگی۔سرورق پر ماڈل پھولوں کی ٹوکری لیے پیاری لگی۔ ''سرگوشیاں'' میں قیصر آرا آنی کی آمد اچھی لگی۔وہیں سعیدہ آپا کی کمی محسوس کی۔بالکل بجا فرمایا قیصر آرا آنی نے جس طرح مغرب ممالک میں مسلمانوں کے ساتھ غیر مساوی سلوک روا رکھا ہے اور اسلام کے خلاف توہین آمیز واقعات پیش آرہے ہیں۔اپنی قومی زبان کو فروغ دیں۔ ''حمد و نعت'' ہمیشہ کی طرح بہترین رہے۔ ''در جواب آں'' میں حرا قریشی کی شادی کے بارے میں پڑھا بہت بہت مبارک ہو۔تو پھر کب شادی کے احوال کے ساتھ آنچل میں شرکت کر رہی ہیں۔انتظار رہے گا۔ ''ربنا اتنا'' سے مستفید ہوئے۔ ''ہمارا آنچل'' میں ایم سحر تمہاری باتوں کا انداز مجھے اپنی دوست سیما کی طرح لگا۔ویسے تمہارے اساتذہ سے تو میں بھی متاثر ہوئی ہوں۔ہاہاہا۔قسط وار ناولز میں ''تیری زلف کے سر ہونے تک'' نہایت خوب صورتی سے اختتام کی طرف گامزن ہے۔ویسے زید کی جانبداری قابل رشک ہے۔ ''اکائی'' میں محمد جہانگیر کے لیے شعر۔

عشق نے غالب نکما کر دیا
ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

ویسے محمد جہانگیر کی آنکھوں میں چھپا جو راز فاطمہ پاس ہوتے ہوئے بھی نا جان سکی حالانکہ کہتے ہیں لڑکیاں اس معاملے میں تیز ہوتی ہیں کہ اپنی طرف اٹھنے والی نگاہ کو پہچان لیتی ہیں۔وقار الحق وہ راز پا گیا۔ویسے اس حسد کی آگ میں جلنے سے جنت بی بی کے ہاتھ کچھ نہیں لگنے والا۔ریحان کے لیے اتنا ہی کہوں گی یہ کتے کی دم ہے سو سال تک بوتل میں رہنے کے بعد بھی ٹیڑھی ہی رہتی ہے۔ ''سمجھے دی ماری میں جھلی'' بھی لگتا ہے اختتام کی طرف جا رہی ہے۔کردار کھل کر بہت حد تک واضح ہوئے ہیں اور لگتا ہے وجاہت رضا اور ہاجرہ کا بیٹا ہے۔دیکھتے ہیں آگے کیا ہوتا ہے۔صباء ایشل کا ناولٹ ''تحیر عشق'' عمدہ تحریر تھی۔عورت محبت اور وفاداری میں پوری جان لگا دیتی ہے اور صلہ بھی ویسا ہی چاہتی ہے اور اس میں ذرا سی کھوٹ بھی برداشت نہیں کر سکتی جیسا کہ نوراں کے ساتھ ہوا۔افسانوں میں صدف آصف کا ''کھینچا تانی'' واقعی میں ساس بہو کی لڑائی میں ہمیشہ مرد ہی پستا ہے۔اگر ساس بہو کو ''بیٹی'' اور بہو ساس کو ''ماں'' سمجھے تو یہ لڑائی ہو ہی نا۔ام اقصی کا ''در آگہی'' واقعی بھی کبھی آگہی۔ایک بہت بڑی نعمت ہوتی ہے۔ذہن کے بہت سے بند دریچوں کو کھول دیتی ہے۔ام ہانی کا ''پاک کرو'' میں نہایت عمدہ سبق تھا۔اپنے ظاہر کو صاف رکھنے کے ساتھ باطن کی صفائی بھی بے حد ضروری ہے۔ مستقل سلسلوں میں ''بیاض دل'' میں ارم کمال' حافظہ نمیرا' سباس گل' ''یادگار لمحے'' میں ندا رضوان' تابی کھرل اور ارم کمال کے انتخاب پسندیدہ رہے۔ ''نیرنگ خیال'' میں سباس گل' نگہت غفار اور فریدہ فری کی غزلیں اور راشد ترین' نزہت جبیں ضیاء کی نظمیں پسند آئیں۔ ''دوست کا پیغام آئے'' میں فائزہ بھٹی ہم آپ کو بھولے ہی کب ہیں کہ یاد کریں یاد تو انہیں کیا جاتا ہے جنہیں بھول جائیں۔

کبریٰ خان چوہان آپ ہمیں یاد کرتی ہو یہ پڑھ کر سیروں خون بڑھ گیا۔ ہمیشہ خوش رہو دوست "ہم سے پوچھیے" کی طرح ایک سے بڑھ کر ایک تبصرہ آئینہ کی زینت بنا ہوا تھا اور...... اور ہاں وہی کبریٰ ہوں۔ فائزہ بھٹی کے تبصرے پر اپنا نام پہا دیکھ کر دل عش عش کر اٹھا۔ ویسے میری ساری ہمدردیاں فائزہ بھٹی کے ساتھ ہیں۔ ان کے دل پر کیا گزری ہوگی۔ میں سمجھ سکتی ہوں۔ اور آخر میں جنہیں بھی میرا تعارف اچھا لگا اور جنہیں نہیں بھی اچھا لگا سب کا بے حد شکریہ۔ اور خدا ہمارے وطن کو دشمنوں کے شر سے محفوظ رکھے آمین۔ اللہ حافظ پاکستان زندہ باد۔

☆ پیاری شہزادی! فارغ عورتیں مردوں کی نظر کا مفہوم سمجھ جاتی ہیں جبکہ فاطمہ کو انتہائی مصروف خاتون دکھایا ہے اس لیے وہ رجت سنگھ تو کیا وقار الحق کی باتیں بھی سمجھ نہیں پاتیں۔

انعم زہرہ...... ملتان۔ شہلا آنی اور تمام ریڈرز اور رائٹرز کو میرا عقیدت بھرا سلام۔ حالات اور واقعات نے ہمیں غیر حاضر رکھا۔ پر لیجیے ہم پھر سے حاضر ہیں اپنی شخصیت کی تمام تر خوب صورتی کے ساتھ۔ آنچل اس بار پچیس کو ملا۔ سرورق پر "عروج شمیم" نے خوب صورت مسکراہٹ کے ساتھ خوش آمدید کہا۔ قیصر آرا آنی کی پریشان کن اور قابل غور سرگوشیاں سنیں۔ در جواب آں" میں معلوم ہوا ہماری "حرا قریشی" خیر سے پیا کو پیاری ہو گئیں۔ خدا آپ دونوں کی محبت کو ہر بد اور حسد سے محفوظ رکھے آمین۔ "سباس گل" ہماری طرف سے بھی مبارک بعد وصول کیجیے۔ سلسلہ وار ناولز میں "تیری زلف کے سر ہونے تک" بہترین جا رہا ہے۔ نوفل کو جن حالات کا سامنا ہے اس کا بر ہم ہونا بجا ہے۔ پر انشی کی حالت پر رحم آتا ہے۔ فی الحال وہ اپنی حرکات پر شرمندہ ہے اور جب شرمندگی پر محبت کا جذبہ غالب آئے گا تو مزہ آئے گا۔ عمرانہ خاتون نے جو سنا اس کے بعد ان کے خیالات جاننے کو بے تاب ہوں۔ اگلی قسط کا انتظار رہے گا۔ اور اکائی نے تو اور بھی زیادہ خطرناک موڑ اختیار کر لیا ہے۔ اور رجت سنگھ کا 'اوہ سوری' محمد جہانگیر' کا فاطمہ بی بی کے ساتھ کی خواہش کرنا پھر اس خواہش کو رد کرنا پسند آیا۔ ہم فاطمہ بی بی اور وقار کی خاموش محبت کو سننا چاہتے ہیں۔ مگر ہمیں اپنی یہ خواہش پوری ہوتی نظر نہیں آتی۔ دیکھتے ہیں فاطمہ بی بی کو آگ سے جہانگیر بچاتا ہے یا وقار؟ جاننے کے لیے اگلے شمارے کا انتظار رہے گا۔ بیاض دل میں ارم کمال' پروین افضل شاہین' سباس گل' ماروی یاسمین اور بنت کنول کے اشعار پسند آئے۔ "نیرنگ خیال" میں سباس گل' عنبر مجید' راشد ترین' سائرہ خان اور شگفتہ خان کی شاعری پسند آئی۔ "دوست کا پیغام آئے" میں ارم آصف' گلشن چوہدری (ڈیئر آپ کے ہوتے ہوئے میں اداس کیسے ہوسکتی ہوں) فائزہ بھٹی' رمشا آصف' وسلام کبریٰ خان چوہان آپ سب کا بہت شکریہ۔ اور آئینہ میں۔ ام ہانی شاہد' ماریہ نذیر' تحریم اینڈ رابعہ' اقرا جٹ میری شاعری کو پسند کرنے کا بہت شکریہ۔ آپ تمام قارئین سے گزارش ہے ایک بار سورۃ فاتحہ پڑھ کر میرے ماموں عالم گیر کو ہدیہ کر دیں۔ دعا کے لیے التماس ہے۔

صائمہ مشتاق...... بھاگٹانوالہ سرگودھا پیاری شہلا جی کیسی ہو اور سردیاں کیسی گزر رہی ہیں۔ پچھلے ماہ تبصرہ کیا اور اقرا ممتاز کو دے کر بھیجا کہ پوسٹ کروا دینا۔ آگے سے پتا ہے جواب کیا ملا وہ بھی دس تاریخ کو کہ ہمارا پوسٹ بکس ہی آندھی کی وجہ سے اڑ گیا۔ مجھے تو وہ غصہ آیا کہ بتا نہیں سکتی۔ اور کہا کہ شکر ہے آندھی سے تم نہیں اڑیں۔ میرا تبصرہ واپس بھیج دو پھر جانب میڈیم صاحبہ نے اپنا تبصرہ بھیج دیا کہ یہ حجاب پر کیا تھا تم پوسٹ کروا دو پہلے تو میرا دل کیا کہ نہ کرواؤں' پھر سوچا مستقبل کی بھابی ناراض ہی نہ ہو جائے۔ اب آتی ہوں تبصرے کی جانب ٹائٹل گرل اچھی لگ رہی ہے۔ اس طرح کی ہی میں نے بھی ٹوکری پکڑی ہوئی ہے۔ اس میں پھول نہیں بلکہ مالٹے ہیں جس کسی نے کھانے ہیں جلدی سے آجاؤ۔ "سرگوشیاں" میں آنی اردو زبان کی اہمیت اور ساتھ میں موسم کا حال بتاتی پائی گئیں۔ اس کے بعد حمد و نعت سے فیض یاب ہوئے۔ "در جواب آں" کو حسرت سے دیکھا کہ پچھلی دفعہ پوسٹ ہو جاتا تو قیصر آنی سے آدھی ملاقات ہو ہی جاتی "ربنا اتنا" مشتاق احمد قریشی نے درست ہی لکھا ہے کہ ہم کبھی رب کا شکر ادا نہیں کرتے جو نعمتیں اس نے ہمیں عطا کی ہیں۔ "ہمارا آنچل" میں ایم سحر کے جوابات سو سو تھے۔ اب آتی ہوں سلسلے وار ناول کی جانب تو جی جناب اقرا صغیر احمد کا "تیری زلف کے سر ہونے تک" ناول اختتام کی طرف گامزن ہے۔ عمرانہ کو شکر ہے احساس ہو رہا ہے کہ وہ غلط کر رہی تھی۔ اب شعوانہ کیوں نوفل کے پیچھے پڑ گئی ہے۔ صائمہ قریشی کا "عشقے دی مارے میں جھلی" زبردست قسط تھی۔ فجیعہ کی موت پر بہت رونا آیا۔ اب پتہ نہیں

عبدالمعید جب رضا کے پاس جائے گا تو کیا ہوگا۔ ہاجرہ سکینہ کو اپنی بہو بنائے گی۔ کیونکہ سکندر ہی رضا سکندر ہے یا پھر شمع کے بھی تو دو بچے پیدا ہوئے تھے۔ بیٹی اور بیٹا کیا وجاہت شمع کا بیٹا ہے۔ لیکن مجھے تو لگتا ہے کہ وہ رضا کا ہی بیٹا ہوگا۔ مکمل ناول میں "تجھے عشق ہو" قرۃ العین سکندر رور شہوار اور فیروز آخر ل ہی گئے۔ دانیال کو بھی آخر ثوبیہ سے محبت ہو ہی گئی۔ شعیب صاحب کو آخر عقل آ ہی گئی۔ چلو شکر ہے برے کاموں سے توبہ کر لی اچھا ناول تھا۔ "تحیر عشق" صباء جی کیا کمال کا ناول تھا نوراں جیسا عشق کون کرتا ہے لیکن شاہ مراد بھی تو نوراں کو چاہتا تھا نا آپ کی یہ لائن بہت پسند آئی۔ "جب ہم کسی شدت سے چاہتے ہیں جب ہمارے پاس ایک ہی شخص کی صورت دو جہانوں کی دولت ہو تو پھر اس دولت کے لٹ جانے کا غائب ہو جانے کا ڈر رہتا ہے۔ نمبر ون ناولٹ تھا۔ افسانوں میں کھینچا تانی صدف آصف واقعہ یہ ہر گھر کی کہانی ہے۔ "ایک عورت" عقیقہ محمد بیگ بہت اچھا افسانہ تھا۔ ام قصیٰ کا ورآ گہی واقعی ہم ہر کام وقت پر کر رہے ہیں لیکن نماز کیلیے ہمارے پاس ٹائم نہیں ہوتا۔ آپ نے افسانے کے ذریعے اچھا سبق دیا ویل ڈن۔ ام ہانی کا "پاک کرو" اچھا افسانہ تھا۔ "بیاض دل" سب کے شعر پسند آئے "ڈش مقابلہ" رس ملائی نوٹ کر لی ہے۔ "نیرنگ خیال" سباس گل کی غزل مدیحہ نورین مہک کی شاعری اقرأ جٹ کی نظم اچھی تھی۔ "دوست کا پیغام آئے" گلشن چوہدری سیکنڈ پوزیشن پر مبارک قبول ہو۔ فائزہ بھٹی جانوں بہت کم نے ہماری سالگرہ یاد رکھی۔ میرا فون نمبر لینا ہے تو میں بھائی طاہر احمد کو لکھ دوں گی۔ آپ ان سے لے لینا یا اپنا نمبر دے دینا۔ ماریہ نذیر لو ہم آ گئے۔ آئینہ میں سب نے خوب لکھا۔ پیاری آپی صفحہ ہی ختم ہو گیا ہے۔

☆ پیاری صائمہ! ادارے کی یہ پالیسی نہیں ہے کہ ہم کسی کا نمبر رکھے یا کسی دوسرے کو دیں اس کے لیے معذرت۔

ام ھانی شاھد...... ڈگری۔ ڈیئر شہلا میری طرف سے محبت بھرا اسلام قبول کیجئے۔ ایسے کیا دیکھ رہی ہو آخر تمیز نام کی بھی کوئی چیز ہوتی ہے (ہاہاہا) اب آتے ہیں آنچل کی طرف جس تاریخ کو انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں اور ہمارے آنچل تشریف لے آئے۔ ٹائٹل کو غور سے دیکھا ماڈل تو خوب صورت تھی مگر اس کے گلے میں پہنے نیکلس نے چاند میں داغ کا سا کام کیا اور سے عروج کی مسکراہٹ بھی ماشاء اللہ تھی (ہاہاہا) ہاتھ میں پکڑے بوکے پھول بھی مرجھائے ہوئے لگے آگے بڑھے اور لیجئے سرگوشیاں پر آنی قیصر آرا کا ہر اک لفظ سچائی میں ڈوبا ہوا تھا۔ ساری تباہی سوشل میڈیا نے ہی مچائی ہے ہمارے ملک کے نوجوان بچے تباہی کی طرف گامزن ہیں۔ اللہ ہدایت دے ہماری قوم کو (آمین) حمد و نعت سنہری موتیوں کی مانند لگی۔ درجواب آں میں آنی کا میٹھا لہجہ ہمیشہ کی طرح پسند آیا۔ مدیحہ نورین مہک تمہاری شادی کے بارے میں جان کر بہت زیادہ خوشی ہوئی۔ اللہ تمہیں تمہارے نئے گھر میں جی جو کے ساتھ ہمیشہ خوش خوش رکھے اور تم یونہی ہنستی مسکراتی رہو نئے گھر میں جا کر ہمیں بھول مت جانا ڈیئر تمہارے لیے ایک شعر

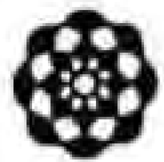
ہر صبح تیری مسکراتی رہے
ہر شام تیری گنگناتی رہے
میری دعا ہے کہ تو جس سے بھی ملے
ہر ملنے والے کو تیری یاد آتی رہے

رہنا اتنا جب بھی پڑھتی ہوں دل کو بہت سکون ملتا ہے انکل اللہ تعالیٰ آپ کے قلم کو مزید ترقی دے (آمین) انٹرویو میں نٹ کھٹ سی ایم سحر پسند آئی وہاں سے ہو کر پہنچے "تیری زلف کے سر ہونے تک" پر ناول کے لیے انشراح کا پریشان ہونا پسند آیا۔ عمرانہ کی اکڑ جھاگ کی طرح بیٹھ گئی زید اور سودہ کا ساتھ کہانی کو خوب صورت بنا دیتا ہے۔ شاہ زیب کو بھی عروہ کی شکل میں چڑیل مل گئی۔ اب شاہ زیب تم گنجے ہونے کی تیاری کر لو (ہاہاہا) اگلی قسط کا انتظار شروع۔ اکائی پڑھی وقار آئے خوشی ہوئی لیکن وقار نے فاطمہ کو طلاق دینے کا کہا تو ساری خوشیوں پر پانی پھر گیا۔ اس بار ول کر رہا ہے وقار صاحب کو کنویں میں دھکا دے دوں ولن لگ رہے ہیں وقار الحق رجت سنگ (محمد جہانگیر) بہت پیارا نام ہے عشناء آپی میں تو کہتی ہوں کہ محمد جہانگیر کو ہی فاطمہ کا ہیرو بنا دو (پر میرے کہنے سے کیا ہوتا ہے) اف جنت کی ایک اور سازش جو کشور ریحان میاں تکمیل تک پہنچا رہے ہیں اللہ غرق کرے ان دونوں کو۔ خیر مجھے لگتا ہے کہ فاطمہ کو آگ سے محمد جہانگیر (عرف رجت) ہی بچائے گا اب آگے آگے

دیکھیے ہوتا ہے کیا' "سمجھے دی ماری میں جھلی" (ہائے نی پڑھ پڑھ کر میں کلی ہوگئی) ہاہاہا اس بار بہت سے ٹوسٹ تھے۔ ہاجرہ کا رضا سے نکاح شمع کے جڑواں بچے' دل بہار بانو کا پاکستان آنا' حسن اور شجیعہ کا نا ملنا اور اسی کشمکش میں آٹھ سال گزر جانا اور پھر اچانک ایک دن بانو آپا کی کال آ جانا پھر شجیعہ کی ڈیتھ ہو جانا اور سکینزہ کا حسن کی بیٹی معلوم ہونا' ان سب میں مجھے ایک بات سمجھ میں نہیں آئی کہ حسن کا نام عبدالمعید کیسے ہوا' خیر کہانی اختتام کی طرف گامزن ہے۔ بات کریں افسانوں کی تو "درآ گہی" کہانی پڑھتے ہوئے دل میں خوف پیدا ہوا کہ اگر ہمارے ساتھ وہ حادثہ ہو جاتا تو...... تو ہم اللہ کو کیا منہ دکھاتے اللہ ہمیں نیک عمل کرنے کی توفیق دے (آمین) "پاک کرو" کہانی زبردست تھی سچ میں انسان اپنی چیزیں تو پاک کر لیتا ہے لیکن دل کو پاک نہیں کرتا سبق آموز کہانی تھی "ایک عورت" ارم کے ساتھ بہت برا ہوا' اگر مریم ٹائم پر سچ نہیں بولتی تو آفتاب ارم کو طلاع دے دیتا۔ ویسے سچ ہی ہے گھر سے بھاگی ہوئی لڑکیوں کی عزت نہیں ہوتی۔ "کھینچا تانی" ساس اور بہو کے جھگڑوں پر بار بار لکھا جا چکا ہے' کچھ نیا پڑھنے کے خواہش مند ہیں سوری ٹو سے صدف آصف اسٹوری جگہ بنانے میں ناکام رہی۔ ناولٹ میں "تحیر عشق" شروعات اچھی رہی شاہ اور نوراں کی محبت بہت اچھی لگی' لیکن آخر میں شاہ کا نوراں کو دھوکا دینا دکھی کر گیا۔ ٹھیک لکھا صباء ایشل نے عورت کا بھروسہ ایک بار ٹوٹ جائے تو پھر نہیں قائم ہوتا شاہ سے بہت بڑی غلطی ہوئی ناول تجھے عشق ہو درشہوار نام یونیک سا لگا۔ دانیال کا کردار بھی اچھا تھا فیروزہ اور درشہوار کی نوک جھوک پسند آئی۔ شعیب عالم بہت برا انسان تھا' مگر اس نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا اور معافی بھی مانگ لی۔ اگر سب سیاستدان ایسے ہو جائیں تو ہمارے ملک کے حالات بھی بہتر ہو جائیں گے۔ اب آتے ہیں مستقل سلسلوں کی طرف "بیاض دل" میں ارم کمال' فریدہ فری' ثناء فرحان' پروین افضل' ایمان رضوان' پارس مغل' مہرین مہک' اور عبیرہ انیس کے اشعار پسند آئے "ڈش مقابلہ" نہ ہی پوچھیے ہم تو دیکھ کر بھی نہیں گزرے پچھلی بار والی حالت یاد آ گئی (ہاہا) "نیرنگ خیال" میں شازیہ ہاشم' نزہت جبیں ضیاء' راشد ترین' مدیحہ نورین مہک' مدیحہ اکرم' شگفتہ خان' اقرا جٹ اور نعیم الصر نے زبردست لکھا "دوست کا پیغام آئے" میں شکریہ ہما آپی مجھے جگہ دینے کے لیے ارم آصف آپ سے دوستی ہمیشہ پکی رہے گی۔ گلشن چوہدری شکریہ کی کوئی بات نہیں رقیہ ناز ہمیں تو بالکل نہیں بھولو گی' فائزہ بھٹی' رمشا' ماآصف' اقرا' ممتاز دعاؤں میں یاد رکھنے کے لیے شکریہ۔ مدیحہ مہک شادی کے لیے ایک بار پھر مبارک باد۔ جی جو کو زیادہ تنگ مت کرنا (ہاہاہا) "یادگار لمحے" میں ندا رضوان' ارم کمال' ماریہ نذیر' تانی کھرل (عثمان عبداللہ ہمیشہ کی طرح بیویوں کے پیچھے پڑے نظر آئے) ہاہاہا۔ ماہا بشیر' علمہ شمشاد نے خوب لکھا۔ آئینہ کی محفل میں پہنچ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ اپنا نام دیکھ کر (ہاہاہا) ارم آصف' نور چوہدری' ماریہ نذیر' عائشہ شکیل' کرن شہزادی آپ سب کی دوست بن کر میں بہت خوش ہوں۔ اللہ کرے ہمارا ساتھ یونہی بنا رہے رضوانہ وقاص آپی اللہ آپ کو صحت و کاملہ عطاء فرمائے (آمین) "ہم سے پوچھیے" شمائلہ میں تم سے کٹی ہوں تم میرے سوالوں کے جواب نہیں دیتیں) امن ملک' نجم انجم اور عنزہ یونس کے سوال و جواب پڑھ کر مزہ آیا۔ "آپ کی صحت الحمدللہ فٹ ہے۔ لو جی آنچل ختم شہلا جی گھور و مت اگلی بار پھر آئیں گے تمہاری ناک میں دم کرنے (ہاہاہا) اللہ حافظ۔

☆ ڈیئر ہانی! عروج کی اماں نے نیا نیکلس خرید کر دینے سے انکار کر دیا اسی لیے بچاری کو پرانا نیکلس پہن کر گزارہ کرنا پڑا۔ اب آپ یوں اس کی بے عزتی تو خراب مت کریں۔ ناک میں دم مت کرو البتہ سر پر کر دو جو تمہارے تبصرے پڑھتے پڑھتے درد کرنے لگا ہے۔

اس دعا کے ساتھ اجازت کہ اللہ رب العزت نئے سال کو ہم سب کے لیے خوشیوں کا گہوارہ بنائے اور ہم سب کی پریشانیوں کو دور فرمائے اور پاکستان کو اپنی حفظ و امان میں رکھے آمین۔



ہم سے پوچھئے

شمائلہ کاشف

ارم کمال......فیصل آباد

س: شمائلہ جانو مٹھائی کھا کر پٹائی کب ہوتی ہے؟ تمہیں تو پتہ ہوگا ناں؟

ج: ہاں پتا ہے جب تم نے اپنی پڑوسن کا مٹھائی کا ڈبہ کھالیا تھا تو تمہاری کیسی پٹائی ہوئی تھی مجھے آج بھی وہ سب یاد ہے۔

س: یہ جو چھوڑ کے چلے جاتے ہیں انہیں نیند کیسے آتی ہوگی بتاؤ ناں؟

ج: احمقوں کی ملکہ نیند کی ٹیبلٹ لیتے ہوں گے۔

س: شمائلہ جی ذرا بتانا تو الو بنانا آسان ہے یا الو سے ملنا؟

ج: بھئی میرے لیے تو دونوں آسان ہیں تمہیں ہر دفعہ الو بنا بھی دیتی ہوں اور تم الو بن کر ہر بار ملنے بھی چلی آتی ہو۔

س: دل جلے اور دل کے جلے میں کیا فرق ہے؟

ج: دل جلے کی کوئی پریم کہانی نہیں ہوتی اور دل کے جلے پریم کہانی کے ہوتے ہیں۔

س: دلربا سا موسم تھا، چاندنی چٹک رہی تھی ایسے میں میں بادلوں کی رت پر سوار ان کا ہاتھ تھامے سولہ سنگھار کیے پریوں کے دیس میں جارہی تھی کہ اچانک......؟

ج: شوہر نامدار نے جگا دیا کہ میرے موزے کہاں رکھے ہیں۔ چی چی چی بے چاری۔

س: بوجھو تو جانیں ادا، حیا اور وفا ان سب کا آپس میں کیا تعلق ہے؟

ج: محبوب کا، اب یہ مت پوچھنا کس کے۔

س: دل کی دنیا زیر سے زبر کب ہوتی ہے۔ سوچ کر بتانا سوئیٹ ہنی شمائلہ؟

ج: اب تک ہمارے دل کی دنیا میں ایسا کوئی حادثہ پیش آیا ہی نہیں آیا اب تک۔

پروین افضل شاہین......بہاول نگر

س: میرے میاں جانی پرنس افضل شاہین کو پتا ہے کہ میں کتنی خوب صورت ہوں مگر پھر بھی وہ میری سہیلیوں کو کیوں محبت بھری نظروں سے تکتے ہیں؟

ج: تاکہ ان کی نظروں سے گھائل ہو کر وہ ان کی سہیلیاں اور تمہاری سوتن بن جائیں۔

س: اگر عورت کتاب ہے تو یہ مرد کیا ہے؟

ج: کتابی کیڑا۔

س: لو میرج کرنے والوں کو کب پتا چلتا ہے کہ چوری کے بیر کھانے کی سزا کتنی سخت ہوتی ہے۔

ج: جب اولاد کو پتا چلتا ہے تب۔

مونا شاہ قریشی......کبیر والا

س: کیا بات ہے، بوجان میرے آنے سے یہ چہرے کے لشکارے کمال ہے آپ اتنی دلکش تو پہلے کبھی نہ لگیں، کیا خیال ہے۔

ج: آج پھر تم اپنی دادی کی عینک لگا کر آئی ہو اس لیے صاف صاف نظر آرہا ہے ورنہ تو......

س: یار بجو یہ لڑکے اتنے بدتمیز بدلحاظ اور لڑکیاں اتنی معصوم بمع شرافت کیوں ہوتی ہیں؟

ج: اب کیا کریں یہ لڑکے تو ایسے ہی ہوتے ہیں گزارہ تو کرنا پڑے گا نہیں۔

س: اگر دودھ سے دہی بن سکتی ہے تو دہی سے مکھن کیوں نہیں، وائے وائے وائے؟

ج: دہی سے مکھن تو نہیں البتہ لسی ضرور بنتی ہے اور تم شاید میرے دماغ کی بھی لسی بنانا چاہتی ہو۔

س: جانے سے پہلے ایک عرض سن لیں۔

یہ میرے عشق کی ہے سادگی
جو تیرے عیب ہمیں از بر نہیں......

ج: لیکن ہمیں تو تمہارے سب عیب از بر ہیں کہو تو بتاؤں۔

مشی خان......بھیر کنڈ

س: شمائلہ دیدی کیسی ہیں؟ کہیں سردی کی وجہ سے سکڑ تو نہیں گئیں؟

ج: میں تو ویسی ہی ہوں البتہ تم کپڑوں کی وجہ سے ڈبل ٹرپل نظر آ رہی ہو۔

س: میں ہمیشہ سچ بولتی ہوں، اس لیے آپ جواب نہیں دیتیں؟

ج: تم اور سچ...... یہ سال کے ابتدا کا سب سے برا جھوٹ ہے اور پہلا بھی۔

س: ارے، باپ رے باپ اتنا غضب پلیز دیدی اپنی تیوریاں کم کرلیں ورنہ پیشانی پر نشان رہ جائیں گے؟

ج: تم اپنی پیشانی کو مضبوط کرلو کیونکہ میرا نشانہ کبھی نہیں چوکتا۔

س: زمانے کے سوالوں کو میں ہنس کر ٹال دوں لیکن نمی آنکھوں کی کہتی ہے مجھے تم یاد آتے ہو۔ بھلا کون؟

ج: بندریا کو اپنا بندر ہی یاد آئے گا ناں۔

س: اوکے شمائلہ دیدی اگر اجازت ملی تو پھر آؤں گی؟

ج: کس سے ساس سے یا سسر سے۔

کرن شہزادی...... مانسہرہ

س: نئی کڑیوں ذرا پاسے پاسے ہو، میں آ گئی ہوں؟

ج: چڑیلوں کی سردار۔

س: آپی آپ ہمارے اتنے میٹھے سوالوں کے اتنے کھٹے جواب کیوں دیتی ہیں؟

ج: دانت کھٹے کرنے کے لیے۔ ویسے بھئی میں بھول گئی کہ تمہارے دانت تو ہیں ہی نہیں۔

س: اف آپی مانا کہ میں خوب صورت ہوں لیکن آپ ٹکٹکی باندھے دیکھ کر مجھے نظر تو نہ لگائیں۔

ج: نظر بٹو کو کیسے نظر لگتی ہے بھلا۔

س: آپی یہ بندر بندروں والی حرکتیں کیوں کرتے ہیں؟

ج: تم اپنی بات کررہی ہو تو کیوں کی وجہ بھی تم بتاؤ۔

س: آپی تھوڑا کھایا کریں؟ اس عمر میں اتنا۔

ج: تمہاری عمر کو پہنچوں گی تو زیادہ کی لگوں گی ہے ناں۔

س: آپی اچھی سی دعا دے کر رخصت کریں۔

ج: پچھلی بار دعا دی تو تھی کیا اثر نہیں ہوا۔

اقرا اعجاز بہ...... برنالی

س: باادب باملاحظہ ہوشیار ملکہ عالیہ تشریف لا رہی ہیں۔ جو بیٹھے ہیں وہ کھڑے ہوجائیں اور جو کھڑے ہیں وہ...... کھڑے ہی رہیں۔

ج: ہاں تم جیسی کو باہر نکالنے کے لیے دھکا بھی تو دینا پڑے گا ناں۔

س: او ہو اتنی سردی میں آئی ہوں بندہ کوئی چائے، کافی کا ہی پوچھ لیتا ہے۔ بھئی آپ تو بڑی کنجوس نکلیں۔

ج: نہیں یہ چپل تمہاری تواضع کے لیے ہی رکھی تھی اب بتاؤ کیسی لگی گرما گرم یا ٹھنڈی ٹھار۔

س: کیا کیا؟ سردی سے گلا درد کررہا ہے آپ حکم کریں تو گلا دبا......؟

ج: بہت تجربہ ہے تمہیں گلا دبانے کا کتنوں کا دبا چکی ہو۔ بتانا ضرور۔

س: چلیں جلدی سے بتائیں جب بندہ اداس ہو تو کیا کرے؟

ج: کھانا پکائے اور ہونے والے ان کی ساس کو کھلائے۔

س: اچھا جی اچھی سی دعا دے کر رخصت کریں۔ اداس نہ ہوں میں پھر آؤں گی۔

ج: میری دعا ہے کہ تم جلد وہاں پہنچ جاؤ جہاں تمہارے وہ رہتے ہیں، بھئی سسرال والے۔

س: میری دی ہوئی دھمکی کام آ گئی ہے؟ سمجھ آئی ہے آپ کو۔

ج: ویسے یہ تو سب کو بتاؤ تم نے اپنے ان کو کس بات کی دھمکی دی تھی۔

س: اب میں راضی ہوں آپ سے؟

ج: تمہیں قرضہ دے دیا تھا میں نے۔ تم تو یہی کہو گی ناں اب۔

س: کبھی کبھی آزمائشیں اتنی طویل کیوں ہوجاتی ہیں؟

ج: بھئی یہ بھی لمبی کہانی ہے کبھی فرصت ملی تو سناؤں گی۔

ثناء فرحان......کراچی

س:۔آپ کی دعا سے طویل سفر چھت پر ہی کیا آپ سمجھ رہی ہوں گی کہ دھوپ سے کالی ہوگئی ہوگی شاہ لیکن بادلوں کی وجہ سے بچ گئی کیسا لگا؟

ج:۔کیا تمہارا آنا، انتہائی فضول۔

س:۔اب تم ہی ہو تم ہی ہو بھلا بتاؤ تو کیا؟

ج:۔چائے ناں۔

س:۔ہارے ہارے ہارے، ہم تو......؟

ج:۔لوڈ شیڈنگ کے مارے، ہم تو۔

س:۔تیری یاد میں پاگل دل روتا ہے؟

ج:۔سیاست کی بات کررہی ہو، پگلی۔

س:۔دعا دیں اور خوش رہیں؟

ج:۔جگ جگ جیو زندگی۔

نورین انجم......کراچی

س:۔سوئٹ آنٹی میری مما کی سالگرہ ہے انہیں کیا گفٹ دوں جلدی سے بتائیں؟

ج:۔اپنے ابو کا نوٹوں سے بھرا والٹ دے دو بس۔

س:۔لو جی پھر آ گئی ہوں آپ کی خوب صورت محفل میں ہمت تو دیکھو میری آخر انجم کی بیٹی ہوں (ہی ہی ہی ہی)

ج:۔ہمیں تو پہلے بھی کوئی شک نہ تھا تمہیں ہے تو بتاؤ۔

س:۔آپ مجھے بھول کیوں جاتی ہیں؟

ج:۔کیونکہ تم بہت چھوٹی ہو اور چھوٹی چھوٹی چیزیں میں رکھ کر بھول جاتی ہوں اکثر۔

س:۔دن میں تارے کیسے نظر آتے ہیں اور کس رنگ کے ہوتے ہیں؟

ج:۔یہ تو تم بتاؤ جب امی کا ہاتھ کام نہ کرنے پر تمہیں پڑتا ہے تو دن میں تارے کس رنگ کے نظر آتے ہیں، ننھی شہزادی۔

س:۔جارہی ہوں اب غصہ کیوں کررہی ہیں؟ واپسی کا کرایہ تو دے دیں؟

ج:۔شرم کرو آخر کو انجم کا بھی کوئی نام ہے اسی کا پاس رکھ لو۔

یاسمین کنول......پسرور

س: مصروفیت عذاب کب بنتی ہے۔

ج: جب حد سے بڑھ جائے احمق۔

س: دل میں کدورت رکھ کر لوگوں سے ملنا کیسا فعل ہے؟

ج: فعل تو برا ہے پر یہ بتاؤ تم کس سے مل کر آ رہی ہو؟

س: زندگی جب بھی رخ بدلتی ہے آگے ایک اور موڑ کیوں نظر آتا ہے۔

ج: یہ احمقوں کی نشانی ہے، کیونکہ زندگی جب بھی موڑ بدلتی ہے آگے راستہ بند ہوتا ہے۔

س: دلوں کے میل اتارنے والا صابن کب ایجاد ہوگا؟

ج: وہ صابن ایجاد ہو بھی جائے تب بھی تمہارا دل استعمال کرنے کو نہیں تیار ہوگا۔

س: رنج والم کے موقع پر لوگ لباس کا جائزہ کیوں لیتے ہیں؟

ج: تاکہ آئندہ وہ بھی ویسا ہی لباس پہن سکیں۔

س: ڈینگی بخار پہلے کدھر تھا ہمیں کیوں نہیں ہوا تھا اب تو ہماری تلاش میں رہتا ہے بھلا کیوں؟

ج: کیونکہ تم عشق کی ستائی ہوئی ہو، ادھوری شاعرہ۔

آپ کی صحت

ڈاکٹر شائستہ سرفراز

محترمہ سارہ فاروقی فیصل آباد سے لکھتی ہیں کہ میری بیٹی کی عمر چودہ سال ہے مسئلہ یہ ہے کہ اس کی گردن کے پیچھے اور دائیں بائیں حصے ایسے ہیں جیسے میل جمی ہوئی ہو۔اس کے علاوہ دیگر جوڑوں کے حصے بھی کالے ہیں حالانکہ باقی رنگ صاف ہے کوئی حل تجویز فرمائیں۔

محترمہ آپ کی بیٹی Calandula 8 کے دس قطرے ناریل کے تیل میں ملا کر روزانہ گردن اور متاثرہ جوڑوں پر لگائیں اور مہینے میں ایک دفعہ اس کے پانچ قطرے آدھے کپ پانی میں ڈال کر پی لیں ان شاء اللہ افاقہ ہوگا۔

نازنین شیخوپورہ سے لکھتی ہیں کہ میری بیٹی کی عمر اٹھارہ سال ہے مگر اس کا قد چھوٹا ہے بال بھی کمزور اور بے رونق ہیں جس کی وجہ سے وہ پریشان رہتی ہے براہ مہربانی دونوں مسئلوں کا حل تجویز کردیں۔

محترمہ آپ اپنی بیٹی کو Calcium phos 6x کی دو گولی دن میں تین مرتبہ کھلائیں اور Barium Carb 200 کے پانچ قطرے ہفتے میں ایک مرتبہ آدھا گلاس پانی میں ڈال کر پی لیں بالوں کے لیے کلینک سے Aphrodite Hair Grower بذریعہ ایزی پیسہ منگوالیں۔

محمد اسلم پتوکی سے لکھتے ہیں کہ میرے مسائل شائع کیے بغیر علاج تجویز فرمادیں۔

محترمہ آپ اپنی حالیہ رپورٹس کے ہمراہ کلینک پر تشریف لائیں معائنے کے بعد ہی علاج ہوسکے گا بصورت دیگر کلینک کے نمبر پر رابطہ کریں۔

تحریم ارشد حیدرآباد سے لکھتی ہیں کہ میری عمر بائیس سال ہے میرا مسئلہ یہ ہے کہ میں بہت کمزور ہوں جلد تھک جاتی ہوں زیادہ کام نہیں کر پاتی ہوں تھوڑا سا کام کروں تو ہاتھوں میں درد ہوجاتا ہے نسوانی حسن میں بھی کمی ہے اس کیفیت سے بہت پریشان ہوں پلیز کوئی علاج بتائیں۔

محترمہ آپ Ceprum Met 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ پئیں۔ خوراک میں دودھ اور کھجور شامل کریں اور کلینک سے Breast beauty منگوالیں۔

م ج جہلم سے لکھتی ہیں کہ میری عمر بیس سال ہے مگر میرا وزن بہت زیادہ ہے میں اپنے وزن سے بہت پریشان ہوں برائے مہربانی میری رہنمائی فرمائیں اور مناسب علاج تجویز فرمائیں۔

محترمہ آپ Phytolacca berry Q کے دس قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ استعمال کریں۔ روزانہ آدھے سے ایک گھنٹہ واک لازمی کریں۔ گھر کا پکا ہوا سادہ کھانا کھائیں مرغن، مرچ، مصالحہ والے اور باہر کے کھانوں سے پرہیز

کریں پانی زیادہ پئیں اور کولڈ ڈرنک وغیرہ بالکل نہ پئیں۔

کنول وسیم لکھتی ہیں کہ مجھے لیکوریا کا مسئلہ ہے اور میرے بال بھی بہت تیزی سے جھڑ رہے ہیں کوئی علاج بتائیں۔

محترمہ آپ Pulsatilla 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار پئیں اور اپنے بالوں کے لیے کلینک سے Aphrodite Hair Grower منگوالیں۔

محلہ رام باغ سے خاتون لکھتی ہیں کہ میری عمر چالیس سال ہے میرا مسئلہ یہ ہے کہ میری کمر میں مستقل درد رہتا ہے پین کلر لینے سے وقتی طور پر درد ختم ہوجاتا ہے لیکن دوا کا اثر ختم ہوتے ہی پھر شروع ہوجاتا ہے۔ نیچے بیٹھنے اور زیادہ چلنے سے درد بڑھ جاتا ہے کوئی علاج تجویز کردیں مہربانی ہوگی۔

محترمہ آپ Nux vomica 30 کے نیم گرم پانی میں دس قطرے دن میں تین ٹائم استعمال کریں ایک ہفتہ استعمال کے بعد کیفیت کلینک کے نمبرز پر ڈاکٹر کو بتائیں۔

ہانیہ عارف والا سے لکھتی ہیں کہ میری عمر سترہ سال ہے چہرے پر غیر ضروری بال ہیں جو بڑھتے جا رہے ہیں کوئی علاج تجویز فرمائیں۔

محترمہ آپ کلینک سے بذریعہ ایزی پیسہ Aphrodite Oil Inhibator منگوالیں۔ باقاعدہ استعمال سے غیر ضروری بالوں سے مکمل نجات ملے گی ان شاءاللہ۔

مسز وسیم لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر دوا تجویز فرمادیں۔

محترمہ آپ Nux Vomica 200 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ پئیں اور اس کے ایک ہفتے بعد Marchuras sal 6x کی دو گولیاں دن میں تین مرتبہ لیں دونوں دوا کے درمیان دس منٹ کا وقفہ رکھیں علاج تین مہینے مسلسل کریں۔

ہومیوڈاکٹر ہاشم مرزا کلینک
صبح دس تا شام چار بجے
ایڈریس: دکان نمبر C-کے ڈی اے فلیٹس فیز 4 شادمان ٹاؤن نمبر 2 سیکٹر B-14 نارتھ کراچی 780
فون نمبر 021-3699709 صبح 10 تا ایک شام 6 تا 9 بجے۔
ایزی پیسہ اکاؤنٹ نمبر 0349-4900800
خط لکھنے کا پتا آپ کی صحت ماہنامہ آنچل کراچی پوسٹ بکس نمبر 7 کراچی۔

hashim.mirza@aphrodite.com.pk

